۱

ناشر

نام کتاب	آداب اسلامی (۱)
تالیف	نصاب تعلیم کمیٹی
مترجمین	سید کمیل اصغر زیدی، سید رضوان حیدر رضوی
کمپوزنگ	ابوزینب
سنہ طباعت	ستمبر ۲۰۰۵ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	تنظیم المکاتب، گولہ گنج، لکھنؤ
قیمت	

فہرست

ساتواں سبق

آٹھواں سبق

نواں سبق

دسواں سبق

گیارہواں سبق

بارہواں سبق

تیرہواں سبق

چودہواں سبق

پندرہواں سبق

سولہواں سبق

سترہواں سبق

اٹھارہواں سبق

انیسواں سبق

بیسواں سبق

اکیسواں سبق

بائیسواں سبق

تیئیسواں سبق

چوبیسواں سبق

پچیسواں سبق

چھبیسواں سبق

ستائیسواں سبق

اٹھائیسواں سبق

انتیسواں سبق

تیسواں سبق

عرض تنظیم

تحریک دینداری کے پہلے مرحلہ میں بانی تنظیم المکاتب خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ نے اگرچہ اپنی توجہ ''قیام مکاتب'' پر مرکوز رکھی تھی مگر آپ کا نصب العین اس قوم کی ہر فرد کو دیندار بنانا تھا۔ دینی تعلیم کے بغیر دینداری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اسی لیے آپ نے روز اول مکاتب کے ساتھ تعلیم بالغان اور مراسلاتی کورس کو بھی تنظیم المکاتب کے بنیادی اہداف میں شامل فرمایا اور آپ کی زندگی میں یہ شعبے کم و بیش فعال بھی ہو گئے تھے مگر خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی جس کا اہم سبب مناسب نصاب کا فقدان تھا۔

مکاتب کے ساتھ اسکول، جونیر ہائی اسکول اور ہائی اسکولوں میں دینی تعلیم کے فروغ کے ساتھ ہی قرآنیات، عقائد، احکام، تاریخ و سیرت اور اخلاق و حدیث پر مشتمل متوسط سطح کے ایسے نصاب کی ضرورت کا مزید احساس ہوا جس سے نوجوانوں میں دینی شعور پیدا ہو سکے۔ تربیت مدرسین کے علاوہ ادھر کچھ عرصہ سے نوجوانوں کے لیے دینی تعلیمی تربیتی کیمپ، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ جیسے سلسلے شروع کیے گئے جن کے لیے بھی کتب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

نصاب کی تیاری ایک مشکل کام ہے اس کے لیے مختلف نمونوں، کتب اور مواد کے علاوہ صاحبان علم ہی نہیں بلکہ ماہرین فن کی ایسی تجربہ کار جماعت درکار ہوتی ہے جو یکسوئی کے ساتھ یہ کام انجام دے سکے اس راہ میں جن دشوار گذار اور صبر آزما مراحل سے گذرنا ہوتا ہے اس کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ایسے مشاغل سے سروکار رکھتے ہیں۔

موجودہ صورتحال میں مناسب محسوس ہوا کہ از سر نو نصاب ترتیب دینے اور تجربہ کرنے کے

بجائے مختلف ممالک اور زبانوں میں نوجوانوں کی تربیت کے لیے رائج نصاب سے استفادہ کیا جائے۔

چنانچہ طلاب کی سطح کے اعتبار سے تلاش شروع کی گئی مگر کسی ایک مرکز سے کوئی ایک ایسا جامع نصاب نہ مل سکا جو ہمارے ملک کی نسل نو کے دینی ضروریات کو پورا کر سکے لہٰذا مختلف تعلیمی مراکز میں رائج نصاب سے انتخاب کیا گیا جس کے باعث اسلوب نگارش، انداز بیان اور سطح فکر میں اختلاف ناگزیر ہے۔

کتب کا اردو میں ترجمہ بھی ایک مرحلہ تھا۔ اس مرحلہ میں حوزۂ علمیہ قم میں زیر تعلیم اہل علم اور خوش استعداد صاحبان قلم خصوصاً جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب کے افاضل سے مدد لی گئی۔ اس طرح الحمد للہ اب قرآنیات، عقائد، احکام، تاریخ وسیرت اور اخلاق وحدیث پر مشتمل نصاب مرتب ہو کر اشاعت کی منزل میں ہے۔ فی الحال ان موضوعات سے روشناس کرانا مقصود ہے۔ آئندہ تجربہ کی روشنی میں کتب یا ان کے مشمولات میں تبدیلی کا امکان ہے جس کے لیے ہم اہل نظر اور ارباب بصیرت کی مثبت آراء اور تنقید کے منتظر ہیں۔

زیر نظر کتاب ''آداب اسلامی'' جلد (۱) بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ہم ان کے شکر گذار ہیں۔ مترجمین کتاب جناب مولانا سید کمیل اصغر زیدی صاحب فاضل جامعہ امامیہ، جناب مولانا سید رضوان حیدر صاحب اور سازمان مدارس وحوزات علمیہ ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کاوشوں اور عنایتوں سے زیر نظر کتاب کی اشاعت کا شرف ہمیں حاصل ہو رہا ہے۔

والسلام

سید صفی حیدر

سکریٹری

۵ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

مقدمہ

اسلامی ادب میں لفظ ''تعلیم'' اور ''تربیت'' عموماً ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور علماء و اساتذۂ کرام بھی تعلیم سے زیادہ تربیت کی اہمیت کے قائل ہیں۔

قرآن کریم اور پیغمبر اکرمؐ و اہل بیت علیہم السلام کی روایات میں تربیت اور تزکیۂ نفس کے مسئلہ پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ ''تربیت'' کے بغیر ''علم'' ''سراج منیر'' کے بجائے ''حجاب'' بن جاتا ہے اور ترقی وتکامل کی راہ میں مانع قرار پاتا ہے۔

اسی لئے ''اسلامی آداب'' اور ''تربیت وتزکیہ نفس'' کو نظام تعلیم میں بنیادی رکن کی حیثیت حاصل ہے اور انہیں نظر انداز کر دینے کی وجہ سے معاشرہ میں بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔

لفظ ''آداب'' اور ''اخلاق'' جب ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو عموماً ان سے ایک ہی معنی مراد لئے جاتے ہیں البتہ کبھی کبھی ان کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ ایک کے معنی دوسرے لفظ سے مختلف ہو جاتے ہیں۔

استعمال کے لحاظ سے یوں تو آداب اسلامی ''کسی راستہ پر پوچھتے ہوئے چلتے چلے جانا'' ''اخلاق حسنہ'' اور ''اعلیٰ صفات واقدار'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن ان موارد کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم ''ثقافت'' اور ''تہذیب وتمدن'' جیسے وسیع مفہوم تک پہونچتے ہیں کیونکہ ثقافت کا مفہوم دینی احکام و

تعلیمات سے وسیع ہے۔ تہذیب وثقافت میں معاشرہ کے وہ آداب ورسوم اور عادات واطوار بھی شامل ہوتے ہیں جو کسی تہذیب اور کلچر کی شناخت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

اسلام نے اپنے آفاقی پیغام کے تحت اقوام عالم کو جن آداب کی تعلیم دی ہے وہ آداب انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں کسی بھی معاشرہ میں پائے جانے والے آداب ورسوم کو دین اسلام صرف اسی صورت میں کالعدم قرار دیتا ہے جب وہ روح اسلام سے متصادم ہوں یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے اعلان بعثت کے بعد اس دور میں رائج بہت سے رسم ورواج کو باقی رکھا اور اسی کے ساتھ آنحضرتؐ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ "میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں"

معاشرہ کے لئے تہذیب وثقافت یا کلچر کی وہی حیثیت ہے جو بدن کے اندر خون کی ہوتی ہے جس طرح خون، دماغ کی رگوں سے لے کر پیر کی انگلیوں کے سروں تک جسم کے تمام حصوں میں دوڑتا رہتا ہے اسی طرح تہذیب وکلچر کا اثر زمانہ کے عالم جلیل مفکر سے لے کر کارخانوں کے مزدور تک معاشرہ کے تمام افراد کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

جب اسلام کا سورج طلوع ہوا اور جزیرہ نمائے عرب اس کے نور سے جگمگا اٹھا تو دنیا میں ایک جدید معاشرہ وجود میں آیا۔ آپسی ہمدردی اور انس ومحبت کا جذبہ اس معاشرہ کی امتیازی خصوصیت تھی جس کی ترجمانی قرآن مجید نے ان الفاظ میں کی ہے ﴿مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہُ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً

وَّاَجْرًا عَظِیْمًا﴾(۱)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں تم انہیں دیکھو گے کہ بارگاہ احدیت میں سر خم کئے ہوئے سجدہ ریز ہیں اور اپنے پروردگار سے فضل وکرم اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں کثرت سجود کی بنا پر ان کے چہروں پر سجدہ کے نشانات پائے جاتے ہیں یہی ان کی مثال توریت میں ہے اور یہی ان کی صفت انجیل میں ہے جیسے کوئی کھیتی ہو جو پہلے سوئی نکالے پھر اسے مضبوط بنائے پھر وہ موٹی ہو جائے اور پھر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے کہ کاشتکاروں کو خوش کرنے لگے تاکہ ان کے ذریعہ کفار کو جلایا جائے اور اللہ نے صاحبان ایمان وعمل صالح سے مغفرت اور عظیم اجر کا وعدہ کیا ہے"

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے ﴿وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾(۲)

"اور ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دی ہے کہ اگر آپ ساری دنیا خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں باہمی الفت نہیں پیدا کر سکتے تھے لیکن خدا نے یہ الفت ومحبت پیدا کر دی ہے کہ وہ ہر شے پر غالب اور صاحب حکمت ہے"

جس وقت لوگ پیغمبر اکرمؐ کی رسالت کا کلمہ پڑھ کر گروہ در گروہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو رہے تھے یہی وہ وقت تھا جب ایک جانب آنحضرتؐ نئی "اسلامی ثقافت" کی بنیاد رکھ رہے تھے اور دوسری جانب ان آداب ورسوم کے خلاف جہاد کر رہے تھے جو انسانی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتے

---

(۱) سورۂ فتح آیت ۲۹

(۲) سورۂ انفال آیت ۶۳

چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے نماز جمعہ و جماعت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا حکم دیا، افراد و معاشرہ کے درمیان اخوت و محبت، والدین کے ساتھ حسن سلوک، دیگر افراد کے ساتھ خوشگوار تعلقات اور انصاف کی ترویج کے لئے سعی بلیغ فرمائی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایک صحتمند معاشرہ کے لئے شرح صدر، مزاح، یتیموں کی کفالت، مریضوں کی عیادت اور دوسروں کے خوشی اور غم کے مواقع پر، مہمانوں کی ضیافت اور امانتداری جیسی باتوں کو نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھا بلکہ ان کے اصول بھی معین فرما دیئے اس کے ساتھ ساتھ پیغمبر اکرمؐ اور اہل بیت اطہارؑ کی سیرت طیبہ کے ذریعہ دین اسلام نے انسانی عظمت کے منافی اعمال مثلاً غیبت، چغلخوری، بہتان و الزام تراشی، حسد، استہزا، جھوٹ جیسے منفی اور معاشرہ کے لئے نقصان دہ رسم و رواج اور آداب و اطوار کا خاتمہ بھی کیا۔ اسلام نے ان آداب کو فضا میں معلق قوانین کی شکل میں پیش نہیں کیا ہے بلکہ اپنے نظام اور وسائل تربیت کے ذریعہ ان کی جڑیں معاشرہ اور انسانی وجود میں بہت گہرائی تک انکی جڑیں پیوست کر دی ہیں۔

اسلام نے اپنے نظام میں دنیوی و اخروی ثواب و عقاب کا تصور پیش کیا اور اسلامی نقطۂ نظر سے انسانی حیات کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے دنیا فقط گذرگاہ اور آخرت کے لئے کاشت کا مقام ہے اس دنیا میں انسان جو بوئے گا کل اسی کو کاٹنا پڑے گا اس کے ساتھ ساتھ شرعی قوانین کے ذریعہ بھی اسلام اجتماعی زندگی کو صحیح جہت عطا کرتا ہے۔

اسلامی ثقافت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس ثقافت میں انفرادی عمل اجتماعی امور کی ضمانت بھی ہوتا ہے مثلاً جب کوئی مسلمان رضائے الٰہی، ثواب جنت کے حصول اور اپنی حسن عاقبت کے لئے کسی یتیم کی کفالت کرتا ہے تو اس کا یہ عمل محض ذاتی اور انفرادی فائدہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سے بچہ کو محفوظ اور آبرومندانہ زندگی میسر ہو جاتی ہے اور اس طرح بے سرپرست بچہ کے بجائے ایک صالح بچہ معاشرہ کا جزء بنتا ہے اور اس کے خدمات قوم و ملت کے کام آتے ہیں۔ اس طرح اسلامی

آداب اور تہذیب و ثقافت میں اخلاقیات کے انفرادی و اجتماعی معاملات کسی ٹکراؤ کے بغیر ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہتے ہیں جس سے معاشرہ پر امن و آسائش اور سعادت و خوش بختی کا دور دورہ سایہ فگن رہتا ہے۔

آپکے مبارک ہاتھوں میں اس وقت جو کتاب ہے یہ "سازمان مدارس وحوزات علمیہ" کے نصاب تعلیم کا حصہ ہے جسے اس ادارہ کے شعبہ نصاب تعلیم نے حوزات علمیہ کے ابتدائی درجات کے لئے تدوین کیا ہے۔

آخر میں ہم ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں جنھوں نے اس کی تالیف و ترتیب میں ہمارا تعاون کیا ہے خاص طور سے مولانا سید کمیل اصغر زیدی اور مولانا سید رضوان حیدر رضوی کے مشکور ہیں جنھوں نے اس جلد کے اردو ترجمہ کی ذمہ داری ادا کی ہے۔

خدائے کریم سے دعا ہے کہ ان تمام حضرات کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔

شعبہ تدوین نصاب

۲۰۰۴

پہلا سبق

اسلام دین معاشرت

دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کا ایک خاص امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ ایک معاشرتی اور سماجی دین ہے اور اس نے صرف انسان کے انفرادی ضروریات یا روحانی پہلوؤں اور نفسانی خواہشات کو ہی مدنظر نہیں رکھا بلکہ اسے دوسروں کے ساتھ زندگی گذارنے کے اصول سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

البتہ سب سے پہلے اس اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کی مشترکہ خواہش اور قلبی تمنا یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کامیاب وکامران ہوجائیں، ہر انسان یہی چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں سب سے بہتر، برتر ہو نیز دنیا کی اعلیٰ ترین چیزیں اس کے پاس ہوں، اس کے پاس دنیا کا سب سے بڑا عہدہ ہو اور وہ ترقی وکمال کی سب سے اعلیٰ منزل پر پہونچ جائے اور اسکی زندگی میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہے اور کامیابیاں ہمیشہ اسکے قدم چومتی رہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو مال ودولت اور ترقی وکمال نیز کامیابی وکامرانی سے نفرت کرتا ہو اور ہر انسان کی فطرت میں جہاں ترقی اور کمال کا شوق اور نیز دوسروں پر برتری کا جذبہ پایا جاتا ہے وہیں اس کے اندر یہ خواہش بھی موجود ہوتی ہے کہ اس کی ترقی اور کمال کے سفر میں ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہونے پائے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کی ترقی کی رفتار میں کچھ لمحات کے لئے رکاوٹ آجائے یا ٹھہراؤ پیدا

ہوجائے تو وہ اس کی وجہ سے رنجیدہ، ملول اور غمزدہ نظر آنے لگتا ہے۔

اور یہ وہی خصوصیت اور فطری چیز ہے جسے علماء اسلام نے "حبّ کمال" کا نام دیا ہے۔ چنانچہ دنیا میں کوئی ایک انسان بھی ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں یہ فطری چیز نہ پائی جاتی ہو یا اس کے بارے میں کوئی شک وشبہ پایا جاتا ہو. دنیا کے مختلف ادیان ومذاہب کے درمیان بھی اس مسئلہ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا بلکہ تمام مذاہب نے متفقہ طور پر اس صفت کو تسلیم کیا ہے اور اپنے اپنے طریقے سے انسان کو سعادت وکمال سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی ہے۔

البتہ ان کے درمیان یہ اختلاف ضرور پایا جاتا ہے کہ واقعی کمال اور سعادت کسے کہا جاتا ہے۔ اور اس تک پہونچنے کے راستے کیا ہیں؟۔

وہ الٰہی ادیان ہوں یا مادی اور غیر الٰہی مذاہب ان سب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اسی بات کا دعویدار ہے کہ صرف اس کا بتایا ہوا راستہ ہی حقیقی سعادت وکمال تک پہونچاتا ہے۔

ہم نے عرض کیا ہے کہ ترقی وکمال کی تمنا اور محبت کے ساتھ ساتھ ہر انسان کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ اس کے اس کمال اور ترقی میں کبھی کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے جس سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ہر انسان کے دل میں ایسے کمال اور ارتقاء کی تمنا موجود ہے جس کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو اور اگر اس کو مان لیا جائے تو یہ وہی کمال ہے جس کی طرف اسلام نے تمام انسانوں کو دعوت دی ہے یعنی بخوبی "قرب الٰہی" اور خداوند عالم تک رسائی' کیونکہ اس عالم ہست و بود میں صرف خداوند عالم ہی کمال مطلق کا مالک ہے۔

اسلام کی نظر میں کوئی بھی انسان اسی وقت کمال حقیقی کی منزل تک پہونچ سکتا ہے کہ جب وہ خدا سے نزدیک ہوجائے اور خداوند عالم سے نزدیک ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے واجبات کو

ادا کیا جائے اور محرمات سے پرہیز کرکے اس کی رضا حاصل کی جائے. کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے خداوند عالم کے علاوہ ہر چیز ایک دن فنا ہوجانے والی ہے. اسی لئے ذات خدا کے علاوہ کوئی بھی چیز انسان کی خواہش "بقائے دوام" کا جواب نہیں بن سکتی ہے۔ لہٰذا جو حضرات مال ودولت کو خوشبختی اور سعادت سمجھتے ہیں وہ بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں کیونکہ مال ودولت چاہے جتنی زیادہ کیوں نہ ہوجائے پھر بھی وہ ایک محدود اور فانی چیز ہے اس کے علاوہ خود انسانی زندگی میں ایسے بے شمار مواقع اور مشکلات سامنے آتے ہیں جو مال ودولت سے بھی حل نہیں ہوپاتے کیونکہ دولت کے زور پر ہر چیز حاصل نہیں کی جاسکتی ہے لیکن خداوند عالم ہر چیز کا خالق ہے اور اس کی ذات والا صفات ہی جمال وکمال اور ہر خیر کا سرچشمہ اور مرکز ہے اور وہ تمام اشیاء کے فنا ہوجانے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔ لہٰذا اس پر توکل اور بھروسہ کے ذریعہ ہی انسان حقیقی بے نیازی اور ابدیت کی منزل تک پہونچ سکتا ہے۔

اس بارے میں قرآن مجید یہ اعلان کررہا ہے: ﴿یا ایُّھا النّاسُ انتمُ الفُقَراءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الغَنِیُّ الحَمیدُ﴾(۱) "انسانو! تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ صاحب دولت اور قابل حمد وثنا ہے"

گویا انسان خداوند عالم (جو کہ غنی مطلق ہے) کے سامنے فقیر نہیں بلکہ مجسمۂ فقر ہے۔

علوم ومعارف سے معمور اپنی دعائے عرفہ امام حسینؑ میں پروردگار کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں: ﴿ماذا وَجدَ مَنْ فَقَدَکَ ، وَ ما الَّذِی فَقَدَ مَنْ وَجَدَکَ﴾ "پروردگارا! اس نے کیا پایا ہے جس نے تجھے کھودیا ہے اور اس نے کیا کھویا ہے جس نے تجھے پالیا ہے"

اس جملہ میں امام حسینؑ نے اس اہم حقیقت کو روشن کیا ہے کہ خداوند عالم کا وجود ہی

---

(۱) سورۂ فاطر آیت ۱۵

سب سے کامل واکمل وجود ہے لہٰذا جس کا رخ غیر خدا کی طرف ہوگا وہ گمراہی وضلالت اور عدم کی وادی میں پہونچ جائے گا۔ لیکن جو خداوند عالم سے وابستہ رہے گا وہ کمال کی طرف رواں دواں رہ کر بے نیازی کی اس منزل پر پہونچ جائے گا جہاں اسے کسی کمی اور نقص کا احساس نہ ہوگا۔

جب اسلام نے قرب الٰہی کو انسان کا سب سے اعلیٰ مقصد کمال وسعادت قرار دیا ہے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس منزل تک پہونچنے کے لئے اسلام نے کس راستہ کی تعلیم دی ہے؟ اور اسکے لئے کیا طریقہ بتایا ہے؟۔

مذکورہ سوال کا جواب خداوند عالم نے اس آیۂ کریمہ میں بیان فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحَداً﴾ (۱)

''جو بھی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ بنائے۔'' اس آیہ شریفہ میں بشریت کے خدا تک پہونچنے کی دو شرطیں قرار دی گئی ہیں۔

۱۔ اعمال صالحہ کا انجام دینا۔

۲۔ اخلاص اور عبادت خدا میں شرک سے پرہیز۔

اسلام کی نظر میں کسی بھی انسان کو حقیقی سعادت اسی وقت نصیب ہوسکتی ہے جب وہ خدا کے اوامر ونواہی کی مکمل پابندی کرے یعنی واجبات کو بجالائے اور محرمات سے پرہیز کرے کیونکہ اس سے خداوند عالم راضی وخوشنود ہوتا ہے۔ یہی خداوند عالم کی حقیقی بندگی ہے اور اسی سے انسان کو حقیقی آزادی میسر ہوسکتی ہے۔ جب ہم جب کسی بھی حکم الٰہی پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں اس حکم کا سماج اور معاشرہ سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور نظر آتا ہے اور بہت ہی کم ایسا حکم شرعی نظر آئے گا جس کا تعلق صرف

---

(۱) سورۂ کہف آیت ۱۱۰

ایک فرد سے ہو اور اس میں دوسروں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے عبادت کو خداوند عالم کی وسیع رحمت تک پہونچنے کا واحد اور تنہا ذریعہ قرار دیا ہے البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس عبادت کی بنا پر انسان اس سماج اور معاشرہ سے بالکل الگ ہوکر رہ جائے جس میں اس نے آنکھ کھولی ہے، جس میں پروان چڑھا ہے یا پہاڑوں، جنگلوں اور غاروں کے اندر گوشہ نشینی اختیار کرلے اور بقیہ دنیا سے کوئی رابطہ ہی نہ رکھے بلکہ اس کے برعکس لوگوں کی خدمت کرنے اور ان کے مشکلات میں ہاتھ بٹانے یا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور آپسی بھائی چارہ سے بھی قرب خدا حاصل ہوتا ہے اور یہ بھی خداوند عالم کی عبادت ہی ہے۔

اسلام میں جہاں بہت سارے احکام براہ راست اجتماعی اور معاشرتی امور سے تعلق رکھتے ہیں وہیں اکثر عبادات کو بھی باجماعت (یا ایک ساتھ اجتماعی شکل میں) ادا کرنے کا حکم بھی موجود ہے حتی کہ اعتکاف جو کہ ایک مستحب عمل ہے اور بظاہر اس کے ذریعہ صرف کسی ایک فرد کی اصلاح ہوتی ہے مگر یہ اعتکاف بھی اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب اسے کسی جامع مسجد میں انجام دیا جائے اور اگر اس دوران مسجد سے باہر نکل گیا تو اعتکاف باطل ہو جاتا ہے لیکن اس میں بھی بعض ضروریات کے لئے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے جن کے بارے میں غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان ضروریات کا تعلق کسی نہ کسی سماجی معاملہ سے ہے جیسے مریضوں کی عیادت وغیرہ۔

اور دوسرے یہ کہ وہ انسانی اقدار جن پر حقیقی سعادت کا دارومدار ہے ان کی پیشرفت اور استحکام بھی انہیں آپسی روابط اور تعلقات سے وابستہ ہے۔

بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ انسانی وجود کے اعلیٰ اقدار جیسے ایثار ومحبت، اور قربانی وغیرہ کے جوہر اس وقت تک کھل کر سامنے نہیں آسکتے جب تک انسان دوسروں کے درمیان رہ کر زندگی بسر نہ کرے۔

مذکورہ گفتگو کی روشنی میں ہم ان بعض اسلامی احکام کا تذکرہ کر رہے ہیں جن میں اجتماع، سماج

اورمعاشرے کوہی مدنظر رکھا گیا ہے۔اوران کے فوائدایک ساتھ پوری جماعت یاقوم کوحاصل ہوتے ہیں۔

ا۔نماز جماعت

بظاہر ایسامحسوس ہوتا ہے کہ نماز جو پروردگار عالم کی عبادت وبندگی کا سب سے اہم ستون ہے یہ ایک انفرادی عبادت ہے کیونکہ ہر انسان خداوند عالم کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے اسے تنہا بھی پڑھ سکتا ہے۔لیکن اسلام کی نگاہ میں نماز جماعت کی اہمیت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جماعت ہی نماز کا اصل طریقہ ہے اور مجبوری وغیرہ کی صورت میں فرادیٰ پڑھی جاسکتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَاَقِیمُوا الصَّلاۃَ وَ آتُوا الزَّکاۃَ وَ ارْکَعُوا مَعَ الرَّاکِعِینَ﴾(۱)

"اورنماز قائم کرو،زکات ادا کرواور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"

چنانچہ میدان جنگ میں جہاں ہر طرف سے دشمن کے حملوں کا خطرہ موجود رہتا ہے اور ہر سمت مستعدی کے ساتھ نظر رکھنا پڑتی ہے وہاں بھی پیغمبر اکرم ﷺ نے جماعت ہی کے ساتھ نماز ادا کی۔

خاص طور سے امام حسینؑ نے روز عاشورہ نرغۂ اعداء میں گھرے ہونے کے باوجود تیروں کی بارش میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جس کے لئے آپ کے جاں نثار صحابی جناب سعید بن عبداللہ آپ کے سینہ سپر ہوگئے اور دشمن کے تیروں کو اپنے بدن پر روکتے رہے اور آخر کار امامؑ کے سامنے جام شہادت نوش فرمایا یہ سب قربانیاں صرف نماز جماعت کے لئے ہی پیش کی گئیں تھیں۔

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۴۳

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿لاَ صَلاۃَ لِمَنْ لَمْ یُصَلِّ فِی الْمَسْجِدِ مَعَ الْمُسْلِمِینَ اِلاَّ مِنْ عِلَّۃٍ﴾(۱) "جوشخص مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ نماز (جماعت) نہ پڑھے اس کی نماز، نماز نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی عذر ہو۔"

یہی وجہ ہے کہ فقہاء ومراجع کرام نے اپنے رسالۂ عملیہ میں نماز جماعت سے غیر حاضری کو شرعاً قبیح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ مسلمان کے لئے کسی عذر اور مجبوری کے بغیر نماز جماعت کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح اگر نماز میں پڑھے جانے والے سوروں یا اذکار کو دیکھا جائے تو اس میں بھی یہی نظر آتا ہے چاہے کوئی فرادیٰ ہی نماز پڑھے تب بھی اس کے لئے جمع کے صیغے استعمال کرنا ضروری ہوتے ہیں جیسے: ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِینُ﴾ اور آخر میں جب نمازی سلام پڑھتا ہے تو اس میں بھی جمع کے صیغے موجود ہیں جیسے: "اَلسَّلامُ عَلَیْنَا وَ عَلیٰ عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ" جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرادیٰ نماز میں بھی ہمیں دوسرے مومنین کا خیال رکھنا چاہئے۔

۲۔نماز جمعہ

اسلام نے روز جمعہ نماز جمعہ کو نماز ظہر کا بدل قرار دیا ہے اور اس کی بے شمار اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔اور یہ نماز صرف جماعت کے ساتھ ہی پڑھی جاسکتی ہے اس کے علاوہ اس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ نماز سے پہلے امام جماعت خطبہ میں لوگوں کے سماجی اور معاشرتی مسائل پر بھی روشنی ڈالے اوران پر ایک دوسرے کے مشکلات حل کرنے کے لئے زور دے۔

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۸ ص ۲۹۳

۳۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال کو رواج دینے اور برائیوں کو روکنے کی کوشش کی جائے۔ قرآن مجید نے انھیں دونوں فرائض کی بنا پر مسلمانوں کو سب سے بہتر امت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿کُنتُم خَیرَ اُمَّةٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنهَونَ عَنِ المُنکَرِ وَتُؤمِنُونَ بِاللّٰہِ﴾ (۱) ''تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں کثرت سے روایات موجود ہیں جنھیں ہم اختصار کی بنا پر ترک کر رہے ہیں البتہ اس نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ ان دونوں فریضوں کو صرف اسی لئے حکم شریعت قرار دیا گیا ہے تاکہ سماج اور معاشرہ کے اخلاقیات کو سنوار کر اسے ہر قسم کی برائیوں اور انحرافات سے محفوظ رکھا جاسکے۔

۴و۵۔ خمس وزکات

خمس وزکات کو بھی اسلام نے مالداروں کے اوپر اسی لئے واجب قرار دیا ہے تاکہ ان کے ذریعہ اسلامی حکومت غرباء وفقراء اور قوم کے دوسرے ضرورت مند افراد کی کفالت کرے اور دوسرے اہم کاموں کو انجام دے سکے۔

زکات اتنا اہم فریضہ ہے کہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں متعدد بار اس کا ذکر کیا ہے قرآن میں شائد ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں نماز کے ساتھ زکات کا تذکرہ نہ پایا جاتا ہو۔

---

(۱) آل عمران آیت ۱۱۰

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿اَقِیمُوا الصَّلاةَ وَآتُوا الزَّکَاةَ وَارکَعُوا مَعَ الرَّاکِعِینَ﴾ (۱) ''نماز قائم کرو زکات ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

یا دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِینَ اِن مَکَّنَّاهُم فِی الاَرضِ اَقَامُوا الصَّلاةَ وَآتَوُا الزَّکَاةَ﴾ (۲) ''یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی اور زکات ادا کی۔''

سماج اور معاشرے کے بارے میں اسلام کے اور بھی کافی احکام موجود ہیں جنھیں سے ہم نے فی الحال چند نمونے ہی ذکر کئے ہیں اسی طرح جہاد، حج، اتحاد، مسلمانوں کے معاملات کا خیال رکھنا، نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کا تعاون، یتیموں اور غریبوں کی امداد یہ سب بھی اسلام کے اجتماعی احکام ہی ہیں. اور مختصر الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو سعادت تک پہونچانے کے لئے ان کو معاشرتی اور سماجی حقوق ادا کرنے، ایک دوسرے سے مستحکم تعلقات رکھنے اور آپسی میل جول، محبت اور امداد وتعاون کا راستہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔

اور اگر ہم ان چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں مندرجہ ذیل دو باتیں بھی قبول کرنا ہوں گی۔

۱۔ ہر سماج اور معاشرہ کے تمام افراد کے ایک دوسرے پر کچھ نہ کچھ حقوق ضرور ہوتے ہیں جن کو ادا کرنا ضروری ہے۔

۲۔ ہر سماج اور قوم کے لئے کچھ نہ کچھ اخلاقی اور سماجی ضوابط اور اصول ضروری ہیں جن کی پابندی سے ہی ہر شخص کی شخصیت کی قدر وقیمت معین ہوتی ہے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۴۳

(۲) سورۂ حج آیت ۴۱

لہٰذا اگر کوئی شخص ان حقوق کا خیال نہ رکھے اور ان کو ادا نہ کرے تو لوگوں کی نگاہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی اور وہ ہر ایک کی نگاہ میں ذلیل رہتا ہے۔

آئندہ اسباق میں ہماری یہی کوشش ہوگی کہ ان حقوق کو مختصر طور سے بیان کر دیا جائے. تا کہ ان کو جاننے کے بعد ہم سب ان پر بخوبی عمل پیرا ہو سکیں۔

خلاصہ:

اگر کوئی انسان ترقی اور کمال کی آخری منزل تک پہونچنا چاہے تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا واحد راستہ ''قرب خدا'' کا حصول ہے۔

جب ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خدا کے علاوہ ہر چیز فانی ہے تو پھر خدا پر توکل کے سہارے ہی ہم حقیقی کمال تک پہونچ سکتے ہیں اور اس کے لئے خداوند عالم نے یہ دو شرطیں قرار دی ہیں:

۱۔ عمل صالح۔

۲۔ توحید اور بندگی میں اخلاص اور شرک سے پرہیز۔

اور یہ دونوں شرطیں اسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب شریعت کی مکمل پابندی کی جائے اور سماجی حقوق ادا کیے جائیں نہ یہ کہ انسان تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

سوالات:

۱۔ ''حب کمال فطری چیز ہے'' اس کا کیا مطلب ہے؟

۲۔ اسلام کی نظر میں ابدی سعادت حاصل کرنے کی شرط کیا ہے؟

۳۔ صرف دوسروں کے ساتھ تعلقات قائم رکھ کر ہی کیوں ہم سعادت ابدی تک پہونچ سکتے ہیں؟

۴۔ نماز جماعت کی اہمیت کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے کیا فرمایا ہے؟

۵۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں قرآن مجید کی ایک آیت بیان کیجئے؟

۶۔ اسلام میں خمس اور زکات کی اتنی زیادہ اہمیت کیوں ہے؟

دوسرا سبق

اسلامی اخوت

پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے جو بنیادی قدم اٹھائے ان میں ایک اہم قدم یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے درمیان الفت ومحبت اور بھائی چارہ کو فروغ دینے کے لئے انصار ومہاجرین میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا اور ان کے درمیان اخوت کا صیغہ بھی پڑھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کے تمام قبیلوں کے درمیان مدتوں پرانی رنجش اور خون خرابہ کا خود بخود خاتمہ ہوگیا اور اس کی جگہ بھائی چارہ اور پیار ومحبت نے لے لی اور سب ایک دوسرے کے شانہ بشانہ ایک جان ہوکر پیغمبر اکرم ﷺ کے اشاروں پر دین کے لئے اپنی جان نچھاور کرنے لگے۔

اسلام کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں اور کوئی قوم یا قبیلہ نیز کوئی رنگ ونسل ایک دوسرے پر فوقیت نہیں رکھتا اور دولت یا غربت برتری اور فضیلت کا معیار نہیں ہے بلکہ اس کی نظر میں تقوی اور پرہیزگاری کے علاوہ برتری کا ہر معیار بے بنیاد ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے کہ ہم نے تمہاری پہچان اور تشخیص کے لئے تمہیں مختلف قوموں، قبیلوں اور رنگ ونسل اور زبانوں کے اعتبار سے خلق کیا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہ سب باتیں تمہاری برتری اور فضیلت کا سبب نہیں ہیں بلکہ تمہارے نیک اعمال اور تقویٰ تمہاری فوقیت اور برتری کا سبب اور معیار ہے۔

﴿یا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَ أُنْثیٰ وَ جَعَلْنَاکُمْ شُعُوباً وَ قَبَائِلَ

لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ (۱)

''اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے اور اللہ ہر شئے کا جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے۔''

خداوند عالم نے قرآن مجید میں مومنین کے گوش گذار کیا ہے کہ تمہارے درمیان یہ الفت و محبت اور بھائی چارہ خدا کی نعمت ہے ورنہ بغض وحسد اور کینہ کی آگ نے تمہیں ہلاکت کے دہانے پر پہونچا دیا تھا۔

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّ لاتَفَرَّقُوا وَ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُم اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہِ اِخْوَاناً وَ کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِنْھَا کَذَالِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ آیَاتِہِ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ﴾ (۲) \

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں نکال لیا اور اللہ اس طرح اپنی آیتیں بیان کرتا ہے کہ شاید تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔''

پیغمبر اکرم ﷺ اور معصومین علیہم السلام نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان اخوت و برادری کے استحکام پر زور دیا ہے اور مومنین کے درمیان زیادہ سے زیادہ بھائی چارہ اور قربت

---

(۱) سورۂ حجرات آیت ۱۳

(۲) سورۂ آل عمران ۱۰۳

پیدا کرنے کی کوشش کی اسی لئے اسکے اخروی فوائد اور ثمرات بھی بیان فرمادئے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"مَنْ آخیٰ اَخاً فِی اللّٰہِ رَفَعَ اللّٰہُ لَہُ دَرَجَۃً فِی الْجَنَّۃِ لاَیَنَالُھَا بِشَیْیٍٔ مِنْ عَمَلِہِ." (۱)

''اگر کوئی شخص کسی برادر مومن کو خداوند عالم کے لئے اپنا بھائی قرار دے تو خداوند عالم اس کے لئے جنت میں ایک ایسا درجہ عطا کرے گا جس تک اسے اس کا کوئی اور عمل نہیں پہونچا سکتا ہے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا: "یُنْصَبُ لِطَائِفَۃٍ مِنَ النَّاسِ کَرَاسِیَ حَوْلَ الْعَرْشِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وُجُوْھُھُمْ کَالْقَمَرِ لَیْلَۃِ الْبَدْرِ یَفْزَعُ النَّاسُ وَ لاَیَفْزَعُوْنَ وَ یَخَافُ النَّاسُ وَ لاَیَخَافُوْنَ ھُمْ اَوْلِیَاءُ اللّٰہِ لاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لاھُمْ یَحْزَنُوْنَ. فَقِیْلَ: مَنْ ھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: ھُمُ الْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ" (۲)

''روز قیامت کچھ لوگوں کے لئے عرش کے چاروں طرف کرسیاں رکھی جائیں گی اور ان کے چہرے چودہویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہونگے اس دن لوگ گڑگڑا رہے ہوں گے مگر وہ پرسکون ہوں گے، لوگ خوف زدہ ہوں گے مگر انہیں کوئی ڈر نہ ہوگا، وہ اولیاء خدا ہیں جنہیں نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ حزن وملال، دریافت کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ خدا کے لئے محبت کرنے والے حضرات ہیں۔''

آپ سے یہ بھی نقل ہوا ہے: "اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یَقُوْلُ حَقَّتْ مَحَبَّتِی لِلَّذِیْنَ یَتَزَاوَرُوْنَ مِنْ اَجْلِیْ وَ حَقَّتْ مَحَبَّتِی لِلَّذِیْنَ یَتَنَاصَرُوْنَ مِنْ اَجْلِیْ وَ حَقَّتْ مَحَبَّتِی لِلَّذِیْنَ یَتَحَابُّوْنَ مِنْ اَجْلِیْ وَحَقَّتْ مَحَبَّتِی لِلَّذِیْنَ یَتَبَاذَلُوْنَ مِنْ اَجْلِیْ" (۳) ''حدیث قدسی

---

(۱) حقائق ص ۳۱۸

(۲) احیاء العلوم کتاب آداب الصحبۃ والمعاشرۃ)

(۳) مسند ابن حنبل، ج ۴، ص ۳۸۶

میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: میری محبت ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو میرے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور میری محبت ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو میری بنا پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، میری محبت ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں نیز میری محبت ان کو نصیب ہوگی جو میرے لئے ایک دوسرے پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

امام صادق علیہ السلام نے نقل کیا ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "اَیُّ عُرَی الْاِیمانِ اَوْثَق" "ایمان کی کونسی رسی سب سے زیادہ مضبوط ہے؟"۔

اصحاب نے عرض کی! خدا اور اس کا رسول بہتر آگاہ ہیں اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے کہا نماز، بعض نے زکات اور بعض نے روزہ یا حج وعمرہ کا ذکر کیا اور کچھ نے جہاد کا نام لیا۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لِکُلٍّ مَا قُلْتُمْ فَضْلٌ وَ لَیْسَ بِهِ وَ لٰکِنَّ اَوْثَقَ عُرَی الْاِیْمَانِ اَلْحُبُّ فِی اللهِ وَ الْبُغْضُ فِی اللهِ وَالتَّوَالِی لِاَوْلِیَاءِ اللهِ وَ التَّبَرِّی عَنْ اَعْدَاءِ اللهِ" (۲) "جو کچھ تم لوگوں نے بیان کیا ہے ان میں سے ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی فضیلت ضرور ہے مگر ایمان کی سب سے مضبوط رسی یہ ہے کہ ہر ایک سے خدا کے لئے محبت کرو اور خدا کے لئے بغض ونفرت کرو اور اللہ کے اولیاء (دوستوں) سے دوستی اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو۔"

جس طرح اسلام کی نگاہ میں ہر کام رضائے خدا کے لئے ہونا ضروری ہے اسی طرح دوستی اور دشمنی بھی رضائے خدا کے لئے ہونا چاہئے کیونکہ اسے بعض روایات میں دین کا رکن اور بعض میں اصل دین کہا گیا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام میں ہر دوستی اور دشمنی کا معیار خدا کی خوشنودی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۸۶

(۲) بحار الانوار جلد ۶۹ صفحہ ۲۴۲

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (۱) "بیشک تمام مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں" مومنین کی دوستی اور محبت کی بنیاد خدا پر ایمان اور اس کی اطاعت ہے اور اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے تمام مادی معیار بیکار و بے بنیاد ہیں۔

جو لوگ کسی شخص سے اس کے مال و دولت یا عہدہ کی بنا پر محبت کرتے ہیں یا اس کا احترام کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں ان کی اس محبت میں پائیداری نہیں پائی جاتی بلکہ جیسے ہی ان کے مقاصد پورے ہوتے ہیں یا اس کی دولت اور عہدہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اسی دن یہ سب محبتیں بھی خاک میں مل جاتی ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پرانا محبوب دشمن بھی ہو جاتا ہے لیکن اسلامی اقدار پر استوار ہر دوستی دائمی ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی دراڑ نہیں پڑتی کیونکہ اس کا معیار خدا کی محبت ہے جس میں کسی قسم کے کھوکھلے پن کا امکان نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دینی محبت اور بھائی چارہ تمام مادی اقدار جیسے رنگ ونسل اور مال و دولت وغیرہ سے بلند و بالا ہے اسی لئے صدر اسلام میں ہر شخص نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ غلاموں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا نوش فرماتے تھے۔

ایک دن وہ تھا جب عرب قبیلے صرف اپنے اونٹ، اولاد اور اموال کی کثرت پر ہی نہیں بلکہ اپنے مُردوں اور قبروں کی کثرت پر بھی فخر ومباہات کیا کرتے تھے اور عرب کو غیر عرب پر اور گورے کو کالے پر فوقیت دیتے تھے لیکن پیغمبر اکرم ﷺ نے جاہلیت کے ان تمام اقدار پر خط بطلان کھینچ دیا اور بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی کو اپنے اصحاب میں شامل کر لیا اور زید بن حارثہ کی شادی اپنی پھوپھی کی بیٹی جناب زینب سے کرادی، یا جناب جویبر (جو افریقہ کے ایک فقیر باشندے تھے) کا عقد ایک ثروتمند اور مشہور شخص کی بیٹی زلفا کے ساتھ کرادیا کیونکہ آپ کا یہ فرمان

(۱) سورۂ حجرات آیت ۱۰

ہے کہ: ''اَلْمُؤمِنُ کُفْوُ الْمُؤمِن'' ''ایک مومن دوسرے مومن کا کفو اور ہمسر ہے۔''

غیر خدا سے محبت کرنا ایک قسم کا شرک بھی ہے کیونکہ جب محبت کا رخ کسی کے ظاہری یا باطنی حسن و جمال کی وجہ سے غیر خدا کی طرف ہو جائیگا تو چونکہ یہ جمال درحقیقت خداوند عالم کا عطا کردہ ہے اور وہ مصدر کمال و جمال ہے لہٰذا اس سے چشم پوشی کر کے کسی دوسرے کی طرف رخ کرنا شرک ہے۔

اسلام نے خداوند عالم کی جس محبت کی طرف رغبت دلائی ہے اس کی محبت میں اس کے چاہنے والے اور اس کے محبوب بندے لازمی طور پر شامل ہیں جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اولیاء خدا کی محبت سے ذکر الٰہی کا شوق پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ مظہر صفات الٰہی ہیں ان کی ذات میں خداوند عالم کے صفات نمایاں رہتے ہیں اور ان کے ذریعہ قرب خدا حاصل ہوتا ہے۔

رضائے خدا کے لئے محبت اور نفرت کی بنیاد پر ہی دشمنان خدا اور کافروں سے دشمنی اور دوری یعنی تبرا کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ مثل مشہور ہے کہ دوست کا دشمن بھی دشمن ہوتا ہے۔

آیت کریمہ نے اسی بات کو نہایت حسین پیرائے میں یوں بیان کیا ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (۱) ''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں۔''

گویا ان کے درمیان بیحد الفت و محبت پائی جاتی ہے اور محبت الٰہی نے ان کو ایک بنا دیا تھا اور اسی محبت کی بنا پر وہ دشمنان خدا کے مقابلہ میں ایک آہنی دیوار بنے ہوئے تھے۔

زیارت عاشورہ میں اس عہد الٰہی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ''اِنِّی سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَکُمْ وَ حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَکُمْ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَةِ'' ''قیامت تک میری صرف اس سے صلح اور دوستی

---

(۱) سورۂ فتح آیت ۲۹

ہے جس سے آپ کی صلح اور دوستی ہو اور اس سے میری دشمنی ہے جس سے آپ حضرات کی جنگ اور دشمنی ہے''(۱)

خداوند عالم کی سچی محبت کا اندازہ دو چیزوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ واجبات الٰہیہ کی پابندی اور محرمات سے پرہیز کیونکہ وہ انسان ہرگز سچا محب نہیں ہو سکتا ہے کہ جو محبت کا دم بھرتا ہو مگر اپنے محبوب کی اطاعت نہ کرے۔ خداوند عالم یقیناً ہم سے محبت کرتا ہے اسی لئے اس نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اور ہم یہ نعمتیں لینے کے بعد اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں تاکہ اپنے دل میں موجود اس کی محبت کا ثبوت دے سکیں اور یہی نہیں بلکہ اس شکر سے نعمتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (۲) ''اگر تم ہمارا شکریہ ادا کرو گے تو ہم نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے۔''

اس شکر کے نتیجہ میں اتنی نعمتیں ملتی ہیں کہ وہ انسان کو اس کے اعلیٰ ترین درجہ اور مقام تک پہونچا دیتی ہیں۔

۲۔ محبت الٰہیہ کا لازمہ یہ ہے کہ انسان سماجی، معاشرتی اور اجتماعی واجبات اور حقوق بھی ضرور ادا کرے جیسے والدین کی اطاعت اور ان کو راضی رکھنا، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور صلۂ رحم، غرباء و مساکین کی امداد اور ان سے محبت، نیز دشمنان خدا سے نفرت اور دوری وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے دوستی اور دشمنی کے تمام معیار معین کر دئے ہیں کہ کس سے محبت کی جائے اور کس سے نفرت جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ''ایمان والو! خبردار مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا

---

(۱) مفاتیح الجنان، زیارت عاشورا

(۲) سورۂ ابراہیم آیت ۷

ولی اور سرپرست نہ بنانا۔"(۱)

یہ بھی ارشاد ہوتا ہے: ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّی وَ عَدُوَّکُمْ اَوْلِیَاءَ﴾ (۲) "اے ایمان والو! خبردار میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بنانا۔"

ایسی آیات سے اسلامی وحدت اور اخوت کی عظمت کا پتہ چلتا ہے اس وحدت واخوت کا سرچشمہ خالص عقیدۂ توحید کی بنیاد پر استوار ہے اور یہی اس عقیدہ کا جوہر اور اس کی پہچان ہے۔

---

(۱) سورۂ انبیاء آیت ۱۴۴

(۲) سورۂ ممتحنہ آیت ۱

خلاصہ:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہونچنے کے بعد سب سے پہلا اہم قدم یہ اٹھایا کہ انصار و مہاجرین کے درمیان اخوت کا عقد پڑھایا جس کے نتیجہ میں اسلامی سماج اور معاشرے میں بے مثال محبت اور برادری اور وحدت و اتحاد پیدا ہوگیا اور تمام مسلمانوں کے درمیان قربت اور محبت کی ایک بے نظیر فضا قائم ہوگئی۔

خداوند عالم نے تقویٰ و پرہیزگاری کو ہی فوقیت اور برتری کا معیار قرار دیا ہے اور آپسی روابط اور تعلقات خداوند عالم کی محبت اور دشمنی کی بنیاد پر استوار کرنے کی تاکید کی ہے۔

خداوند عالم کی محبت یا دشمنی کا اندازہ واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے پرہیز کے ذریعہ لگایا جاسکتا ہے یا یہ کہ خدا کے نیک بندوں کی محبت ہو اور اس کے دشمنوں سے محبت اور تعلقات کے رشتے توڑ لئے جائیں۔

سوالات:

۱۔ اسلام میں برتری کا معیار کیا ہے؟ سورۂ حجرات کی ایک آیت ذکر کیجئے!

۲۔ مومنین کے درمیان اخوت کی اہمیت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ذکر کیجئے؟

۳۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی سب سے محکم رسی کس چیز کو قرار دیا ہے؟

۴۔ اسلام نے ہمیں کس مقصد کے تحت اولیاء الٰہی کی دوستی کا حکم دیا ہے؟

۵۔ قرآن کریم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب باوفا کے کیا صفات بیان کئے ہیں؟

۶۔ خداوند عالم سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کا لازمی نتیجہ کیا ہے؟

تیسرا سبق

والدین کے حقوق

ہمیں بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام ایک اجتماعی اور معاشرتی دین ہے اور اسلام کے ماننے والے صرف رضائے خدا کے لئے اس کی راہ میں آگے بڑھتے ہوئے ایک دوسرے سے تعلقات اور روابط رکھتے ہیں۔

اسلام نے ہمیں معاشرہ اور سماج میں زندگی بسر کرنے کے اصول بھی اچھی طرح بتادئے ہیں تا کہ ان کی معرفت کے بعد ان پر عمل کر کے ہم خوشنودی خدا حاصل کرسکیں اور اس کے نتیجہ میں دنیا وآخرت کی سعادت سے ہمکنار ہو جائیں۔

چنانچہ اگر ہم دوسروں کے بارے میں اپنے فرائض اور واجبات ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے دوسروں کے ان تمام حقوق کا جاننا ضروری ہے جو ہماری گردن پر ہیں۔

آئندہ دروس میں ہم مومنین پر ایک دوسرے کے واجب اور ضروری حقوق کا تذکرہ کریں گے لیکن فی الحال اس درس میں اولاد کے اوپر والدین کے حقوق کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

۱۔ والدین کے ساتھ نیک برتاؤ

اسلام میں اولاد کے اوپر والدین کا حق سب سے اہم اور واجب حق قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے والدین سے حسن سلوک اور اپنی عبادت کا حکم ایک ساتھ دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید

میں ارشاد ہے:

﴿وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ کِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً کَرِیْماً ☆ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیْراً﴾(۱)

"اور آپ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوجائیں تو خبردار ان سے اُف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان سے ہمیشہ شریفانہ گفتگو کرتے رہنا اور ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگار ان دونوں پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح کہ انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا ہے۔"

ان آیات کریمہ میں خداوند عالم نے جہاں بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے وہیں انہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کا حکم بھی دیا ہے. امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کریمہ ﴿... وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً﴾ میں احسان کے معنی کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

"اَلْاِحْسَانُ اَنْ تُحْسِنَ صُحْبَتَهُمَا وَ اَنْ لَا تُکَلِّفَهُمَا اَنْ یَسْأَلَاکَ شَیْئاً مِمَّا یَحْتَاجَانِ اِلَیْهِ وَ اِنْ کَانَا مُسْتَغْنِیَیْنِ" "ان کے ساتھ احسان کا مطلب یہ ہے کہ اچھی طرح ان کی ہم نشینی میں رہو اور اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو ان کے سوال کرنے سے پہلے ہی ان کی خدمت میں حاضر کر دو چاہے وہ مستغنی ہی کیوں نہ ہوں"☆

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اولاد کے اوپر والدین کا کیا حق ہے؟ تو آپ

---

(۱) سورۂ اسراء آیت ۲۳ تا ۲۵

نے فرمایا: "هُمَا جَنَّتُکَ وَ نَارُکَ" (مختصر یہ سمجھ لو) کہ وہ تمہاری جنت اور جہنم ہیں۔(۱) یعنی آخرت میں انسان انہیں والدین کے ذریعہ جنت یا جہنم تک پہونچے گا جیسا کہ اسی بات کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے: "اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ" "جنت ماؤوں کے قدموں کے نیچے ہے۔"(۲) اگرچہ اولاد کے اوپر والدین کے حقوق کے بارے میں بکثرت احادیث موجود ہیں مگر اس کے باوجود ماں کے حقوق اور مرتبہ کے سلسلہ میں مزید تاکید اور اولویت پائی جاتی ہے جیسا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے رسالہ حقوق میں اس کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے: "فَاَوْجَبُهَا عَلَيْکَ حَقُّ اُمِّکَ ثُمَّ حَقُّ اَبِيْکَ ثُمَّ حَقُّ وَلَدِکَ، ثُمَّ..." "اس کے بعد خداوند عالم نے تمہاری گردن پر تمہاری والدہ کا حق واجب قرار دیا ہے اس کے بعد تمہارے والد کا حق ہے اور پھر تمہاری اولاد کے حقوق ہیں" آخر میں آپ نے ماں کے حقوق کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے۔"

"فَحَقُّ اُمِّکَ اَنْ تَعْلَمَ أَنَّهَا حَمَلَتْکَ حَيْثُ لَايَحْمِلُ أَحَدٌ أَحَداً وَاَطْعَمَتْکَ مِنْ ثَمَرَةِ قَلْبِهَا مَا لَايُطْعِمُ أَحَدٌ أَحَداً وَ أَنَّهَا وَقَتْکَ بِسَمْعِهَاوَ بَصَرِهَاوَيَدِهَاوَرِجْلِهَا وَشَعْرِهَاوَ بَشَرِهَاوَجَمِيْعِ جَوَارِحِهَامُسْتَبْشِرَةً بِذَلِکَ فَرِحَةً مُوْبِلَةً مُحْتَمِلَةً لِمَا فِيْهِ مَکْرُوْهُهَا وَ اَلَمُهُ وَ ثِقْلُهُ حَتَّى دَفَعَتْهَا عَنْکَ يَدُ الْقُدْرَةِ وَ اَخْرَجَتْکَ اِلَى الْاَرْضِ فَرَضِيَتْ اَنْ تَشْبَعَ وَ تَجُوْعَ هِيَ وَ تَکْسُوْکَ وَ تَعْرىٰ وَ تُرْوِيْکَ وَ تَظْمَا وَتُظِلَّکَ وَتَضْحىٰ وَ تُنْعِمُکَ بِبُؤْسِهَاوَتُلَذِّذُکَ بِالنَّوْمِ بِاَرَقِهَاوَکَانَ بَطْنُهَالَکَ وِعَاءً وَحِجْرُهَا لَکَ حِوَاءً وَ ثَدْيُهَا لَکَ سِقَاءً وَ نَفْسُهَا لَکَ وِقَاءً تُبَاشِرُ حَرَّالدُّنْيَا وَ بَرْدَهَا لَکَ وَ دُوْنَکَ فَتَشْکُرَهَا عَلىٰ قَدْرِ ذٰلِکَ وَ لَاتَقْدِرُ عَلَيْهِ اِلَّا بِعَوْنِ اللهِ وَ تَوْفِيْقِهِ"

---

(۱) الترغیب والترہیب ۳/۳۱۶

(۲) کنز العمال ح ۴۵۴۳۹

"ماں کا یہ حق ہے کہ تم یہ یاد رکھو کہ اس نے تمہارے بوجھ کو (اپنے شکم) میں اتنے دن تک اٹھایا ہے جس کو کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا اور اس نے تم کو اپنا خون دل پلایا ہے اور ایسی غذا دی جو دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا اور اس نے اپنے کان، آنکھ، ہاتھ، پیر، بال اور کھال بلکہ اپنے پورے وجود کی تمام توانائیوں کے ساتھ بخوبی ہنستے اور مسکراتے ہوئے اپنی تمام ناگواریوں اور مشکلات کے ہر بوجھ کو بآسانی اٹھالیا... یہاں تک کہ دست قدرت نے تم کو اس کے وجود سے جدا کر دیا اور تمہارے قدم زمین پر پہونچ گئے (تم پیدا ہو گئے) پھر بھی وہ اس پر خوش اور راضی رہی کہ چاہے خود بھوکی رہے مگر تم کو سیر کرتی رہے اور تم کو لباس پہنائے چاہے خود بے لباس رہنا پڑے تمہیں سیراب کرے چاہے خود پیاسی رہے خود دھوپ برداشت کرلے مگر تمہیں اپنے سائے میں رکھے اور خود زحمتیں برداشت کر کے تمہیں نعمتوں سے سرشار کر دے اور بیدار رہ کر تمہیں خواب شیریں کے موقع فراہم کر دے اس کا شکم تمہاری خلقت کا ظرف اس کی گود تمہارا گہوارہ اور اس کا سینہ تمہیں سیراب کرنے والا چشمہ اور اس کا پورا وجود تمہارا محافظ تھا اس نے تمہارے لئے دنیا کی ہر سردی اور گرمی کو براہ راست اپنے اوپر سہہ لیا ہے لہٰذا تم اس مقدار میں اس کا شکریہ ادا کرو اور یہ تمہارے لئے ناممکن ہے مگر یہ کہ خداوند عالم کی توفیق اور امداد کے سہارے"(۱)

اس کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام نے باپ کے حق کا یہ فلسفہ بیان کیا ہے: "وَ اَمَّا حَقُّ اَبِيْکَ فَتَعْلَمُ اَنَّهُ اَصْلُکَ وَ اَنَّکَ فَرْعُهُ وَ اَنَّکَ لَوْلَاهُ لَمْ تَکُنْ فَمَهْمَا رَاَيْتَ فِي نَفْسِکَ مِمَّا يُعْجِبُکَ فَاعْلَمْ اَنَّ اَبَاکَ اَصْلُ النِّعْمَةِ عَلَيْکَ فِيْهِ وَاحْمَدِ اللهَ وَ اشْکُرْهُ عَلىٰ قَدْرِ ذٰلِکَ" "اور اپنے باپ کے حق کے بارے میں تمہیں یاد رہے کہ وہ تمہاری اصل اور بنیاد ہے اور تم اس کی شاخ ہو، اگر وہ نہ ہوتا تو تمہارا وجود بھی نہ ہوتا لہٰذا اپنے اندر تمہیں اگر

---

(۱) بحار الانوار جلد ۷۴، باب ۱، ح ۲

کوئی ایسی نعمت نظر آئے جو تمہیں اچھی لگے تو دھیان رکھنا کہ تمہارا باپ ہی ان نعمتوں کی اصل بنیاد ہے لہٰذا حمد خدا کرو اور ان نعمتوں کے برابر اس کا شکریہ ادا کرو۔"(۱)

امام زین العابدین علیہ السلام نے ماں کی مہربانیوں کی جو نقشہ کشی فرمائی ہے اس سے ماں کی مامتا بالکل مجسم ہو کر ہمارے سامنے آ جاتی ہے جو کہ رحمت الٰہیہ کا ایک نمونہ ہے کیونکہ آغوش مادر جس لطف و محبت اور مامتا سے معمور ہوتی ہے اس کا ادراک ہمارے لئے ناممکن ہے۔

۲۔ بداخلاقی سے پرہیز

کسی ناگوار بات میں انسان کا سب سے معمولی ردعمل یہ ہوتا ہے کہ اس کی زبان سے اُف نکل جاتا ہے اور اُف وہ آواز ہے جو کسی معمولی افسوس کے لمحات میں انسان کی زبان پر آ جاتی ہے خداوند عالم کو اتنا معمولی اظہار شکوہ بھی والدین کے بارے میں برداشت نہیں ہے اسی لئے اس نے مومنین کو اُف تک کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿... فَلا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَ لَا تَنْهَرْهُمَا... ﴾(۲) "تو خبردار ان سے اُف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: "اَدْنَى الْعُقُوقِ "اُفٍّ" وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ شَيْئاً اَهْوَنَ مِنْهُ لَنَهٰى عَنْهُ" "عاق ہونے کے لئے سب سے معمولی چیز اُف کہنا ہے اور اگر خداوند عالم کی نظر میں کوئی اور چیز اس سے حقیر اور معمولی ہوتی تو وہ اس سے بھی منع فرما دیتا۔"(۳)

---

(۱) بحار الانوار جلد ۷۴ باب ۱ ح ۲

(۲) سورۂ اسراء آیت ۲۳

(۳) بحار الانوار ج ۷۴ ص ۶

لہٰذا جب پہلے مرحلہ میں اُف تک کرنے سے منع کر دیا گیا ہے تو اگر کوئی انہیں برا کہے یا بلند آواز سے ان سے بات کرے یا انہیں جھڑک دے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ کیونکہ اف کہنا گناہ کبیرہ ہے چنانچہ اس گناہ کبیرہ کے بعد جو لوگ عاق ہو جاتے ہیں اگر خداوند عالم دوسرے گناہان کبیرہ کے عذاب کی طرح ان کا بھی سخت حساب لے اور انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "اِنَّ اَكْبَرَ الْكَبَائِرِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ الْمُؤْمِنَةِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَالْفِرَارُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يَوْمَ الزَّحْفِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ..." "خدا کے نزدیک قیامت کے دن گناہان کبیرہ میں بھی سب سے بڑے گناہان کبیرہ یہ ہیں: شرک باللہ، ناحق کسی مومن کو قتل کرنا، میدان جہاد (راہ خدا) سے فرار کرنا اور والدین کا عاق ہونا۔"(۱)

دوسری حدیث میں ہے: "يُقَالُ لِلْعَاقِّ اِعْمَلْ مَاشِئْتَ فَاِنِّيْ لَا اَغْفِرُ لَكَ" "والدین کے عاق شدہ انسان سے کہا جائے گا کہ جو تیرا دل چاہے انجام دے میں تجھے ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔"(۲)!

مختصر یہ کہ عاق ہونے کا نتیجہ روز قیامت مغفرت الٰہی اور جنت سے محرومی ہے البتہ یہ واضح رہے کہ عاق ہونا بھی دوسرے گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے اور خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لئے گناہوں سے توبہ کے دروازے کھول رکھے ہیں لہٰذا انسان اپنے والدین کو خوش کر کے بآسانی اپنے ماضی کی تلافی کر سکتا ہے

---

(۱) الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۳۲۷

(۲) کنز العمال حدیث ۲۵۵۲۷

اس مقام پر دو اور نکات کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

۱۔ بعض روایات میں والدین سے بد اخلاقی اور اس کے ذریعہ عاق ہونے کے نمونے ذکر کئے گئے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "مَنْ اَحْزَنَ الْوَالِدَیْنِ فَقَدْ عَقَّھُمَا" "جس نے اپنے والدین کو غمزدہ کیا وہ عاق ہوگیا۔"(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: "مِنَ الْعُقُوقِ اَنْ یَنْظُرَ الرَّجُلُ اِلٰی وَالِدَیْهِ فَیُحِدُّ النَظَرَ اِلَیْھِمَا" "والدین کی طرف گھور کر دیکھنے سے بھی انسان عاق ہو جاتا ہے۔"(۲)

عاق ہونے کا مسئلہ اس وقت اور نہایت حساس مرحلہ میں پہونچ جاتا ہے کہ جب والدین نے اپنی اولاد کے اوپر ظلم کیا ہو اس کے باوجود بھی شریعت کا مطالبہ یہی ہے کہ اپنے والدین کی طرف غصہ بھری نظریں نہ اٹھائے ورنہ وہ بھی عاق شمار ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: "مَنْ نَظَرَ اِلٰی اَبَوَیْهِ نَظَرَ مَاقِتٍ وَھُمَا ظَالِمَانِ لَهُ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلاةً" "جو شخص اپنے والدین کو غصہ بھری نگاہ سے دیکھے گا تو چاہے انہوں نے اس پر ظلم ہی کیوں نہ کیا ہو تب بھی خداوند عالم اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔"(۳)

۳۔ عاق ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ والدین مسلمان ہی ہوں بلکہ اس حکم کے اندر غیر مسلم والدین بھی شامل ہیں کیونکہ اسلام میں والدین کے حقوق، عاق ہونے کی ممانعت اور وہ واجبات جن کی ادائیگی کے لئے والدین کے ساتھ حسن سلوک کو عملی شکل ملتی ہے یہ سب احکام اس صورت میں بھی اسی قوت اور مضبوطی کے ساتھ باقی ہیں اور ایک مسلمان بیٹے کے لئے شرک کے

(۱) کنز العمال حدیث ۴۵۵۳۷

(۲) بحار الانوار ج ۷۴ ص ۶۱

(۳) گذشتہ حوالہ

علاوہ دیگر چیزوں میں والدین کی اطاعت کا حکم کفر کی صورت میں باقی رہتا ہے۔

پروردگار عالم کا ارشاد ہے: "وَوَصَّیْنَا الاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ وَھْناً عَلٰی وَھْنٍ وَفِصَالُهُ فِی عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِی وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ☆ وَاِنْ جَاھَدَاکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِی مَا لَیْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ فَلا تُطِعْھُمَا وَصَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوفاً" "اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے بارے میں نصیحت کی ہے کہ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ سہ کر اسے پیٹ میں رکھا ہے اور اس کی دودھ بڑھائی بھی دو سال میں ہوئی ہے کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرو کہ تم سب کی بازگشت میری ہی طرف ہے اور اگر تمہارے ماں باپ اس بات پر زور دیں کہ کسی ایسی چیز کو میرا شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو خبردار ان کی اطاعت نہ کرنا لیکن دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا۔"(۱)

جناب زکریا بن ابراہیم عیسائی تھے اور بعد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے ایک دن جناب زکریا نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ میرے والدین عیسائی ہیں میری والدہ نابینا ہیں اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتا ہوں اور ان کے برتنوں میں ان کا کھانا کھاتا ہوں اس کا حکم کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے سوال فرمایا کیا وہ سور کا گوشت کھاتے ہیں؟ جناب زکریا نے عرض کی اے مولا ہرگز نہیں کھاتے تو امام نے فرمایا: "کُلْ مَعَھُمْ وَاَحْسِنْ" "ان کے ساتھ کھاؤ اور جتنا ممکن ہو اپنی والدہ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔"(۲)

چنانچہ جناب زکریا کوفہ واپس آئے اور اپنی والدہ کی اچھی طرح خاطر مدارات کرنے لگے

(۱) سورۂ لقمان آیت ۱۵/۱۴

(۲) بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۳۷

انھیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے، خود ہی ان کے کپڑے دھوتے اور ان کی صفائی کا خیال رکھتے تھے جس سے ان کو بہت تعجب ہوا تو انہوں نے ایک دن ان سے یہ پوچھا کہ اے بیٹا جب تم ہمارے مذہب پر تھے تو میرے ساتھ ایسا حسن سلوک نہیں کرتے تھے اور اب تو تم مجھ سے کچھ زیادہ ہی محبت اور نیک برتاؤ کے ساتھ پیش آ رہے ہو؟ تو جناب زکریا نے اپنی والدہ سے کہا کہ اسلامی ادب اور اخلاق یہی ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ایک شخص نے مجھے اس کی ہدایت دی ہے ان کی والدہ نے کہا بیٹا کیا وہ نبی ہیں؟ جناب زکریا نے جواب دیا نہیں! بلکہ وہ نبی کی اولاد میں سے ہیں تو ان کی والدہ نے جواب دیا مگر یہ تو انبیاء کی ہدایت اور گفتگو محسوس ہوتی ہے جناب زکریا نے جواب دیا وہ نبی نہیں ہیں بلکہ نبی کی اولاد میں سے ہیں اور امام ہیں تو میری والدہ نے بے ساختہ کہا، اے میرے لال، اے زکریا تم اسی دین کے پابند رہنا کیونکہ سب سے بہتر دین یہی ہے ان کی ماں نے کہا بیٹا ذرا اپنا مذہب مجھے بھی سکھا دو تو جناب زکریا نے اسلامی عقائد اور تعلیمات کو ان کے سامنے بیان کر دیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں انہوں نے نماز پڑھنا سیکھی جب نماز ظہر کا وقت آیا تو نماز ظہر ادا کی پھر عصر کی نماز ادا کی سورج غروب ہو جانے کے بعد مغرب کی نماز پڑھی اور پھر عشاء کی نماز ادا کی۔

مشیت خدا کہ اسی رات انہوں نے دنیا سے انتقال فرمایا اور اپنی جان کا نذرانہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا اور ایک مسلمہ اور مومنہ کی صورت میں دنیا سے گئیں سب مسلمان ان کی تشییع جنازہ میں شامل ہوئے اور احترام کے ساتھ اسلامی احکام کے مطابق انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

۳۔ شفقت اور نرمی

درس کے شروع میں ہم سورۂ اسراء کی یہ آیۂ مبارکہ پڑھ چکے ہیں: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ (۱)

---

(۱) سورۂ اسراء آیت ۲۴

''اور ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا۔''

اس آیت میں ''خفض جناح'' شانے جھکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے نہایت درجہ تواضع اور انکساری کا مظاہرہ کیا جائے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیۂ شریفہ کی وضاحت یوں فرمائی ہے: ''لَاتَمْلَأْ عَيْنَيْكَ مِنَ النَّظَرِ اِلَيْهِمَا اِلاَّ بِرَحْمَةٍ وَ رِقَّةٍ وَ لَاتَرْفَعْ صَوْتَكَ فَوْقَ أَصْوَاتِهِمَا وَ لَا يَدَكَ فَوْقَ أَيْدِيهِمَا وَ لَاتَقَدَّمْ قُدَّامَهُمَا'' ''جب بھی تم ان کی طرف دیکھو تو تمہاری آنکھیں رحمت اور شفقت و نرمی سے پر ہوں اور ان کی آواز پر اپنی آواز اور ان کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ بلند نہ کرو اور ان کے آگے نہ چلو۔''(۱)

پھر آپ نے آیۂ کریمہ ﴿وَ قُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيماً﴾ کی وضاحت میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تم کو ماریں تو ان سے کہو ''غَفَرَ اللّٰهُ لَكُمَا'' ''پروردگار آپ کے گناہوں کی مغفرت فرمائے۔''(۲)

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۴ ص ۳۹، ۴۰

(۲) گذشتہ حوالہ و اصول کافی ج ۲ ص ۱۵۸

خلاصہ:

☆ اسلام ایک اجتماعی اور معاشرتی دین ہے جس کے ماننے والے صرف رضائے الٰہی کے لئے ایک دوسرے سے تعلقات اور روابط رکھتے ہیں لہٰذا ہماری بھی یہی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے اوپر دوسروں کے واجب حقوق کو پہچانیں تاکہ ان کو آسانی ادا کرنے میں ہمیں مدد مل سکے۔

☆ انہیں حقوق میں والدین کے حقوق بھی ہیں جن کو خداوند عالم نے اپنی اطاعت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کو سب سے اہم فریضہ قرار دیا ہے جیسا کہ آپؐ کا ارشاد ہے: کہ وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔

لہٰذا ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ والدین کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کریں چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

سوالات:

۱۔ والدین کے ساتھ نیک برتاؤ "احسان" کرنے کے بارے میں قرآن مجید نے کیا کہا ہے؟

۲۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے دوسروں کے حقوق ذکر کرتے ہوئے ماں کے کیا حقوق بیان فرمائے ہیں؟

۳۔ عاق ہو جانے کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک حدیث ذکر کیجئے؟

۴۔ روایات کی روشنی میں کس کس چیز سے اولاد عاق ہو سکتی ہے؟

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے سورۂ اسراء کی ۲۵ ویں آیت کی وضاحت کے سلسلہ میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟

چوتھا سبق

صلۂ رحم

اسلام نے جن معاشرتی اور سماجی حقوق کی تاکید کی ہے اور مسلمانوں کو ان کی پابندی کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک اپنے اعزاء واقرباء کے ساتھ ہمیشہ اچھے روابط قائم رکھنا ہے اسی کو صلۂ رحم کہا جاتا ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اعزاء واقرباء سے ملاقات کرتا رہے اور ان کی مزاج پرسی کرے ان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے اگر غریب ہوں تو ان کی امداد کرے، پریشان حال ہوں تو ان کی مدد کے لئے پہونچے اور ان کے ساتھ گھل مل کر (شیر وشکر) ہو کر رہے اور نیک اعمال نیز تقویٰ پرہیزگاری میں انہیں تعاون دے اگر کوئی کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو خود ان کا شریک ہو جائے اور اگر کسی کو کوئی مشکل درپیش ہو تو اسے حل کرنے کی کوشش کرے اور اگر ان کی طرف سے کوئی غلط رویہ یا کوئی ناروا کام دیکھے تو خوبصورت طریقے سے انہیں نصیحت کرے۔

کیونکہ ہر انسان کے اعزاء واقرباء ہی اس کے پشت پناہ ہوتے ہیں یعنی اگر حالات کی تبدیلی انسان کے اوپر کوئی بھی افتاد پڑتی ہے تو اس کی نگاہیں اہل خاندان کی طرف ہی اٹھتی ہیں اسی لئے ان کا اتنا عظیم حق ہے۔

مولائے کائناتؑ کا ارشاد ہے: "أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لايَسْتَغْنِى الرَّجُلُ وَ إِنْ كَانَ ذَا مَالٍ عَنْ عَشِيْرَتِهِ وَ دِفَاعِهِمْ عَنْهُ بِأَيْدِيهِمْ وَ أَلْسِنَتِهِمْ وَ هُمْ أَعْظَمُ النَّاسِ حِيْطَةً مِنْ وَرَائِهِ وَ أَلَمُّهُمْ لِشَعْثِهِ وَ أَعْطَفُهُمْ عَلَيْهِ عِنْدَ نَازِلَةٍ إِذَا

نَزَلَتْ بِهِ"" "اے لوگو! کوئی شخص چاہے جتنا مالدار کیوں نہ ہو وہ اپنے اعزاء واقرباء اور قبیلے کی زبانی یا عملی یا دیگر قسم کی امداد سے مستغنی نہیں ہوسکتا ہے یہ لوگ انسان کے بہترین محافظ اور پرکندگی کو دور کرنے والے ہوتے ہیں اور جب اس پر کوئی افتاد ومصیبت پڑتی ہے تو اس میں سب سے زیادہ یہی لوگ اس کی پشت پناہی کرتے ہیں۔"(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے: "اَلا لَایَعْدِلَنَّ اَحَدُکُمْ عَنِ الْقَرَابَةِ یَرىٰ بِهَا الْخَصَاصَةَ اَنْ یَسُرَّهَا بِالَّذِی لا یَزِیْدُهُ اِنْ اَمْسَکَهُ وَ لا یَنْقُصُهُ اِنْ اَهْلَکَهُ وَ مَنْ یَقْبِضْ یَدَهُ عَنْ عَشِیْرَتِهِ فَاِنَّما تَقْبِضُ مِنْهُ عَنْهُمْ یَدٌ وَاحِدَةٌ وَ تُقْبَضُ مِنْهُمْ عَنْهُ اَیْدٌ کَثِیْرَةٌ وَ مَنْ تَلِنْ حَاشِیَتُهُ یَسْتَدِمْ مِنْ قَوْمِهِ الْمَوَدَّةَ"" آگاہ ہوجاؤ کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے اقرباء کو محتاج دیکھ کر اس مال سے انکی حاجت برآری کرنے سے گریز نہ کرے جو باقی رہ جائے تو بڑھ نہیں جائے گا اور خرچ کردیا جائے گا تو کم نہیں ہوجائے گا اس لئے کہ جو شخص بھی اپنی قوم اور قبیلہ سے اپنا ہاتھ روک لیتا ہے تو اس قبیلے کے لئے ایک ہاتھ رک جاتا ہے اور خود اس انسان کے لئے بے شمار ہاتھ رک جاتے ہیں اور جس کے مزاج میں نرمی ہوتی ہے وہ قوم کی محبت کو ہمیشہ کے لئے حاصل کرلیتا ہے۔"(۲)

مولائے کائنات علیہ السلام نے اس مقام پر اہل خانہ یا رشتہ داروں سے قطع تعلق کرلینے کے نقصانات کی بہترین منظر کشی کی ہے کہ اس کے الگ ہوجانے کی وجہ سے اعزاء واقرباء کو صرف ایک شخص کا نقصان ہوتا ہے مگر وہ خود اپنے بے شمار ہمدردوں کو کھو بیٹھتا ہے اس طرح آپ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ: حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کے ذریعہ اعزاء واقرباء کی محبتیں حاصل ہوتی ہیں جس میں بے شمار فوائد پائے جاتے ہیں۔

(۲،۱) نہج البلاغہ خطبہ ۲۳

یقیناً ہر بڑے خاندان یا قبیلے اور سماج میں بہت سارے افراد پائے جاتے ہیں جن کی صلاحتیں، امکانات اور قابلیتیں مختلف ہوتی ہیں آپ کو ان کے اندر عالم، جاہل، مالدار، غریب، تندرست، وتوانا، کمزور، صاحبان جاہ وحشم یا بالکل پچھڑے ہوئے، ہر قسم کے افراد مل جائیں گے۔

آخر وہ ایسی کونسی چیز ہے جو اس سماج اور معاشرے کو ایک طاقتور، ترقی یافتہ اور بالکل معتدل سماج بنا سکتی ہے؟ یقیناً آپسی تعلقات اور روابط کا استحکام یا احساس ذمہ داری جو ایک دوسرے کی امداد، ترقی، اور تعاون سے پیدا ہوتے ہیں یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے ہم اس نیک مقصد تک پہونچ سکتے ہیں. اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر ثروت مند اپنی قوم کے غریبوں کا ہاتھ تھام لے طاقتور اپنی قوم کے کمزور طبقہ کے حقوق کی پشت پناہی کرے اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کے حق کے لئے ان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو۔ بیشک کسی بھی قوم اور سماج میں صلۂ رحم کی بدولت ایک مضبوط طاقتور اور باعزت معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو آپسی بھائی چارہ اور اخوت و برادری کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے کی تاکید کی ہے اور کسی بھی حال میں ان روابط کو توڑنے یا کمزور کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

اور احادیث شریفہ میں صلۂ رحم کی بے حد اہمیت بیان کی گئی ہے۔ دین اور ایمان سے اسکا گہرا تعلق قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اُوْصِی الشَّاهِدَ مِنْ اُمَّتِی وَالْغَائِبَ مِنْهُمْ وَمَنْ فِی اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَاَرْحَامِ النِّسَاءِ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَةِ اَنْ یَصِلَ الرَّحِمَ وَ اِنْ کَانَ مِنْهُ عَلیٰ مَسِیْرَةِ سَنَةٍ فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنَ الدِّیْنِ" "اپنی امت کے موجودہ اور غیر موجود حتی مردوں کے صلبوں اور عورتوں کے ارحام میں موجود اور قیامت تک آنے والے ہر شخص سے میری وصیت یہ ہے کہ اپنے اعزاء واقرباء کے ساتھ صلۂ رحم کرے چاہے وہ اس سے ایک سال

(مسافت) کے فاصلے پر کیوں نہ رہتے ہوں کیونکہ یہ دین کا حصہ ہے۔"(۱)

امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَمُدَّ اللهُ فِي عُمْرِهِ وَ أَنْ يَبْسُطَ فِي رِزْقِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ فَإِنَّ الرَّحِمَ لَهَا لِسَانٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَلِقٌ تَقُولُ: يَا رَبِّ صِلْ مَنْ وَصَلَنِي وَاقْطَعْ مَنْ قَطَعَنِي""" جسے یہ خواہش ہے کہ خداوند عالم اس کی عمر میں اضافہ فرمادے اور اس کے رزق کو وسیع کر دے تو اسے صلۂ رحم کرنا چاہئے کیونکہ قیامت کے دن رحم کو گویائی عطا کی جائے گی اور وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا بار الٰہا جس نے مجھے جوڑا (وصل کیا) اس سے تو رابطہ قائم کرنا اور جس نے مجھ سے قطع تعلق کیا ہے (توڑ دیا) تو بھی اس سے رابطہ توڑ لینا۔"(۲)

امام رضا علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین کے واسطے سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث شریف نقل فرمائی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے "جو شخص مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرلے میں اس کے لئے چار چیزوں کی ضمانت لے لوں گا" "يَصِلُ رَحِمَهُ فَيُحِبُّهُ اللهُ تعالىٰ وَيُوَسِّعُ عَلَيْهِ رِزْقَهُ وَيَزِيْدُهُ فِي عُمْرِهِ وَ يُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ الَّتِي وَعَدَهُ..." "اپنے اعزاء واقرباء سے صلۂ رحم کرے تو خداوند عالم اسے محبوب رکھے گا اس کے رزق میں وسعت عطا کر دے گا، اس کی عمر میں اضافہ فرمائے گا اور اس کو اس جنت میں داخل فرمائے گا جس کا اس سے وعدہ کیا ہے۔"(۳)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "صِلَةُ الْاَرْحَامِ تُزَكِّي الْاَعْمَالَ وَتُنْمِي الْاَمْوَالَ وَتَدْفَعُ الْبَلْوىٰ وَتُنْسِي مِنَ الْاَجَلِ" "صلۂ رحم اعمال کو پاکیزہ اور اموال کو زیادہ کر دیتا ہے بلاؤں کو دور کرتا ہے اور موت کو ٹال دیتا ہے۔"(۴)

آپؑ نے ایک خطبہ میں فرمایا: "اس میں دین وایمان، طول عمر، کثرت رزق، خدا کی

(۱،۲،۳،۴) بحار الانوار ج ۷۴ باب صلۂ رحم

محبت ورضا اور جنت کیا کچھ موجود نہیں ہے یہ صلۂ رحم ہی ہے جو دنیا میں انسان کی ثروت مندی اور آخرت میں اس کی جنت کا ضامن ہے اور خدا کی مرضی تو سب سے بڑی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ صلۂ رحم کرنے والا دنیا میں حیات طیبہ اور آخرت میں روشن اور تابناک مقدر کا مالک ہے۔"

صلۂ رحم کی اتنی اہمیت اور عظمت کو پہچاننے کے بعد کیا اب بھی یہ عذر صحیح ہے کہ اعزاء و اقرباء سے ہم بہت زیادہ فاصلہ پر ہیں یا کام کی زیادتی کی بنا پر ہم بہت زیادہ مصروف رہتے ہیں لہٰذا ان سے رابطہ نہیں رکھ پاتے؟ اور خاص طور سے اگر کسی کا کوئی عزیز کسی کے ظلم کا شکار ہو تو کیا اس کے ساتھ یہ طریقۂ کار واقعاً جائز ہے؟

پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ہر مومن کے لئے ایک ایسا روشن اور واضح راستہ بنا دیا ہے جس پر چلنے والے ہر شخص سے خداوند عالم راضی رہے گا روایات میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے یہ شکایت کی کہ مجھے میری قوم والے اذیت دیتے ہیں لہٰذا میں نے یہی بہتر سمجھا ہے کہ ان سے قطع تعلق کرلوں تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خداوند عالم تم سے ناراض ہو جائے گا. اس نے عرض کی یا رسول اللہ پھر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: "تُعْطِي مَنْ حَرَمَكَ وَ تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَ تَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَكَ، فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ كَانَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَكَ عَلَيْهِمْ ظَهِيْراً""" جو تمہیں محروم کرے اسے عطا کردو جو تم سے رابطہ توڑ لے اس سے رابطہ قائم رکھو جو تمہارے اوپر ظلم کرے اسے معاف کردو اگر تم ایسا کروگے تو ان کے مقابلہ کے لئے خداوند عالم تمہارا یار ومددگار رہے۔"(۱)

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے: "صِلُوْا أَرْحَامَكُمْ وَإِنْ قَطَعُوْكُمْ""" اپنے اعزاو

---

(۱) احیاء العلوم کتاب الصحبہ والمعاشرہ

اقرباء سے صلۂ رحم کرو چاہے وہ تم سے قطع تعلق کرلیں۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: "اِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ وَ البِرَّ لَيُهَوِّنَانِ الْحِسَابَ وَ يَعْصِمَانِ مِنَ الذُّنُوبِ، فَصِلُوا أَرْحَامَكُمْ وَ بَرُّوا بِاِخْوَانِكُمْ وَ لَوْ بِحُسْنِ السَّلامِ وَ رَدِّ الْجَوابِ" "صلۂ رحم اور نیک برتاؤ حساب کو آسان کردیتے ہیں۔ اور گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں لہٰذا اپنے اعزاء و اقرباء کے ساتھ صلۂ رحم کرو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو چاہے اچھے انداز میں سلام یا اس کے جواب کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔"(۲)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "صِلُوا أَرْحَامَكُمْ وَ لَوْ بِالسَّلامِ" "اپنے ارحام سے صلۂ رحم کرو چاہے سلام کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔"(۳)

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے: "صِلْ رَحِمَكَ وَ لَوْ بِشَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ، وَ أَفْضَلُ مَا يُوصَلُ بِهِ الرَّحِمُ كَفُّ الْأَذىٰ عَنْهَا" "اپنے ارحام سے صلۂ رحم کرو چاہے ایک گھونٹ پانی کے ذریعہ ہو اور صلۂ رحم کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے ارحام (اعزاء اقرباء) کو اذیت نہ دی جائے۔"(۴)

مذکورہ احادیث شریفہ سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اچھے تعلقات اور روابط کے استحکام اور ان کی استواری میں صلۂ رحم کا کیا کردار ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کسی سے دور ہونے کی بنا پر اس سے ملاقات نہ کرسکیں لیکن اس کے نام آپ کا ایک خط ہی آپ کی طرف سے اظہار محبت اور صلۂ رحم کے لئے کافی ہوسکتا ہے یعنی جس طرح آپ اپنے آس پاس موجود اعزاء و اقرباء کو والہانہ سلام کرتے ہیں یہ خط بھی اسی طرح ایک صلۂ رحم ہے کسی کے لئے کسی برتن میں پانی پیش کرنا حتی کہ

(۱،۲،۳) بحار الانوار ج ۷۴ باب صلۂ رحم ص ۱۰۴

(۴) بحار الانوار ج ۷۱ ص ۸۸/۱۰۳ تا ۱۱۷

انہیں کوئی اذیت نہ پہونچانا بھی ایک قسم کا صلۂ رحم ہے بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صلۂ رحم کا سب سے افضل طریقہ قرار دیا ہے۔

قطع رحم (اعزاء و اقرباء سے قطع تعلق)

ہمیں بخوبی معلوم ہوچکا ہے کہ ہمارے مذہب میں صلۂ رحم اور اعزاء و اقرباء سے تعلقات استوار رکھنے کی کیا اہمیت ہے۔ لہٰذا اب یہ جاننا بھی مناسب ہوگا کہ ان لوگوں سے تعلقات توڑ لینے کے بعد ایک مسلمان کی زندگی میں کتنے خطرناک اور بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے: "فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَ تُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ" "تو کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ تم صاحب اقتدار بن جاؤ تو زمین میں فساد برپا کرو اور قرابت داروں سے قطع تعلقات کرلو۔"(۱)

یا دوسری آیت میں ارشاد ہے: "الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَ يَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ" "جو خدا کے ساتھ مضبوط عہد کرنے کے بعد بھی اسے توڑ دیتے ہیں اور جسے خدا نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً خسارہ والے ہیں۔"(۲)

ان آیات میں خداوند عالم نے قطع رحم کو زمین میں فساد برپا کرنے کے برابر قرار دیا ہے اور اس کی طرف متوجہ کیا ہے کہ آپسی تعلقات توڑ لینے کے بعد اور زمین پر فتنہ و فساد پھیلانے کے

---

(۱) سورۂ محمد آیت ۲۲

(۲) سورۂ بقرہ آیت ۲۷

بعد بھی کیا تم کسی سعادت اور نجات کے امیدوار ہو؟ جب کہ خداوند عالم نے تم کو حکم دیا ہے کہ ہمیشہ آپسی بھائی چارگی اور صلہ رحم کو زیادہ سے زیادہ مستحکم اور پائیدار بنائے رکھو۔

قطع رحم اور مومنین میں جدائی اور افتراق کے کیا خطرناک نتائج اور نقصانات ہو سکتے ہیں ان کو احادیث شریفہ کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''اِنَّ الرَّحْمَةَ لاتَنْزِلُ علیٰ قَوْمٍ فِیهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ'' ''جس قوم کے اندر کوئی ارحام سے قطع تعلق کرنے والا موجود ہو اس پر رحمت نازل نہیں ہو سکتی۔''(۱)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ''وَجَدْنَافِی کِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِذَاقَطَعُوْا الْاَرْحَامَ جُعِلَتِ الْاَمْوَالُ فِی اَیْدِیْ الْاَشْرَارِ '' ''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب میں دیکھا ہے کہ جب تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں (مومنین قطع رحم کر لیتے ہیں) تو ثروت اور اموال اشرار کے ہاتھوں میں پہونچ جاتے ہیں۔''(۲)

اور آپ ہی نے مولائے کائنات علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ: ''ثَلاثُ خِصَالٍ لایَمُوْتُ صَاحِبُهُنَّ اَبَداًحَتّٰی یَرٰی وَبَالَهُنَّ . اَلْبَغْیُ وَقَطِیْعَةُ الرَّحِمِ وَالْیَمِیْنُ الْکَاذِبَةُ یُبَارِزُاللّٰهَ بِهَا'' ''تین چیزیں ایسی ہیں جن کو انجام دینے والا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک خود اس کا نتیجہ نہ بھگت لے ۱۔ بغاوت ۲۔ قطع رحم ۳۔ جھوٹی قسم جس کے ذریعہ خداوند عالم سے لڑائی جھگڑے کا ارادہ رکھتا ہو۔ (کہ یہ دراصل خدا سے جھگڑا کرنا ہے)۔''(۳)

احادیث کے مطابق جو اعزاء ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیتے ہیں ان پر رحمت الٰہی نازل

---

(۱) کنزالعمال ح۶۹۷۸

(۲) بحارالانوار ج۷۰ ص۳۶۹

(۳) بحارالانوار ج۷۱ ص۱۳۴ اور ج۷۲ ص۲۷۴

نہیں ہوتی اور اگر خدانخواستہ کسی قوم میں اس خطرناک بیماری (قطع تعلقات اور دشمنی) کا چلن ہو جائے تو ان کی ثروت اور خود ان پر اشرار (برے لوگوں) کا قبضہ ہو جاتا ہے اور یہ بالکل واضح سی بات ہے کہ صلۂ رحم سے آپسی بھائی چارے اور برادری کو استحکام حاصل ہوتا ہے تو اگر یہ روابط ختم ہو جائیں اور کسی کو کسی کی فکر نہ رہ جائے اور کسی کے اندر احساس ذمہ داری باقی نہ رہے تو پھر لوٹ کھسوٹ کرنے والوں اور بدمعاشوں کے لئے راستے کھل جاتے ہیں اور وہ مومنین کی مال و دولت پر قابض ہو جاتے ہیں۔

اس طرح قطع رحم ان اعمال میں شامل ہے جن کا بھیانک نتیجہ انسان، دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہی رخصت ہوتا ہے کیونکہ تعلقات اور روابط میں دوری اور آپسی رنجش قومی اور سماجی مسئلہ ہے جس کے خطرناک آثار بہت جلد کھل کر سامنے آجاتے ہیں اور قطع رحم کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے ہاتھوں سے کانٹے بو رہا ہو کہ کل اسے کانٹے ہی کاٹنا پڑیں گے اسی طرح شر اور برائی کے بیج بونے سے ندامت اور گھاٹے کے سوا کیا حاصل ہو سکتا ہے؟۔

خلاصہ:

اسلام کے سماجی اور معاشرتی حقوق میں سے ایک اہم حق اعزاء واقرباء سے تعلقات قائم رکھنا اوران کے ساتھ صلۂ رحم کرنا بھی ہے۔

صلۂ رحم کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے اور ضرورت مندوں کی کفالت کی جائے اور سب لوگ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اس سے خوشحال اور ترقی یافتہ سماج وجود میں آتا ہے۔

قطع رحم سے دنیا میں نقصان اور آخرت میں ندامت کے سوا کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

سوالات:

۱۔صلۂ رحم سے کیا مراد ہے؟

۲۔روایات کی روشنی میں صلۂ رحم کا طریقہ بیان کیجئے؟

۳۔صلہ رحم کے بارے میں امام رضا علیہ السلام کی روایت بیان کیجئے؟

۴۔صلۂ رحم کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کیجئے؟

۵۔قطع رحم کے بارے میں کوئی آیت ذکر کیجئے؟

۶۔امام باقر علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام سے بعض برے اعمال کے بارے میں جو روایت نقل کی ہے وہ روایت بیان کیجئے؟

پانچواں سبق

پڑوسی کے حقوق

اسلام میں پڑوسی اور ہمسایہ کے حقوق ادا کرنے کی بھی بہت تاکید کی گئی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: "عَلَيْكُمْ بِحُسْنِ الْجِوارِ فَاِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ اَمَرَ بِذٰلِكَ" "تم پر پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا حکم خود خداوند عالم نے دیا ہے۔"(۱)

اس حدیث میں جس حکم الٰہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سورۂ نساء کی ۳۶ویں آیت ہے: ﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَلا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً وَ بِذِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتَامٰى وَ الْمَسَاكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوْراً﴾ "اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرو اور قرابتداروں کے ساتھ اور یتیموں، مسکینوں، قریب کے ہمسایہ، دور کے ہمسایہ، پہلونشین، مسافر غربت زدہ، غلام و کنیز سب کے ساتھ نیک برتاؤ کرو کہ اللہ مغرور اور متکبر لوگوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔"(۲)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید اور اس کو ترک کرنے کے اخروی خطرات سے متنبہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: "مَازَالَ جَبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِىْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ" "پڑوسیوں کے بارے میں جبرئیل نے مجھے

---

(۱) بحار الانوار ج ۶۹ باب ۳۸ حدیث ۱۱

(۲) سورۂ نساء آیت ۳۶

مسلسل اتنی تاکید کی کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ وہ پڑوسیوں کو ایک دوسرے کا وارث بنا دیں گے۔"(۱)

مولائے کائنات علیہ السلام نے اپنی وصیت میں ارشاد فرمایا ہے: "اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی جِیْرَانِکُمْ فَانَّہُ وَصِیَّۃُ نَبِیِّکُمْ مَازَالَ یُوصِیْ بِھِمْ حَتّیٰ ظَنَنَّا اَنَّہُ سَیُوَرِّثُھُمْ" "خدا کے لئے خدا کے لئے اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو کیونکہ یہ تمہارے پیغمبر کی وصیت ہے پیغمبر ان کے بارے میں مسلسل اتنی وصیت اور تاکید فرماتے رہتے تھے کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگا کہ آپ انہیں میراث میں شریک قرار دیدیں گے۔"(۲)

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کی تعظیم کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں:

۱. "اَحْسِنْ مُجَاوَرَۃَ مَنْ جَاوَرَکَ تَکُنْ مُؤمِناً" "اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آؤ تاکہ مومن بن سکو۔"(۳)

۲. "حُرْمَۃُ الْجَارِ عَلَی الْاِنْسَانِ کَحُرْمَۃِ اُمِّہِ" "پڑوسی کا احترام ماں کے احترام کی طرح ضروری ہے۔"(۴)

۳۔ "مَاتَاَکَّدَتِ الْحُرْمَۃُ بِمِثْلِ الْمُصَاحَبَۃِ وَ الْمُجَاوَرَۃِ" "دوستوں اور

---

(۱) کنزالعمال حدیث ۲۴۹۱۳

(۲) بحارالانوار ج ۷۱ صفحہ ۱۵۳

(۳) بحارالانوار، ج ۷۴ صفحہ ۱۱۶

(۴) بحارالانوار ج ۷۳ صفحہ ۱۵۴

پڑوسیوں کے احترام کی طرح کسی احترام کی تاکید نہیں کی گئی ہے۔"(۱)

۴۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا: "یا نَبِیَّ اللّٰہِ اَفِی الْمَالِ سِوَی الزَّکَاۃِ" "اے نبی خدا کیا مال میں زکات کے علاوہ کوئی اور حق ہے"؟ حضرت نے فرمایا: "نَعَمْ، بِرُّ الرَّحِمِ اِذَا اُدْبِرَتْ وَ صِلَۃُ الْجَارِ الْمُسْلِمِ، فَمَا آمَنَ بِیْ مَنْ بَاتَ شَبْعَاناً وَ جَارُہُ الْمُسْلِمُ جَائِعٌ" "ہاں! جب کوئی رشتہ دار تم سے قطع تعلق کرلے تو اس کے ساتھ نیک برتاؤ کرو اور مسلمان پڑوسی کے ساتھ صلۂ رحم کرو وہ شخص میرے اوپر ہرگز ایمان نہیں لایا ہے کہ جو رات کو شکم سیر ہو کر سو جائے اور اس کا مسلمان پڑوسی بھوکا ہو۔"(۲)

۵۔ ایک شخص اپنا گھر خریدنے سے پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مشورہ کرنے آیا تو آپ نے فرمایا: "اَلْجَارُ، ثُمَّ الدَارُ، الرَّفِیقُ قَبْلَ السَّفَرُ" "گھر خریدنے سے پہلے پڑوسی اور سفر سے پہلے همسفر کو دیکھو۔"(۳)

۶۔ روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے سوال کیا کہ کیا آپ حضرات کو پڑوسی کا حق معلوم ہے؟ سب نے عرض کی: نہیں! فرمایا کہ "اگر وہ تمہیں اپنی مدد کے لئے پکارے تو اس کی امداد کو پہونچو' قرض مانگے تو اسے قرض دیدو، ضرورت مند ہو جائے تو اس کی ضرورت کو پورا کرو اسے کوئی خوشی نصیب ہو تو اسے مبارک باد دو، مریض ہو جائے تو اس کی عیادت کرو کوئی غم یا مصیبت آن پڑے تو اسے تسلی دو اور تعزیت پیش کرو اگر مر جائے تو اس کی تدفین میں

---

(۱) میزان الحکمہ باب ۶۳۸

(۲) بحارالانوار ج ۷۱ ص ۱۵۱

(۳) میزان الحکمہ باب ۶۳

شریک ہواور اپنے گھر کی دیواریں اتنی بلند نہ کرو کہ اس کی دھوپ اور ہوا کی آمد و رفت رک جائے مگر یہ کہ وہ اجازت دیدے اگر تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس کے یہاں بھی انہیں بھیجوادو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے ہو تو پھر انہیں چھپا کر اپنے گھر میں لیجاؤ اور تمہارے بچے انہیں باہر لیکر نہ نکلیں تا کہ اس کے بچوں کو افسوس نہ ہو اور اپنے خوشبودار کھانوں سے اسے دل آزردہ نہ کرو مگر یہ کہ اس میں سے کچھ اس کے یہاں بھی بھجوادو۔" (۱)

۷۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے رسالہ حقوق میں پڑوسی کے یہ حقوق بیان کئے ہیں: "وَاَمَّا حَقُّ جَارِکَ فَحِفْظُهُ غَائِباً وَاِکْرَامُهُ شَاهِداً وَنُصْرَتُهُ اِذَا کَانَ مَظْلُوماً وَلَاتَتَّبِعْ لَهُ عَوْرَةً فَاِنْ عَلِمْتَ عَلَیْهِ سُوْءاً سَتَرْتَهُ عَلَیْهِ وَاِنْ عَلِمْتَ اَنَّهُ یَقْبَلُ نَصِیْحَتَکَ نَصَحْتَهُ فِیْمَا بَیْنَکَ وَبَیْنَهُ وَلَاتُسْلِمُهُ عِنْدَ شَدِیْدَةٍ وَتُقِیْلُ عَثْرَتَهُ وَتَغْفِرُ ذَنْبَهُ وَتُعَاشِرُهُ مُعَاشَرَةً کَرِیْمَةً"

"تمہارے اوپر تمہارے پڑوسی کا یہ حق ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے (حقوق) کی حفاظت کرو، موجود ہو تو اس کا احترام کرو مظلوم ہو تو اس کی مدد کرو، اس کے اسرار کی تلاش میں نہ رہو اور اگر تمہیں اس کی کوئی بری بات معلوم بھی ہو جائے تو اسے پوشیدہ رکھو اور اگر تمہیں احساس ہو کہ وہ تمہاری نصیحت قبول کر لے گا تو اسے تنہائی میں نصیحت کرو مشکلات میں اسے تنہا نہ چھوڑ دو اس کی لغزشوں کو کم کرنے کی کوشش کرو اس کی غلطیوں کو معاف کر دو اور اس کے ساتھ کریمانہ انداز میں زندگی بسر کرو۔" (۲)

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بچپنے میں ہر شب جمعہ میں اپنی والدۂ گرامی کو دیکھتا تھا کہ آپ نماز شب میں دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے ایک ایک پڑوسی کے لئے دعا فرماتی تھیں تو میں نے ایک دن

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۹ باب تعزیہ والماتم ص ۹۳

(۲) بحار الانوار ج ۷۱ باب جوامع الحقوق ص ۷

آپ سے پوچھا اے مادر گرامی! آپ نے اپنے لئے دعا کیوں نہیں فرمائی؟ تو شہزادی کائنات نے فرمایا: "یا بُنَیَّ اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّارُ" "اے میرے لال پہلے پڑوسی پھر گھر۔" (۱)

یقیناً اہل بیت علیہم السلام پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے سلسلہ میں ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں اور اس کے ساتھ ان ہستیوں نے اپنے چاہنے والوں کو اپنی زبان اور عمل سے اس کے فوائد اور نتائج سے بھی باخبر کر دیا ہے چنانچہ مولائے کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی جِیْرَانِهِ کَثُرَ خَدَمُهُ" "جو شخص پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے گا اس کے خدمت گذار زیادہ ہو جائیں گے۔" (۲)

آپؑ ہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: "مَنْ حَسُنَ جِوَارُهُ کَثُرَ جِیْرَانُهُ" "پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرنے والے کے پڑوسیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔" (۳)

تاریخ انسانیت کے تجربات گواہ ہیں کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں سے اچھے تعلقات رکھتا ہے اور ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لئے آغوش محبت پھیلائے رہتے ہیں اپنی محبت اور اس کے احترام کا ثبوت دینے کے لئے اس کی خدمت کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں. اور اس پر قربان ہونے کے لئے تیار رہتے ہیں اسی لئے اس کے پڑوسیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کے تعلقات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کے اور بھی بے شمار فوائد ہیں مثلاً اس سے رزق اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے آبادی اور ترقی کی راہیں کھلتی ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: "حُسْنُ

---

(۱) بحار الانوار ج ۴۳ ص ۸۱ ج ۸۶ ص ۳۱۳

(۲) غرر الحکم ص ۴۳۷

(۳) غرر الحکم ص ۴۳۷

الْجِوارِ یَزِیْدُفِی الرِّزْقِ "" پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۱)

یا آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "حُسْنُ الْجِوارِ یَعْمُرُ الدِّیارَوَیَزِیْدُ فِی الْاَعْمارِ" "پڑوسیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے سے بستیاں آباد ہوتی ہیں اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۲)

پڑوسیوں کواذیت پہونچانا

اسلام نے جہاں پڑوسیوں کے ساتھ بہتر سے بہتر تعلقات قائم رکھنے اوران سے نیک برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے وہیں پڑوسیوں کوکسی بھی قسم کی اذیت پہونچانے سے منع کیا ہے اور پڑوسیوں سے اچھے تعلقات رکھنے اورانہیں اذیت نہ دینے کوایمان کے پرکھنے کا معیار قرار دیا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کاارشادگرامی ہے:

"مَنْ کانَ یُؤْمِنُ بِاللهِ وَ الْیَوْمِ الْآخِرِ فَلایُؤْذِیْ جارَهُ"

"جوشخص اللہ اور قیامت پرایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کواذیت نہ پہونچائے۔"(۳)

انصار میں سے ایک شخص پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوااور عرض کی یارسول اللہؐ میں نے ایک گھر خریدا ہے مگراس کے پڑوسی سے مجھے نہ خیر کی امید ہے اورنہ میں اس کے شر سے امان میں ہوں تو پیغمبر اکرم ﷺ نے چارافرادیعنی حضرت علی علیہ السلام جناب سلمان رضی اللہ عنہ، جناب ابوذر رضی اللہ عنہ اور جناب مقداد رضی اللہ عنہ کو بلایا اورانہیں یہ حکم دیا کہ مسجد میں باآواز بلند یہ اعلان کردیں کہ " لَا اِیْمانَ لِمَنْ لَمْ یَأْمَنْ جارُهُ بَوائِقَهُ "" جس کے شر سے اس کاپڑوسی امان میں نہ ہووہ مومن

(۱) بحارالانوارج ۷۱ ص ۵۳

(۲) اصول کافی ج ۲ ص ۶۶۷ باب حق الجوار

(۳) بحارالانوارج ۴۳ باب ۳ صفحہ ۶۱

نہیں ہے۔"(۱)

ایک شخص نے پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے پڑوسی کی شکایت کی توآپؐ نے اس سے فرمایا کہ صبر کرلو اس نے دوبارہ شکایت کی توآپؐ نے پھر فرمایا کہ صبر کرو وہ تیسری بار پھر پڑوسی کی شکایت لیکر آیا توآپ نے کہا کہ اپنے گھر کا سارا سامان باہر نکال کر سڑک پر بیٹھ جانا۔ جب لوگ اس کی وجہ دریافت کریں توان سے اپنے پڑوسی کی ایذارسانیوں کا تذکرہ کرنا۔ چنانچہ جب اس کے موذی پڑوسی نے یہ صورتحال دیکھی تو اسے اپنی ذلت ورسوائی کا خطرہ محسوس ہوااوراس نے اس سے معافی طلب کر کے گھر میں واپس آجانے کا مطالبہ کیااوراس سے یہ عہد کیا کہ اب وہ کوئی اذیت نہیں پہونچائے گا۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اوراذیت رسانی سے پرہیز کے حکم کے علاوہ معصومین علیہم السلام نے ہمیں اس بات کی طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ خبر دار اپنے پڑوسیوں کے حالات سے بے رخی اختیار نہ کرنا کہ تمہیں یہی معلوم نہ رہے کہ ان میں کون بھوکا ہے اورکون شکم سیر؟ اسی لئے احادیث میں پڑوسیوں کی طرف سے بے توجہی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ کاارشاد ہے: "لَیْسَ بِالْمُؤْمِنِ الَّذِی یَبِیْتُ شَبْعاناًوَجارُهُ جائِعٌ اِلیٰ جَنْبِهِ" "وہ مومن نہیں ہے جوسیر ہوکرسوجائے اوراس کاپڑوسی اس کے برابر میں بھوکا ہو۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "مَا آمَنَ بِاللهِ وَ الْیَوْمِ الْآخِرِ مَنْ باتَ شَبْعاناًوَجارُهُ جائِعٌ" "وہ خداوند عالم اورآخرت پرایمان نہیں لایا ہے جو

(۱) وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۱۲۵

(۲) کنزالعمال ح ۲۳۹۲۹

رات کو شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے"! تو اصحاب نے عرض کی یا رسول اللہ ہم تو پھر ہلاک ہو جائیں گے تو رسول خدا نے فرمایا: "مِنْ فَضْلِ طَعَامِكُمْ وَ مِنْ فَضْلِ تَمْرِكُمْ وَ وَرِقِكُمْ وَ خُلُقِكُمْ وَ خِرَقِكُمْ تُطْفِئُونَ بِهَا غَضَبَ الرَّحْمٰن" "اپنے اضافی کھانے کھجور (پھل وغیرہ) درہم (روپیہ) یا اخلاق اور لباس کے ذریعہ تم غضب الٰہی کو خاموش کر سکتے ہو۔"(۱)

اس حدیث شریف میں غریب اور نادار پڑوسیوں کا خیال رکھنے کی اتنی تاکید ہے کہ کم از کم جو کھانا یا لباس وغیرہ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو اس سے ان کی امداد کر دو تاکہ تمہارے اس نیک اخلاق سے ان کے دل میں تمہاری محبت پیدا ہو جائے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گھر کے کتنے فاصلے تک پڑوسی کا شمار کیا جاتا ہے تو اس کا جواب بھی ہمیں مولائے کائنات کی اس حدیث میں بآسانی مل جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: "حَرِيمُ الْمَسْجِدِ اَرْبَعُونَ ذِرَاعاً وَ الْجِوَارُ اَرْبَعُونَ دَاراً وَ مِنْ اَرْبَعَةِ جَوَانِبِهَا" "مسجد کا پڑوس چالیس ذراع (ہاتھ) ہے اور پڑوسی، گھر کے چاروں طرف چالیس گھروں کو کہا جاتا ہے۔"(۲)

ہمارے بہت سے علماء نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے اسلام کے دوسرے آداب و اخلاق کی طرح پڑوسیوں کا خیال رکھنے کے بارے میں بھی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں جس کا ایک نمونہ حاضر خدمت ہے۔

فقیہ کبیر سید جواد عاملی نے اپنا ایک قصہ یوں بیان فرمایا ہے کہ:

ایک دن میں گھر پر رات کا کھانا کھا رہا تھا تو کسی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا میں نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھا کہ میرے استاد علامہ بحر العلوم کا خادم آیا ہے اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کے

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۷، باب ۷

(۲) بحار الانوار ج ۷۷، باب ۷

استاد نے آپ کو ابھی طلب کیا ہے اور جب تک آپ نہ پہونچ جائیں گے وہ کھانا نہیں کھائیں گے! چنانچہ میں نے فوراً کپڑے پہنے اور تیزی سے ان کے گھر پہونچ گیا، جب میں ان کی خدمت میں پہونچا تو ان کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں تھے اور انہوں نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا! کیا تم کو خدا کا خوف نہیں ہے؟ کیا خدا سے شرم نہیں محسوس ہوتی؟ میں نے حیران ہو کر کہا. میں نے آخر کیا غلطی کی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ تمہارے پڑوسی کو ایک ہفتہ سے کھانا نصیب نہیں ہوا اور وہ دکان سے بالکل سستی کھجوریں ادھار لیکر کھا رہا تھا اور آج دکاندار نے قرض کی زیادتی کی بنا پر اسے کھجوریں ادھار دینے سے بھی منع کر دیا ہے اور آج رات وہ بالکل بھوکے ہیں؟۔

میں نے عرض کی اے استاد محترم! خدا کی قسم مجھے اس کی ہرگز اطلاع نہیں تھی اگر مجھے اس کی خبر ہوتی تو میں ضرور ان کی امداد کرتا استاد نے کہا" مجھے یہی افسوس ہے کہ تمہیں اپنے پڑوسیوں کا حال بھی معلوم نہیں ہے۔ کس طرح انہوں نے سات دن بھوکے رہ کر گذار دئے ہیں اور تم کو خبر بھی نہ ہوئی اور اگر تمہیں معلوم ہوتا اور اسکے بعد بھی تم کچھ نہ کرتے تو پھر تم مسلمان بھی نہ رہتے بلکہ یہودی ہوتے۔"

اس کے بعد استاد نے اپنے خادم کو کھانے سے بھری ہوئی ایک سینی اٹھانے کا حکم دیا اور مجھ سے کہا کہ میں اس کے ساتھ یہ کھانا لیکر اپنے پڑوسی کے گھر جاؤں اور اس سے کہوں کہ آج رات میں آپ کے ساتھ کھانا کھانے آیا ہوں۔ اور یہ بھی کہا کہ یہ روپئے لیجاؤ اور انہیں اس کے تکیہ کے نیچے رکھ دینا۔

یہ واقعہ گواہ ہے کہ سید بحر العلوم صرف اپنے ہی پڑوسیوں کی خبر گیری نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں اپنے شاگردوں کے پڑوسیوں کا بھی خیال رہتا تھا۔

خلاصہ:

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کے لئے اسلام نے سخت تاکید کی ہے اور اسے اسلامی آداب کا جزء قرار دیا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ طاہرینؑ نے بھی اس سلسلہ میں بہت تاکید فرمائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے رزق اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے، گھر اور شہر آباد ہوتے ہیں اور ان میں ترقی ہوتی ہے۔

روایات میں ہے کہ پڑوسی کو اذیت دینے حتی کہ اس کی خبر گیری نہ کرنے سے خدا غضب ناک ہوتا ہے اور جو شخص اپنے پڑوسی کو اذیت دے وہ مومن نہیں ہے۔

سوالات:

۱۔ پڑوسیوں سے حسن سلوک کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک حدیث بیان کیجئے؟

۲۔ مولائے کائنات علیہ السلام نے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے کیا فوائد بیان فرمائے ہیں؟

۳۔ پڑوسیوں کو اذیت دینے کی مذمت کے بارے میں ایک روایت بیان کیجئے؟

۴۔ علامہ بحر العلومؒ نے پڑوسیوں کے حالات سے بے خبر اپنے شاگرد سے کیا فرمایا؟

چھٹا سبق

سماجی زندگی کا طریقہ

سماج میں دوسروں کے ساتھ صحیح روابط قائم کرنے کے لئے کچھ ضوابط اور اصولوں کی رعایت ضروری ہے تاکہ ہم خود کو معاشرہ میں اچھی اور مثالی شخصیت کے طور پر پیش کر سکیں چنانچہ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ہمارے اچھے اخلاق کو دیکھ کر لوگ ہم سے رابطہ رکھنے کے خواہش مند ہوں گے نیز اس سے ہمارے اقدار بھی بلند ہوں گے۔

اور دوسرے یہ کہ اس کے ذریعہ ہم دوسروں کے حقوق کو پہچان کر انھیں ادا کرنے کی کوشش کریں اور دوسروں کے حقوق پامال کرنے سے پرہیز کریں۔

یہ اصول دو قسم کے ہیں: کچھ ایسے صفات اور خصوصیات ہیں جن پر ہمیں دوسروں کے ساتھ روابط کے وقت عمل کرنا چاہئے اور ان سے آراستہ ہونا چاہئے اور کچھ وہ بری عادتیں اور خصلتیں ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہئے دوسرے الفاظ میں کچھ ایسے اخلاقی فرائض ہیں کہ جن کی پابندی کا اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے اور کچھ ایسی اخلاقی برائیاں ہیں جن سے سماجی زندگی میں پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے۔ لہٰذا جب تک ہم ان دونوں اصولوں کا لحاظ نہیں رکھیں گے اس وقت تک بہتر اجتماعی اور سماجی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

وہ تمام اچھے اخلاقی صفات و خصوصیات، جن کو ہم سماجی اور اجتماعی زندگی میں مد نظر رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں یا وہ تمام بد اخلاقیاں اور بری عادتیں جن سے پرہیز کرتے ہیں انہیں

''سماجی اخلاق'' یا'' آداب معاشرت'' کہا جاتا ہے ہم آئندہ چند اسباق میں ان تمام آداب کو ایک ایک کر کے بیان کریں گے۔

حسن خُلق

سماجی زندگی یعنی دوسروں کے ساتھ تعلقات اور رفت و آمد میں ہر انسان کی خواہش یہی رہتی ہے کہ سماج میں اسکی عزت ہو اور تمام لوگ اس کا احترام کریں اور اس کے ساتھ محبت سے پیش آئیں۔

افراد معاشرہ کے درمیان باوقار اور معزز ہونے کی یہ خواہش انسان کے اندر اس لئے ہوتی ہے کہ فطری طور پر انسان تنہائی سے وحشت کرتا ہے جیسا کہ ہم نے پچھلے دروس میں اشارہ کیا کہ انسان کی بہت سی مادی و معنوی ضروریات صرف لوگوں کے ساتھ روابط سے ہی پوری ہوتی ہیں اور تنہائی یا گوشہ نشینی کی صورت میں یہ ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں اسی لئے جب انسان بالکل تنہا یا لوگوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے تو اسے اپنے اندر ایک قسم کی کمی اور محتاجی کا احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ رنجیدہ رہتا ہے لہذا انسان اپنی مادی و معنوی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس قسم کے روابط رکھنے پر مجبور ہے۔ اور لوگوں سے اچھے تعلقات اور روابط رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ سماج میں اس کا اپنا ایک مقام ہو تا کہ لوگ اسے اپنے درمیان قبول کر سکیں اور اس سے تعلقات رکھنے کو تیار ہوں اس طرح انسان اچھی عادتیں اپنا کر اپنی ذاتی صلاحیتوں اور اچھائیوں کو دوسروں کے سامنے پیش کر سکتا ہے اور کمال کی منزلوں پر فائز ہوسکتا ہے۔

دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور لوگوں کے درمیان محبوبیت حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے اور اچھا برتاؤ کیا جائے۔ دراصل خوش اخلاقی نہ صرف یہ کہ لوگوں کے دلوں کو جیتنے کا بہترین ذریعہ ہے بلکہ دیگر بہت سی اچھائیوں کا بھی محور ہے۔ یعنی جب تک خوش اخلاقی نہ ہو دوسری اخلاقی خوبیوں کی واقعی قدر و قیمت ظاہر نہیں ہوسکتی ہے

مثلاً اگر سخاوت کے ساتھ خوش اخلاقی نہ ہو بلکہ بد اخلاقی کے ساتھ سخاوت کی جائے تو اسے کوئی قبول نہیں کرے گا۔ جب تک انسان خندہ پیشانی سے کسی کو تحفہ نہ دے کوئی اسے قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح مثال کے طور پر اگر شجاعت و بہادری بد اخلاقی کے ساتھ ہو تو وہ کینہ اور دشمنی محسوس ہوگی اور دوست و دشمن سے ملنے میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ لہذا اگر اخلاقی عادات کے ساتھ خوش اخلاقی بھی ہو تو انسان کی شان اور مرتبہ دوبالا ہو جاتا ہے۔

علمائے اخلاق، حسن خلق کی تعریف کے بارے میں کہتے ہیں کہ: حسن خلق، نفس انسانی کی اس حالت کو کہا جاتا ہے جو انسان کو لوگوں کے ساتھ کشادہ روئی اور خوش بیانی کے ساتھ اچھے برتاؤ کی طرف لے جاتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک روایت اس تعریف کی تائید کرتی ہے کہ جب کسی نے آپؑ سے یہ سوال کیا کہ حسن خلق کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''تُلِینُ جَنَاحَکَ وَ تُطِیبُ کَلَامَکَ وَ تَلْقَیٰ اَخَاکَ بِبِشْرٍ حَسَنٍ'' ''حسن خلق یہ ہے کہ اپنے شانوں کو تواضع کے ساتھ جھکا لو نرم لہجہ میں اچھی گفتگو کرو اور اپنے برادر ایمانی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرو۔ (۱)

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تُلِینُ جَنَاحَکَ'' ''اپنے شانوں کو جھکا لو'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نرمی اور تواضع سے پیش آؤ۔ اور سختی یا غیظ و غضب کے برتاؤ سے پرہیز کرو مومن کی سختی اور غیظ و غضب صرف کافر کے مقابلہ میں ہونا چاہئے اس کے برخلاف مومنین کو آپس میں محبت و الفت سے پیش آنا چاہئے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت اور اس کی دنیوی اور اخروی قدر و قیمت کے سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے بہت ساری روایات وارد ہوئی ہیں یہاں ہم نمونہ کے طور پر چند حدیثوں کی

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۱ ص ۱۷۱

طرف اشارہ کررہے ہیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

☆"أفضَلُكُمْ اَحسَنُكُمْ اَخلاقاً، اَلمُوَطَّئُونَ اَكْنافاً، اَلَّذينَ يَألَفُونَ وَ يُؤلَفُونَ وَ تُوطَأُ رِحالُهُمْ" "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق وکردار اچھا ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کی عزت و احترام کرتے ہیں اور دوسروں سے محبت سے پیش آتے ہیں اور دوسرے بھی ان سے الفت ومحبت سے پیش آتے ہیں اور وہ اپنے دروازے سب کے لئے کھلے رکھتے ہیں۔"(۱)

☆"اِنَّ صَاحِبَ الْخُلقِ الحَسَنِ لَهُ مِثْلُ اَجرِ الصَّائِمِ القَائِمِ" "خوش اخلاق انسان کا اجر اس شخص کے مانند ہے جو دنوں کو روزے رکھتا ہے اور راتیں عبادت میں گذار دیتا ہے۔"(۲)

☆"اَوَّلُ مَا يُوضَعُ فِى مِيزَانِ العَبْدِ يَوْمَ الْقِيامَةِ حُسْنُ خُلقِهِ" "روز قیامت انسان کے میزان اعمال میں سب سے پہلے اس کا اچھا اخلاق رکھا جائے گا۔"(۳)

☆"مَا مِنْ شَيءٍ اَثْقَلُ فِى الْمِيزَانِ مِنْ خُلْقٍ حَسَنٍ" "روز قیامت میزان اعمال میں خوش اخلاقی سے زیادہ وزنی اور با فضیلت کوئی چیز نہیں ہوگی۔"(۴)

---

(۱) اصول کافی ج ۲، ص ۱۰۲، باب حسن خلق

(۲) گذشتہ حوالہ ص ۱۰۰

(۳) بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۸۵، باب حسن الخلق

(۴) بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۸۵، باب حسن خلق

ایک دوسری روایت میں لفظ "اثقل" یعنی سب سے زیادہ وزنی کے بجائے "احسن" "سب سے بہتر" کا لفظ آیا ہے۔ ایک اور روایت میں (افضل۔ یعنی سب سے بہتر) کا لفظ ذکر ہوا ہے۔

☆"اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَيَّ وَ اَقْرَبَكُمْ مِنِّى يَوْمَ الْقِيامَةِ مَجْلِساً اَحسَنُكُمْ خُلقاً" "تم میں قیامت کے روز میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے قریب تر وہ ہوگا جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہوگا۔"(۱)

حضرت علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "لاقَرِينَ كَحُسْنِ خُلقٍ" "خوش اخلاقی سے بہتر کوئی ساتھی نہیں ہے۔"(۲)

نیز آپ فرماتے ہیں: "عُنْوانُ صَحِيفَةِ الْمُؤمِنِ حُسْنُ خُلقِهِ" "مومن کے اعمال نامہ کا سرنامہ اس کی خوش اخلاقی ہے۔"(۳)

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں: "اِنَّ اَحْسَنَ الْحَسَنِ الْخُلقُ الْحَسَنُ" "سب سے اچھی نیکی خوش اخلاقی ہے۔"(۴)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "اِنَّ اَكْمَلَ الْمُؤمِنِينَ اِيمَاناً اَحْسَنُهُمْ خُلقاً" "ایمان کے اعتبار سے سب سے کامل وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔"(۵)

خوش اخلاقی کے سلسلہ میں معصومین علیہم السلام کے ارشادات کے یہ کچھ نمونے تھے جو ہم نے

---

(۱) بحار الانوار ج ۶۶، ص ۴۰۹

(۲) بحار الانوار ج ۶۸، ص ۳۹۲

(۳) بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۸۶

(۴) بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۷۲

(۵) بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۷۲

آپ کے سامنے پیش کئے ہیں لیکن ان سب سے بڑھ کر مقام ومنزلت یہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿انّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیمٍ﴾ ''اور آپ بلند ترین اخلاق کے درجہ پر فائز ہیں۔''(۱)

ایک اور دوسری آیت میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ: ''اے میرے حبیب اگر خدا کے لطف وکرم سے آپ خوش اخلاق اور خندہ رو نہ ہوتے تو لوگ آپ پر ایمان نہ لاتے اور آپ سے دور ہو جاتے۔

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ ''اے پیغمبر! یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے نرم دل ہیں ورنہ اگر آپ بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔''(۲)

حضرت علی علیہ السلام تمام اصحاب وانصار میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ قربت رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپؑ سے بہتر کسی نے نہیں پہچانا آپؑ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفات اس طرح بیان فرمائے ہیں: ''كَانَ اَجْوَدُ النَّاسِ كَفّاً وَ اَجْرَأُ النَّاسِ صَدْراً وَ اَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَ اَوْفَاهُمْ ذِمَّةً وَ اَلْيَنُهُمْ عَرِيكَةً وَ اَكْرَمُهُمْ عُشْرَةً مَنْ رَآهُ بَدِيهَةً هَابَهُ وَ مَنْ خَالَطَهُ فَعَرَفَهُ اَحَبَّهُ، لَمْ اَرَ مِثْلَهُ قَبْلَهُ وَ لا بَعْدَهُ'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ عطا وبخشش کرنے والے، سب سے زیادہ وسیع الصدر، سب سے زیادہ صادق القول اور سب سے عہد وپیان کو وفا کرنے والے، نرم خو، لوگوں سے ملنے جلنے میں کریم تھے جو بھی آپ کو پہلی مرتبہ دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا اور جو ان کا ہمنشین ہوتا ان کو پہچان لیتا تو آپ کی محبت اس کے دل میں

---

(۱) سورۂ قلم: آیت ۴

(۲) سورۂ آل عمران: آیت ۱۵۹

جاگزیں ہو جاتی، میں نے آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کو آپ جیسا نہیں پایا۔''(۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش اخلاقی کا ایک نمونہ حضرت علی علیہ السلام اس طرح بیان فرماتے ہیں:

(پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودی کے کچھ مقروض تھے ایک روز وہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنے قرض کا مطالبہ کرنے لگا. آپؐ نے اس سے فرمایا: فی الحال میرے پاس پیسے نہیں ہیں. یہودی نے کہا جب تک آپ میرا پیسہ نہیں دیں گے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے میں تمہارے پاس بیٹھا رہوں گا. آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور نماز ظہر وعصر اور مغرب وعشاء اور اگلے دن کی نماز صبح اسی کے پاس پڑھی. یہ دیکھ کر آپ کے اصحاب نے اس یہودی کو ڈرایا دھمکایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کرتے ہو؟ اصحاب نے عرض کی! اس لئے کہ اس یہودی نے آپ کو قید کر رکھا ہے. آپ نے فرمایا: خداوند عالم نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں دوسروں پر ظلم کروں. اگلے روز ظہر کے وقت اس یہودی کی زبان پر کلمۂ شہادتین جاری تھا اور وہ اسلام لے آیا. اور تب اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: خدا کی قسم میں نے یہ صرف اس لئے کیا تھا تا کہ آپ کا کردار دیکھ سکوں. کیونکہ میں نے توریت میں آپ کے یہ صفات پڑھے تھے کہ ''خدا کے نبی محمد بن عبداللہ کی جائے ولادت مکہ ہے اور ان کی ہجرت کا مقام مدینہ ہے وہ نہ تند مزاج ہیں اور نہ غصہ ور اور نہ چیخنے چلانے والے ہیں نہ سخت مزاج اور نہ ہی بدزبان وبدکلام'' میں بھی خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں اور اپنا مال خدا کے لئے وقف کرتا ہوں. یہ میرا مال ہے اس کے بارے میں آپ کو اختیار ہے اور اس کے بعد اس مالدار یہودی نے اپنا تمام مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا. ہم نے اس واقعہ کو اس لئے

---

(۱) بحار الانوار ج ۱۶، ص ۲۳۱

پیش کیا ہے تاکہ ہم آنحضرت کی خوش اخلاقی سے بھی واقف ہو جائیں اور اس کے ساتھ اس آیۂ کریمہ کا مصداق بھی پہچان سکیں۔)

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ "رسول کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے۔"(۱)

(پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ اطہارؑ کی زندگی میں ایسے بے شمار واقعات تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں وہ اکثر افراد جو اسلام کے گرویدہ ہوئے ہیں وہ درحقیقت آنحضرت کے عظیم الشان کریمانہ اخلاق، شرح صدر اور تواضع کی وجہ سے ہی مسلمان ہوئے تھے۔)

خوش اخلاقی کے نتائج

خوش اخلاقی کے بہت سارے فوائد ہیں جن میں بعض تو اس قدر واضح ہیں کہ جن کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی ہم یہاں بعض فوائد کو معصومینؑ کی احادیث کی روشنی میں بیان کر رہے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "حُسْنُ الْخُلُقِ یَزِیْدُ فِی الرِّزْقِ" "خوش اخلاقی روزی میں اضافہ کا باعث ہوتی ہے۔"(۲)

(حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "حُسْنُ الْخُلُقِ یُدِرُّ الْاَرْزَاقَ وَیُؤْنِسُ الرِّفَاقَ" "خوش اخلاقی روزی کو زیادہ کرتی ہے اور دوستوں سے انس ومحبت کا باعث ہوتی ہے۔"(۳)

اسی طرح آپ فرماتے ہیں: "مَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ کَثُرَ مُحِبُّوْهُ وَ آنَسَتِ النُّفُوْسُ بِهِ"

(۱) سورۂ احزاب آیت ۲۱
(۲) بحار الانوار ج ۶۸ ص ۳۹۶
(۳) غرر الحکم ص، ۲۵۵

"جس کا اخلاق اچھا ہوتا ہے اس کے چاہنے والے زیادہ ہوتے ہیں اور لوگ اس سے مانوس رہتے ہیں۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اِنَّ الْبِرَّ وَ حُسْنَ الْخُلُقِ یَعْمُرَانِ الدِّیَارَ وَ یَزِیْدَانِ فِی الْاَعْمَارِ" "بیشک نیکی اور خوش اخلاقی شہروں کو آباد اور عمروں میں اضافہ کرتی ہے۔"(۲)

پھر آپ فرماتے ہیں: "اِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ یُذِیْبُ الْخَطِیْئَةَ کَمَا تُذِیْبُ الشَّمْسُ الْجَلِیْدَ وَ اِنَّ سُوْءَ الْخُلُقِ لَیُفْسِدُ الْعَمَلَ کَمَا یُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ" "بیشک اچھا اخلاق خطاؤں کو اسی طرح خشک کر دیتا ہے جس طرح سورج کھال کو خشک کر دیتا ہے اور برا اخلاق عمل کو اسی طرح برباد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"(۳)

آپ نے ملاحظہ فرمایا معصومینؑ نے ایک طرف تو ہمیں خوش اخلاقی کی تاکید کر کے ہمارے لئے اس کے نتائج واثرات بھی بیان فرمائے ہیں اور دوسری طرف بد اخلاقی سے پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے اور اس کے برے اثرات سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

(پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "سُوْءُ الْخُلُقِ ذَنْبٌ لَایُغْفَرُ" "بد اخلاقی ایسا گناہ ہے جس کی بخشش نہ ہوگی۔"(۴)

اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) غرر الحکم، ۲۵۵
(۲) بحار الانوار ج ۶۸، ص ۳۹۵
(۳) بحار الانوار ج ۶۸، ص ۳۹۵
(۴) میزان الحکمہ باب، ۱۱۱۵

❁ "سُوءُ الْخُلقِ شَرُّ قَرِینٍ" "بداخلاقی بدترین ساتھی ہے۔"(۱)

❁ "سُوءُ الْخُلقِ نَکَدُ الْعَیْشِ وَ عَذَابُ النَّفْسِ" "بداخلاقی زندگی کو تلخ بنادیتی ہے اورعذاب جان ہے۔"(۲)

❁ "سُوءُ الْخُلقِ یُوحِشُ النَّفْسَ و یَرْفَعُ الْاُنْسَ" "بداخلاقی انسان کو وحشی بنادیتی ہے اورانس ومحبت کو ختم کردیتی ہے۔"(۳)

❁ "سُوءُ الْخُلقِ یُوحِشُ الْقَرِیْبَ وَ یُنفِرُ الْبَعِیْدَ" "بداخلاقی اقرباء کو اجنبی اوردور والوں کو متنفر کردیتی ہے۔"(۴)

پیغمبراسلام ﷺ فرماتے ہیں: "خَصْلَتَانِ لَایَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَ سُوْءُ الْخُلْقِ" "دو خصلتیں ایسی ہیں جو مومن کے اندر کبھی جمع نہیں ہوسکتیں، بخل وکنجوسی اور بداخلاقی۔"(۵)

مذکورہ احادیث کی روشنی میں ہمیں بخوبی معلوم ہوگیا کہ اچھے اخلاق کے فوائد کتنے زیادہ ہیں اوراس سے انسان کو کس قدر سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے جب کہ بداخلاقی انسان کے لئے کس طرح وبال جان بن جاتی ہے۔

(۱،۲،۳،۴،) غررالحکم،ص۲۶۴، اعلام ج۵،ص۱۳۱۰

(۵) میزان الحکمہ باب،۱۱۱۵

خلاصہ:

دوسروں سے صحیح اوراچھے روابط قائم کرنے کے لئے اخلاقی اصولوں کی رعایت کرنا اور بری باتوں اورعادتوں سے پرہیزکرنا ضروری ہے

خوش اخلاقی، معاشرتی اخلاق کا اہم ترین جز ہے اوردوسروں سے روابط قائم کرنے کے لئے اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

سوالات:

۱۔علمائے اخلاق نے خوش اخلاقی کی کیاتعریف کی ہے؟

۲۔خداوندعالم نے قرآن کریم میں پیغمبراسلام ﷺ کی تعریف وتوصیف کے سلسلہ میں کیافرمایاہے؟

۳۔پیغمبراسلام ﷺ کی خوش اخلاقی کا کوئی نمونہ بیان کیجئے؟

۴۔خوش اخلاقی کے دوآثاریانتائج بیان کیجئے؟

۵۔پیغمبراسلام ﷺ نے بداخلاقی کے سلسلہ میں کیافرمایاہے؟

ساتواں سبق

تواضع

لوگوں کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے ایک اہم اخلاقی فریضہ "تواضع" بھی ہے قرآن مجید میں خداوند عالم جب اپنے خاص بندوں کے اہم صفات کو بیان کرتا ہے تو تواضع کو ایک اہم صفت کے عنوان سے ذکر کرتا ہے: ﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا﴾ (۱) "اور اللہ کے بندے وہی ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کا پیغام دے دیتے ہیں"

اس آیۂ کریمہ میں خداوند عالم نے اپنے خاص بندوں کی سب سے پہلی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ چلتے وقت باوقار اور متواضع رہتے ہیں اس لئے کہ کسی بھی انسان کے چلنے کا انداز اس کے اندرونی خصوصیات کی غمازی کرتا ہے لہٰذا انسان کی رفتار یا اس کی نشست و برخاست کو دیکھ کر یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کون متواضع ہے اور کون مغرور. اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے جب متقین کے صفات بیان فرمائے تو راستہ چلتے وقت متواضع رہنے کو متقین کی ایک خاص صفت کے عنوان سے بیان فرمایا ہے آپؑ فرماتے ہیں۔

"وَ مَشْیُهُمُ التَّوَاضُعُ" "اور متقین کی رفتار تواضع و انکساری کے ساتھ ہوتی ہے۔" (۲)

---

(۱) سورۂ فرقان آیت ۶۳

(۲) بحار الانوار ج ۶۷، باب ۱۴، روایت ۵۰

اسی طرح خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں مومنین کو آگاہ فرمایا ہے کہ اگر تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے تو خدا ایک دوسری قوم کو تمہاری جگہ پر لائے گا جو مومنین کے ساتھ متواضع و منکسر اور کافروں کے مقابلہ میں سربلند ہوں گے۔

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا مَنْ یَرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ﴾ (۱) "اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو عنقریب خدا ایک قوم کو لے آئے گا جو اس کی محبوب اور اس سے محبت کرنے والی مومنین کے سامنے خاکسار اور کفار کے سامنے صاحب عزت ہوگی۔"

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تواضع کو انسان کے لئے سربلندی اور عظمت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اِنَّ التَّوَاضُعَ یَزِیْدُ صَاحِبَهٗ رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوْا یَرْفَعْکُمُ اللّٰهُ" "بیشک تواضع و انکساری انسان کے مرتبہ کو بلند کرتی ہے لہٰذا تواضع اختیار کرو تا کہ خداوند عالم تمہیں سربلند کر دے۔" (۲)

پھر آپؐ فرماتے ہیں: "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ نَفْسِهٖ ضَعِیْفٌ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ" "جو خدا کے لئے تواضع کرتا ہے خداوند عالم اس کو سربلند کرتا ہے. اگر چہ وہ خود اپنی نظر میں حقیر و کمزور ہو لیکن لوگوں کی نظر میں باعظمت اور سربلند رہتا ہے۔" (۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "قَالَ لُقْمَانُ لِاِبْنِهٖ لَا عِزَّ اِلَّا لِمَنْ تَذَلَّلَ لِلّٰهِ وَ لَا رِفْعَةَ اِلَّا لِمَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ" جناب لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: "عزت صرف اس کے لئے ہے جو خدا کے سامنے خضوع و خشوع کرے اور منزلت اور سربلندی صرف اس کے لئے

---

(۱) سورۂ مائدہ آیت ۵۴

(۲) بحار الانوار، ج ۱۸، باب ۴ روایت ۲

(۳) کنز العمال ج ۳، ص ۱۱۳، حدیث ۵۷۳۷

ہے جو خدا کے لئے تواضع کرتا ہے۔"(۱)

نیز آپ فرماتے ہیں:"اِنَّ فی السَّماءِ مَلَکَیْنِ مُوَکَّلَیْنِ بِالْعِبادِ فَمَنْ تَواضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَاهُ وَ مَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَاهُ" "آسمان میں دو فرشتے ہیں جو بندگان خدا پر مقرر ہیں لہٰذا جو بھی خدا کے لئے تواضع کرتا ہے وہ اس بندے کو سربلند کردیتے ہیں اور جو غرور وتکبر کرتا ہے اسے ذلیل وخوار کردیتے ہیں۔"(۲)

تواضع کی فضیلت اور تاکید کے سلسلہ میں معصومین علیہم السلام سے جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں لیکن ہم یہاں نمونہ کے طور پر صرف چند حدیثیں پیش کررہے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:"زِیْنَةُ الشَّرِیْفِ التَّواضُعُ" "شریف انسان کی زینت تواضع ہے۔"(۳)

نیز آپ فرماتے ہیں: "اَلتَّواضُعُ زَکاةُ الشَّرَفِ" "تواضع شرف کی زکوۃ ہے۔"(۴)

آپ نے امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے:"عَلَیْکَ بِالتَّواضُعِ فَاِنَّهُ مِنْ أعظَمِ الْعِبادَةِ" "تواضع اختیار کرو اس لئے کہ تواضع عظیم ترین عبادت ہے۔"(۵)

امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں:"اَلتَّواضُعُ نِعْمَةٌ لَایُحْسَدُ عَلَیْهَا" "تواضع وہ

---

(۱) مشکوۃ الانوار ص ۲۲۶

(۲) بحار الانوار ج ۵۹، باب ۲۳، حدیث ۵۰

(۳) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۵۱ حدیث ۱۱

(۴،۵) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۵۱ حدیث ۱۱

نعمت ہے کہ جس پر لوگ حسد نہیں کرتے۔"(۱)

تواضع کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی قدر ومنزلت کے مطابق اس کا احترام کرے اور خود کو اس سے افضل وبرتر نہ سمجھے. یہاں چند باتوں کی طرف توجہ ضروری ہے: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ احادیث کے مطابق تواضع کا معیار یہ ہے کہ انسان خدا کو مدنظر رکھے اور تواضع صرف رضائے الٰہی کے لئے ہونا چاہئے نہ کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے اسی لئے تواضع صرف مومنین کے سامنے ضروری ہے اور مشرکین اور کفار کے سامنے جائز نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ تواضع کا تعلق ایمان اور تقویٰ سے ہے لہٰذا امیروں کی دولت کے لالچ میں ان کے سامنے تواضع کرنا مذموم ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ:"مَنْ اَتٰی ذَامَیْسَرَةٍ فَتَخَشَّعَ لَهُ طَلَبَ مَا فِی یَدَیْهِ ذَهَبَ ثُلُثا دِیْنِهِ" "جو شخص مالدار انسان کے سامنے اس کے مال کی طمع کی وجہ سے تواضع کرتا ہے اس کا دوتہائی دین برباد ہوجاتا ہے۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:"مَا اَحْسَنَ تَواضُعَ الْاَغْنِیاءِ لِلْفُقَراءِ طَلَباً لِما عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَحْسَنُ مِنْهُ تِیْهُ الْفُقَراءِ عَلَی الْاَغْنِیاءِ اِتِّکالاً عَلَی اللّٰهِ" "کتنا بہتر ہے کہ دولتمند حضرات فقراء کے سامنے خدا کی طرف سے ملنے والے اس اجر وثواب کے لئے تواضع کریں اور اس سے بہتر یہ ہے کہ فقراء خداوند عالم پر بھروسہ کرتے ہوئے دولتمندوں کی طرف

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۸، باب ۲۹، حدیث ۱

(۲) بحار الانوار، ج ۷۳ باب ۱۲۲، حدیث ۵۸

توجہ نہ دیں۔"(۱)

لہٰذا کسی کے سامنے بھی تواضع کرنے میں صرف اس کے ایمان وتقویٰ یا بندگی خدا کو مدنظر رکھنا چاہئے نہ کہ اس کے مال و دولت یا اقتدار کو، اس لئے کہ اسلام نے فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

تیسرے یہ کہ تواضع وفروتنی میں افراط وتفریط کے بجائے اعتدال کی رعایت کرنا ضروری ہے اس لئے کہ تواضع میں زیادتی انسان کی پستی اور تحقیر کا باعث ہوتی ہے اور کبھی کبھی یہ چاپلوسی بن جاتی ہے۔ جبکہ تواضع میں کوتاہی اور بے توجہی کا انجام تکبر ہوتا ہے، اس لئے غرور وتکبر سے بچنے کے ساتھ ساتھ تواضع میں افراط سے بھی پرہیز کرنا چاہئے جیسا کہ روایت میں ہے کہ: "اَلتَّکَبُّرُ عَلَی الْمُتَکَبِّرِ تَوَاضُعٌ" "متکبر کے ساتھ تکبر کرنا ہی تواضع ہے، لہٰذا متکبر اور مغرور انسان کے سامنے تواضع کرنا جائز نہیں ہے کہ اس سے تواضع سے پیش آنے والے مومن کی توہین اور ذلت ہوتی ہے اور وہ بلاوجہ حقیر بن جاتا ہے اور اس سے متکبر کے تکبر میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔"(۲)

تواضع کے حدود اور اس کی علامتیں

کسی کے اندر تواضع کی مقدار کو جاننے کے لئے معصومین علیہم السلام کے بیان کردہ حدود کی معرفت ضروری ہے: امام رضا سے کسی نے سوال کیا کہ تواضع کی حد کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: "اَنْ تُعْطِیَ النَّاسَ مِنْ نَفْسِکَ مَا تُحِبُّ اَنْ یُعْطُوْکَ مِثْلَہُ" "تواضع کی حد یہ

---

(۱) بحار الانوار، ج ۷۲، باب ۹۴، حدیث ۵۷

(۲) الترجیہ: انسان فقط اپنی ذات کو دیکھے

ہے کہ لوگوں کا اتنا ہی احترام کرو جتنا تم ان سے اپنے احترام کی توقع رکھتے ہو۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اَلتَّوَاضُعُ اَنْ تَرْضیٰ مِنَ الْمَجْلِسِ بِدُوْنِ شَرَفِکَ وَ اَنْ تُسَلِّمَ عَلیٰ مَنْ لَقِیْتَ وَ اَنْ تَتْرُکَ الْمِراءَ وَ اِنْ کُنْتَ مُحِقًّا وَ رَأْسُ الْخَیْرِ التَّوَاضُعُ" "تواضع کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھنے کے لئے جو جگہ ملے اسی پر راضی ہو جاؤ اگرچہ تمہارے مقام سے کمتر ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ کہ جس سے بھی ملو اسے سلام کرو اور جھگڑے سے پرہیز کرو چاہے تم حق پر ہی کیوں نہ ہو اور یاد رکھو کہ نیکی کا سرچشمہ اور اس کی اصل بنیاد تواضع ہے۔"(۲)

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام تواضع کی پہچان بتاتے ہوئے فرماتے ہیں: "وَ لَا یُحِبُّ اَنْ یُحْمَدَ عَلَی التَّقْویٰ" "انسان یہ پسند نہ کرے کہ لوگ اس کے تقویٰ کی وجہ سے اس کی تعریف کریں۔"(۳)

تواضع کے نتائج وفوائد

تواضع کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اسے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے علم وحکمت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "کَذٰلِکَ الْحِکْمَۃُ تَعْمُرُ فِی قَلْبِ الْمُتَوَاضِعِ وَ لَا تَعْمُرُ فِیْ قَلْبِ الْمُتَکَبِّرِ الْجَبَّارِ لِاَنَّ اللّٰہَ جَعَلَ التَّوَاضُعَ آلَۃَ الْعَقْلِ وَ جَعَلَ التَّکَبُّرَ آلَۃَ الْجَھْلِ" "اس طرح حکمت متواضع انسان کے دل میں اتر آتی ہے حالانکہ متکبر کے دل میں حکمت نہیں ٹھہرتی ہے اس لئے کہ خداوند عالم نے تواضع کو عقل کا آلہ اور تکبر کو جہل

---

(۱) بحار الانوار، ج ۷۱، باب ۶۳، حدیث ۱۱

(۲) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۵۱، حدیث ۲۰

(۳) بحار الانوار ج ۲، باب ۱۷، حدیث ۲۰

کا آلہ قرار دیا ہے۔"(۱)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے قول کی مانند جناب عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی نقل ہوا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ایک روز جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو مخاطب کر کے فرمایا: میری ایک خواہش ہے اگر تم لوگ پوری کرنے کا وعدہ کرو تو بیان کروں:

حواریوں نے کہا: آپ حکم فرمائیں ہم اطاعت کے لئے حاضر ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھے اور ان سب کے پیر دھونے لگے تو آپ کے سب ساتھی شرمندگی میں غرق ہو گئے لیکن چونکہ وہ لوگ آپ کی خواہش قبول کرنے کا وعدہ کر چکے تھے اس لئے خاموش رہے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے ان سب کے پیر دھلا دئے. جب آپ ان سب کے پیر دھو چکے تو حواریوں نے کہا: آپ ہمارے معلم ہیں ہمیں ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم آپ کے پیر دھوئیں نہ کہ آپ ہمارے پیر دھوئیں۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ایسا اس لئے کیا تا کہ تمہیں یہ بتا سکوں کہ لوگوں کی خدمت کا سب سے زیادہ حقدار "عالم" ہوتا ہے۔

میں نے اس لئے ایسا کیا ہے تا کہ خود تواضع کر سکوں اور تمہیں تواضع کا درس دے سکوں تم بھی جب میرے بعد لوگوں کو تعلیم و ہدایت دینا تو تواضع کو اپنا شیوہ بنانا. اور یہ جان لو کہ بنیادی طور پر حکمت تواضع کی زمین پر پھولتی پھلتی ہے نہ کہ تکبر کے ذریعہ. بالکل ویسے ہی جیسے سبزہ زار نرم زمین پر اگتا ہے نہ کہ سخت اور پتھریلی زمین پر۔

تواضع کے دوسرے فائدہ کو حضرت علی علیہ السلام اس طرح بیان فرماتے ہیں.

---

(۱) بحار الانوار ج ۱۴، باب ۲۱، حدیث ۱۷

"ثَمرَةُ التَّواضُعِ المَحَبَّةُ وَ ثَمرَةُ الكِبرِ المَسَبَّةُ" "تواضع کا نتیجہ دوستی اور تکبر کا نتیجہ دشمنی ہے۔"(۱)

نیز آپ فرماتے ہیں: "التَّواضُعُ يُكسِبُكَ السَّلامَةَ" "تواضع تمہارے لئے سلامتی کا باعث ہے۔"(۲)

آپ ہی سے منقول ہے کہ: "التَّواضُعُ يَكسُوكَ المَهابَةَ" "تواضع تمہیں بزرگی کا لباس پہناتی ہے۔"(۳)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"اِنَّ اللهَ تَعالىٰ اَوحىٰ اِلَیَّ اَن تَواضَعُوا حَتّىٰ لا يَفخَرَ اَحَدٌ عَلىٰ اَحَدٍ وَ لا يَبغىٰ اَحَدٌ عَلىٰ اَحَدٍ" "خداوند عالم نے میری طرف یہ وحی فرمائی ہے کہ: تواضع اختیار کرو تا کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر ظلم وستم نہ کرے۔"(۴)

لہٰذا خلاصہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکمت، محبت، سلامتی، بزرگی، صلح وصفا، رفعت و منزلت یہ سب تواضع کے نتائج وفوائد ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بارے میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ سفر کے دوران دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے رکے، طے یہ پایا کہ گوسفند ذبح کر کے پکایا جائے ایک صحابی نے کہا: گوسفند میں ذبح کروں گا دوسرے نے کہا: اس کی کھال وغیرہ

---

(۱) غرر الحکم ج ۳، ص ۳۲۷

(۲) بحار الانوار ج ۷۵، باب ۵۱، حدیث ۱۱

(۳) بحار الانوار ج ۷۷، باب ۱۴، حدیث ۱

(۴) کنز العمال ج ۳، ص ۱۱۰، حدیث ۵۷۲۲

میں اتار دوں گا تیسرے نے کہا: میں اسے پکا دوں گا اس طرح سب نے اپنا کام تقسیم کر لیا تو پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: میں صحرا سے لکڑیاں جمع کر کے لاؤں گا۔ اصحاب نے ایک زبان ہو کر عرض کی: یا رسول اللہؐ آپ زحمت نہ فرمائیں آپ کے بدلہ ہم خود یہ کام کر لیں گے حضرتؐ نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم سب کام کر لو گے مگر خدا کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ وہ اپنے بندے کو اس حالت میں دیکھے کہ بندہ خود کو اپنے ساتھیوں سے برتر و ممتاز قرار دے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگل کی طرف چلے گئے اور کافی مقدار میں لکڑیاں جمع کر کے لے آئے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے: "مَنْ تَوَاضَعَ فِی الدُّنیا لاِخْوَانِهِ فَهُوَ عِنْدَ اللهِ مِنَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ مِنْ شِیْعَةِ عَلِی بْنِ اَبِی طَالِب علیہ السلام حقاً" "جو اپنے بھائیوں کے لئے دنیا میں تواضع کرے گا وہ خداوند عالم کے نزدیک صدیقین اور حضرت علی علیہ السلام کے سچے شیعوں میں شامل ہے۔"(۱)

ایک دوسرا واقعہ سیرت امیر المومنینؑ سے متعلق ہے:

ایک روز دو آدمی حضرت علی علیہ السلام کے مہمان ہوئے جن میں سے ایک باپ اور دوسرا اس کا بیٹا تھا جب وہ لوگ آئے تو آپؑ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور انہیں صدر مجلس میں جگہ دی اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر کھانا لایا گیا سب نے کھانا کھایا، کھانے کے بعد جناب قنبر طشت، اور تولیہ لائے اور مہمان کا ہاتھ دھلانا چاہتے تھے کہ امیر المومنین علیہ السلام اٹھے اور قنبر کے ہاتھ سے لوٹا لے لیا تا کہ مہمان کے ہاتھوں پر خود پانی ڈالیں باپ شرم کی وجہ سے آپ کے پیروں پر گر پڑا اور عرض کی: مولا! کیا خدا ہمیں اس حالت میں دیکھے کہ آپ میرے ہاتھوں پر پانی ڈال رہے ہیں؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا: بیٹھو اور اپنے ہاتھ دھوؤ اس لئے کہ خدا تمہیں بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے اس بھائی کو بھی دیکھ رہا ہے جس نے خود کو تم سے بہتر اور ممتاز نہیں سمجھا ہے اور اس نیت سے تمہاری خدمت کر رہا ہے

---

(۱) بحار الانوار ج ۴۱، ص ۵۵، و ج ۲۷، ص ۱۱۷

کہ جنت میں اہل دنیا کے دس برابر اس کی خدمت کی جائے گی۔

پھر وہ شخص اٹھ کر بیٹھ گیا. امام علیہ السلام نے فرمایا: "میں تمہیں اپنے حق کی عظمت کی قسم دیتا ہوں جس سے تم واقف ہو اور اس کی بنا پر میرا اتنا احترام کر رہے ہو اور اس تواضع کی قسم جو تم نے خدا کے سامنے کی ہے جس پر خدا تمہیں اجر دے گا اور اس چیز کی قسم کہ جس کی وجہ سے خدا نے مجھے تمہاری خدمت پر آمادہ کیا اور اس کا شرف بخشا تم اسی اطمینان و سکون سے بیٹھ کر ہاتھ دھونا جس طرح اس وقت دھوتے جب قنبر پانی ڈالتے۔"

تب حضرتؑ نے اس کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور مہمان نے اپنے ہاتھ دھوئے جب امام مہمان کے ہاتھ دھلا چکے تو پانی کا لوٹا اپنے فرزند جناب محمد حنفیہ کو دیا اور ان سے فرمایا: اگر یہ لڑکا اپنے باپ کے بغیر میرا مہمان ہوا ہوتا تو میں خود اس کے ہاتھ دھلاتا لیکن خداوند عالم یہ نہیں چاہتا ہے کہ باپ اور بیٹے کا احترام ایک انداز سے ہو اس لئے جب باپ کے ہاتھ باپ نے دھلائے تو بیٹے کے ہاتھ بیٹے کو دھلانا چاہئے۔ تب جناب محمد حنفیہ نے اس کے لڑکے کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور اس نے اپنے ہاتھ دھوئے امام حسن عسکری علیہ السلام اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "فَمَنْ اتَّبَعَ عَلِیًّا عَلٰی ذٰلِکَ فَهُوَ الشِّیعِی حقًا" "جو بھی حضرت علی علیہ السلام کی اس طرح پیروی کرے گا وہی حقیقی شیعہ ہے۔"(۱)

---

(۱) بحار الانوار ج ۴۱، باب ۱۰۵، حدیث ۵

خلاصہ:

لوگوں کے ساتھ تواضع وانکساری سے پیش آنا بھی ایک اچھی صفت ہے جسے خداوند عالم نے اپنے خاص بندوں کی صفت قرار دیا ہے۔

تواضع سے رشد وحکمت محبت ودوستی اور رفعت ومنزلت وغیرہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

سوالات:

۱۔تواضع وانکساری کی تعریف کیجئے؟

۲۔خداوند عالم نے سورۂ فرقان کی ۶۳ ویں آیت میں اپنے خاص بندوں کی کیا صفت بیان کی ہے؟

۳۔تواضع کے بارے میں امام رضا علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے؟

۴۔فروتنی کے فوائد اور ثمرات بیان کیجئے؟

آٹھواں سبق

وفائے عہد

عہد و پیمان کو وفا کرنا بھی اخلاقی اصولوں میں شامل ہے جس پر مسلمانوں کو اپنی سماجی اور اجتماعی زندگی میں عمل کرنا چاہئے قرآنی آیات اور معصومین علیہم السلام کی روایات میں اس نمایاں اخلاقی صفت کی بے حد اہمیت بیان کی گئی ہے. حقیقت تو یہ ہے کہ انسان اگر کسی سے کسی بھی قسم کا عہد و پیمان کرے تو قرآن کریم کی نظر میں اس کو وفا کرنا واجب ہے اس لئے کہ ایک طرف تو خداوند عالم نے عہد کو وفا کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿أَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولاً﴾ ''اپنے عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''(۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ '' ایمان والو اپنے عہد و پیمان کی پابندی کرو۔''(۲)

اور دوسری طرف عہد و پیمان کو توڑنے کے سلسلہ میں سخت تنبیہ کی گئی ہے اور اس کو خدا کی دشمنی قرار دیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ، كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوا مَالَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ''ایمان والو آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو اللہ کے نزدیک یہ

---

(۱) سورۂ اسراء آیت ۳۴

(۲) سورۂ مائدہ آیت ۱

سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔" (۱)

قول و عمل میں اختلاف کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ انسان دوسروں سے جو عہد و پیمان کرے اس کو پورا نہ کرے۔

لہٰذا اس بات پر توجہ رکھنا چاہئے کہ اگر مسلمان دوسروں سے عہد و پیمان کرے تو اسے پورا کرنا واجب ہے مقابل چاہے مسلمان ہو یا مومن، مشرک ہو یا کافر، یہ پیمان انفرادی ہو یا اجتماعی، خداوند عالم قرآن کریم میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے اگر تم نے مشرکین سے عہد و پیمان کیا ہے اور انہوں نے اپنے عہد کو نہیں توڑا ہے تو تم بھی اس کے معینہ وقت تک اپنے عہد پر باقی رہو۔

﴿فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِم عَهْدَهُم اِلٰى مُدَّتِهِمْ...﴾" جو مدت طے کی ہے اس وقت تک عہد کو پورا کرو۔" (۲)

امام صادق علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "ثَلاثَةٌ لاعُذْرَ لِاَحَدٍ فِيْهَا اَدَاءُ الْاَمَانَةِ اِلَى الْبَرِّ والْفاجِرِ و الْوَفاءُ بِالْعَهْدِ لِلْبَرِّ وَ الْفَاجِرِ وَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ بَرَّيْنَ كَانَا اَوْ فاجِرَيْنِ" "تین چیزوں میں کسی کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے (۱) امانت اس کے مالک کو واپس کرنا چاہے وہ نیک ہو یا برا (۲) عہد و پیمان کو پورا کرنا مقابل چاہے نیک ہو یا فاسق و فاجر (۳) والدین کے ساتھ نیکی وہ اچھے ہوں یا برے۔" (۳)

---

(۱) سورۂ صف آیت ۲/۳

(۲) سورۂ توبہ آیت ۴

(۳) بحار الانوار ج ۷۴ باب ۲ حدیث ۴۶

اس بنیادی نکتہ پر توجہ ضروری ہے کہ سماج میں کسی سے معاہدہ کرنے کے بعد اس کی رعایت اور اس کی شرطوں کی پابندی کرنا ضروری ہے کیونکہ پورے سماج کا نظم و ضبط، سلامتی یا امن و امان اسی سے وابستہ ہے ورنہ اگر انسان دوسروں سے عہد و پیمان کرے اور اس کا پابند نہ رہے مثلاً کسی سے کوئی امانت لے اور اسے واپس نہ کرے تو پورے نظام کا شیرازہ بکھر جائے گا اور کوئی کسی پر اعتماد نہیں کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ سماجی زندگی میں ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا اور صرف طاقتور افراد ہی اپنے منافع کو محفوظ رکھ سکیں گے۔ لہٰذا امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ ان تین چیزوں (امانت کی ادائیگی، عہد و پیمان کو وفا کرنا، اور والدین کے ساتھ نیکی) کے بارے میں کسی کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب جناب مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو آپ کے نام ایک عہد نامہ تحریر فرمایا تھا جس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر اپنے دشمن کے ساتھ بھی تم کوئی عہد و پیمان کرو تو اس پر قائم رہنا۔

"وَاِنْ عَقَدْتَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ عَدُوِّكَ عُقْدَةً اَوْاَلْبَسْتَهُ مِنْكَ ذِمَّةً فَحُطْ عَهْدَكَ بِالْوَفاءِ وَارْعَ ذِمَّتَكَ بِالْاَمَانَةِ وَاجْعَلْ نَفْسَكَ جُنَّةً دُوْنَ مَااَعْطَيْتَ فَاِنَّهُ لَيْسَ مِنْ فَرَائِضِ اللهِ شَئٌ النَّاسُ اَشَدُّ عَلَيْهِ اِجْتِمَاعاًمَعَ تَفَرُّقِ اَهْوَائِهِمْ وَتَشَتُّتِ آرَائِهِمْ مِنْ تَعْظِيْمِ الْوَفاءِ بِالْعُهُوْدِ وَقَدْ لَزِمَ ذٰلِكَ الْمُشْرِكُوْنَ فِيْمَابَيْنَهُمْ دُوْنَ الْمُسْلِمِيْنَ لِمَااسْتَوْبَلُوْا مِنْ عَوَاقِبِ الْغَدْرِ فَلَا تَغْدِرَنَّ بِذِمَّتِكَ وَلَاتَخِيْسَنَّ بِعَهْدِكَ وَلَاتَخْتِلَنَّ عَدُوَّكَ فَاِنَّهُ لَايَجْتَرِئُ عَلَى اللهِ اِلَّاجَاهِلٌ شَقِيٌّ وَقَدْجَعَلَ اللهُ عَهْدَهُ وَذِمَّتَهُ اَمْنًااَفْضَاهُ بَيْنَ الْعِبَادِبِرَحْمَتِهِ وَحَرِيْمًايَسْكُنُوْنَ اِلٰى مَنَعَتِهِ وَيَسْتَفِيْضُوْنَ اِلٰى جِوَارِهِ فَلَااِدْغَالَ وَلَامُدَالَسَةَ وَلَاخِدَاعَ فِيْهِ"

"اگر تم نے دشمن سے عہد و پیمان کیا کہ اس کو پورا کرو گے تو اسے پورا کرو اور اپنے عہد کی

حفاظت امانت کی طرح کرو اور عہد و پیمان کے لئے جان کی بازی لگا دو اس لئے کہ اللہ کے فرائض میں ایفائے عہد سے زیادہ کوئی فریضہ مورد اتفاق نہیں ہے یہاں تک مشرکین بھی مسلمانوں سے جو عہد و پیمان کرتے تھے اس کا احترام کرتے تھے اس لئے کہ وہ پیمان شکنی کے نتیجہ میں تباہیوں کا اندازہ کر چکے تھے. لہٰذا جس کے تم ذمہ دار ہوئے ہو اس کے سلسلہ میں عذر پیش نہ کرنا اور عہد و پیمان میں خیانت نہ کرنا اور اپنے دشمن کو دھوکا نہ دینا. یاد رکھو کہ نادان بد بخت کے علاوہ کوئی خدا سے گستاخی نہیں کرتا اور خدا نے اپنے عہد و پیمان کو امنیت قرار دیا ہے کہ جسے اس نے اپنے رحم و کرم کی وجہ سے اپنے بندوں پر عام کر رکھا ہے اور ان کے لئے پناہ گاہ بنا دیا ہے تا کہ اس کے سہارے زندگی بسر کریں اور اس کی پناہ میں رہیں لہٰذا اس میں جعل سازی، فریب کاری اور دھوکا دھڑی نہیں ہے۔"(۱)

ایفائے عہد کی اہمیت و منزلت

گذشتہ بحث سے عہد و پیمان کے وفا کرنے کی ضرورت بخوبی واضح ہو گئی اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے چاہے کسی کے ساتھ بھی عہد و پیمان کیا جائے اس کو وفا کرنا بہر حال ضروری ہے. اب یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اسلام کی نظر میں عہد و پیمان کے وفا کرنے کی کیا اہمیت ہے اور اسلامی اقدار کے درمیان اس کا کیا مرتبہ ہے؟

اس سلسلہ میں چند باتیں قابل توجہ ہیں:

۱۔ قرآن کریم میں سورۂ مومنون میں مومنین سے کامیابی کا وعدہ کرنے کے بعد مومنین کے صفات بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک صفت ایفائے عہد بھی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ "مومنین وہ لوگ ہیں جو امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کو پورا

(۱) نہج البلاغہ عہد نامہ مالک اشتر

کرتے ہیں۔"(۱)

تقریباً یہی مضمون سورۂ معارج کی آیت نمبر ۳۲ میں بھی مذکور ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَفِ إِذَا وَعَدَ" "جو بھی خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اگر وعدہ کرے تو اسے ضرور وفا کرے۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام بھی فرماتے ہیں: "إِنَّ الْوَفَاءَ بِالْعَهْدِ مِنْ عَلَامَاتِ أَهْلِ الدِّيْنِ" "مومنوں کی ایک علامت عہد و پیمان کا وفا کرنا بھی ہے۔"(۳)

پھر آپ فرماتے ہیں: "أَصْلُ الدِّيْنِ أَدَاءُ الأَمَانَةِ وَ الْوَفَاءُ بِالْعُهُوْدِ" "دین کی اصل بنیاد امانت داری اور وعدہ وفائی ہے"۔

۲۔ اسی طرح ایک دوسری آیت میں خداوند عالم نے جناب اسماعیلؑ کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَبِيًّا﴾

"اور اپنی کتاب میں اسماعیل کا تذکرہ کرو کہ وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے۔"(۴)

(۱) سورۂ مومنون آیت ۸

(۲) بحار الانوار ج ۷۷، باب ۷، حدیث ۱

(۳) بحار الانوار ج ۷۷، باب ۱۴، حدیث ۱۱

(۴) سورۂ مریم آیت ۵۴

یہاں جناب اسماعیل علیہ السلام کی جس نمایاں صفت کا تذکرہ عہدۂ نبوت ورسالت سے پہلے کیا گیا ہے وہ وعدہ وفائی ہے۔

امام رضا علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ واقعہ نقل کیا ہے: "ایک روز ایک شخص نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مقام پر ملنے کا وعدہ کیا کہ آپ اس مقام پر مجھ سے ملیں شدید دھوپ کا موقع تھا اصحاب نے عرض کی بہتر ہے کہ آپ سایہ میں تشریف لے چلیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اس سے میں نے اسی مقام پر ملنے کا وعدہ کیا ہے اگر وہ نہ آئے تو میرا حشر ونشر اسی جگہ پر ہوگا۔" (یعنی آخر عمر تک اسی جگہ کھڑا رہوں گا)

۳۔ امام صادق علیہ السلام نے وفائے عہد کو مومنین کے حقوق میں سے قرار دیا ہے آپ کے ارشاد کے مطابق وفائے عہد درحقیقت مومن کا حق ادا کرنا ہے جو وہ ایک دوسرے پر رکھتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

"اَلْمُؤمِنُ اَخُو الْمُؤمِنِ عَيْنُهُ وَ دَلِيْلُهُ لايَخُونُهُ وَ لايَظْلِمُهُ وَ لايَغُشُّهُ وَ لا يَعِدُهُ عِـدَةً فَيُخْلِفُهُ" "مومن مومن کا بھائی ہے اور وہ اس کی آنکھ اور راہنما کی مانند ہے مومن اپنے بھائی کے ساتھ خیانت نہیں کرتا ہے اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے دھوکا دیتا ہے اور اگر کوئی عہد وپیمان کرتا ہے تو اسے توڑتا نہیں ہے۔"(۱)

۴۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "اِنَّ الْوَفَاءَ تَوأَمُ الصِّدْقِ وَلااَعْلَمُ جُنَّةً اَوْقٰى مِنْهُ ولايَغْدِرُ مَنْ عَلِمَ كَيْفَ الْمَرْجِعُ وَلَقَدْ اَصْبَحْنَافِى زَمانٍ قَدْ اِتَّخَذَ اَكْثَرُاَهْلِهِ الْغَدْرَ كَيْساً وَنَسَبَهُمْ اَهْلُ الْجَهْلِ فِيْهِ اِلٰى حُسْنِ الْحِيلَةِ مَالَهُمْ قَاتَلَهُمُ اللهُ،قَدْ يَرَى الْحُوَّلُ الْقُلَّبُ وَجْهَ الْحِيْلَةِ وَدُوْنَهُ مَانِعٌ مِنْ اَمْرِاللهِ وَنَهْيِهِ فَيَدَعُهَا رَاْىَ عَيْنٍ

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۴، باب ۱۶، حدیث ۷

بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَاوَيَنْتَهِزُ فُرْصَتَهَامَنْ لاحَرِيجَةَ لَهُ فِى الدِّيْنِ"

"وفا سچائی ہے میرے نزدیک اس سے زیادہ اطمینان بخش کوئی سپر نہیں ہے جسے خدا کی طرف کا علم ہے وہ کبھی مکر نہیں کرتا ہم اس زمانے میں زندگی بسر کررہے ہیں جہاں اکثر لوگ حیلہ گری اور دھوکا دھڑی کو چالاکی سمجھتے ہیں اور نادان حضرات ایسے لوگوں کو چالاک اور چارہ گر سمجھتے ہیں انہیں کیا ہوگیا ہے؟ خدا انہیں نابود کرے. (البتہ) جو چالاک اور سمجھدار لوگ ہیں وہ حیلہ گری اور چارہ گری بھی جانتے ہیں لیکن امر ونہی الٰہی انہیں اس سے روکتی ہے اسی لئے وہ اسے ترک کردیتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایسا کرسکتے تھے. لیکن جنہیں دین کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی وہ ایسا کرڈالتے ہیں"(۱)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے اس خطبہ میں وفائے عہد کو سچائی کے مترادف قرار دیا ہے اور مکر وحیلہ کی ضد فرمایا ہے اور لوگوں کو عہد شکنی کو چالاکی سمجھنے سے منع فرمایا ہے اور اس کو ایک برا عمل بتایا ہے کہ ایسے کام بے دین اور کمزور ایمان والے ہی انجام دیتے ہیں. لہٰذا عہد شکنی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے. حقیقت میں مومن عہد شکنی کرنے کے بعد کسی قسم کا عقلی یا شرعی عذر نہیں پیش کرسکتا اسی لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کی طرف سے تمام مشکلات برداشت کرنے کے باوجود اپنے عہد وپیمان پر باقی رہتے تھے مگر یہ کہ اللہ کے صریح حکم کے ذریعہ اس عہد وپیمان کو لغو کردیا جائے جیسے:

﴿بَرائَةٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ اِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ "مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے عہد وپیمان کیا تھا اب ان سے خدا ورسول کی طرف سے مکمل بیزاری کا اعلان ہے۔"(۲)

آیت کریمہ اور اس کے بعد والی آیتیں نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے مشرکین سے

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۵، ص ۹۶، حدیث ۲۱

(۲) سورۂ توبہ آیت ۱

جو عہد و پیمان کیا تھا وہ ختم ہوگیا البتہ اس میں وہ مشرکین شامل نہ تھے جنہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ نہیں ہوئے تھے۔

۵۔ ایک طرف جہاں خداوند عالم، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے وفائے عہد کو بیحد اہمیت دی ہے اور اسے دین کے اہم ارکان میں شمار کیا ہے اور پیمان شکنی کے سلسلہ میں تنبیہ کی گئی ہے اور اس سے مومنین کو سختی سے منع کیا ہے وہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ''عہد شکنی'' کو منافقین کی علامتوں میں سے شمار کیا ہے۔

''آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلاثٌ اِذَاحَدَّثَ كَذِبَ وَاِذَاوَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَااؤْتُمِنَ خَانَ'''' منافق کی تین علامتیں ہیں: ۱۔ جب گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ ۲۔ جب عہد و پیمان کرتا ہے تو توڑ دیتا ہے۔ ۳۔ جب کوئی امانت دی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔''(۱)

حضرت علی علیہ السلام جناب مالک اشتر سے فرماتے ہیں: ''اِيَّاكَ اَنْ تَعِدَهُمْ فَتُتْبِعَ مَوْعِدَكَ بِخُلْفِكَ... وَالْخُلْفُ يُوجِبُ الْمَقْتَ عِنْدَاللهِ وَالنَّاسِ .قَالَ اللهُ تَعَالَى: كَبُرَ مَقْتاًعِنْدَاللهِ اَنْ تَقُوْلُوْامَالا تَفْعَلُوْنَ''

''خبردار ایسا نہ کرنا کہ لوگوں سے وعدہ کرو اور اسے پورا نہ کرو. اس لئے کہ عہد شکنی خداوند عالم کے غضب اور مومنین کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے. خداوند عالم فرماتا ہے: اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا باعث ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے۔''(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''عِدَةُ الْمُؤْمِنِ اَخَاهُ نَذْرٌ لاكَفَّارَةَ لَهُ فَمَنْ اَخْلَفَ

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۲، باب ۱۰۶، حدیث ۶

(۲) بحار الانوار ج ۷۵، ص ۹۶، حدیث ۲۱

فَبِخُلْفِ اللهِ بَدَءَ وَلِمَقْتِهِ تَعَرَّضَ وَذَلِكَ قَوْلُهُ ﴿يَااَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْالِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالاتَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتاًعِنْدَاللهِ اَنْ تَقُوْلُوْامَالاتَفْعَلُوْنَ﴾'''' ایک مومن سے دوسرے مومن کا وعدہ بھی نذر کے مانند ہے جس کا کوئی کفارہ نہیں ہوسکتا البتہ اگر وہ اس عہد کی مخالفت کرے تو اس نے پہلے خداوند عالم کی مخالفت کی ہے اور اس کی ناراضگی کے اسباب فراہم کئے ہیں. جیسا کہ خداوند عالم کا قول ہے: ''ایمان والو! آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا باعث ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔''(۱)

امام علیہ السلام کے اس فرمان اور عہد شکنی کے سخت عواقب کے پیش نظر انسان کو صرف اس صورت میں کسی سے عہد و پیمان کرنا چاہئے کہ جب وہ اسے وفا کرنے کی قوت و طاقت رکھتا ہو.

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''لاتَعِدْ بِمَاتَعْجِزُعَنِ الْوَفَاءِ'' ''جس چیز کو تم وفا نہیں کرسکتے اس کے سلسلہ میں کسی سے وعدہ نہ کرو'' نیز آپ فرماتے ہیں: ''لاتَعِدَنَّ عِدَةً لا تَثِقُ مِنْ نَفْسِكَ بِاِنْجَازِهَا'''' جس چیز کے سلسلہ میں تمہیں اپنے اوپر اطمینان نہ ہو کہ اسے انجام دے سکو گے یا نہیں تو اس کا وعدہ نہ کرو۔''(۲)

---

(۱) اصول کافی ج ۲، ص ۳۶۲، حدیث ۱

(۲) بحار الانوار ج ۲۰، ب ۵۵۸

خلاصہ:

عہد و پیمان کا وفا کرنا بھی اہم اخلاقی اصولوں میں سے ایک ہے۔

قرآن کریم نے اچھے لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایفائے عہد کو ان کی خصوصیات میں ذکر کیا ہے۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جو عہد و پیمان دوسروں سے باندھے اس کا ضرور پابند رہے۔ مد مقابل چاہے مسلمان اور مومن ہو یا مشرک و کافر۔

سوالات:

۱۔ خداوند عالم نے قرآن مجید میں عہد شکنی کے سلسلہ میں کیا فرمایا ہے؟

۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے جناب مالک اشتر کو خطاب فرماتے ہوئے اپنے عہد نامہ میں وفائے عہد کے سلسلہ میں کیا فرمایا ہے؟

۳۔ اسلام میں وفائے عہد کا کیا مرتبہ ہے؟

۴۔ حضرت علی علیہ السلام نے عہد و پیمان کے لئے کس شرط کو ضروری بتایا ہے؟

نواں سبق

حلم و بردباری (۱)

انسان کو سماجی زندگی میں ہر روز اپنے جیسے نہ معلوم کتنے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے اور ان سے روابط اور تعلقات رکھنا ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا مخصوص انداز ہوتا ہے ملنے کا طور طریقہ، سلیقہ، رفتار و گفتار، غور و فکر کرنے کا انداز اور عادتیں دوسروں سے مختلف ہوتی ہیں۔ ممکن ہے اسکی کچھ عادتیں دوسرے لوگوں کو پسند نہ ہوں اور اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہو، انسانی عادات و اطوار میں بے شمار بری عادتیں اور خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ایسی بد اخلاقیوں کے مقابل ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

ایک راستہ تو یہ ہے کہ جن لوگوں کا اخلاق و کردار اچھا نہیں ہے ان سے رابطہ منقطع کر لیا جائے اور صرف انہیں لوگوں سے روابط رکھے جائیں جن کا اخلاق ہر لحاظ سے بہتر ہے تاکہ انسان چین و سکون سے زندگی بسر کر سکے۔ لیکن یہ طریقہ عملاً ممکن نہیں ہے کیونکہ ایسے افراد کا تلاش کرنا ناممکن ہے۔ بنیادی طور پر لوگوں کے آداب و عادات اور اخلاقیات مختلف ہوتے ہی ہیں اور یہ اختلاف ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ اسی لئے شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ دو لوگوں کا نظریہ یا اخلاق ہر لحاظ سے ایک جیسا ہو اور وہ ایک دوسرے کو تلاش بھی کر لیں۔ اس کے علاوہ انسان کی سماجی ضروریات صرف چند افراد کے ساتھ روابط سے پوری نہیں ہو سکتی ہیں اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر ہم دوسروں سے رابطہ منقطع کر لیں اور ان سے کوئی مطلب نہ رکھیں تو دوسرے بھی ہم سے روابط نہ رکھیں۔ لہذا یہ طریقہ بالکل ناممکن اور غیر عملی ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم ہر قسم کی بداخلاقی کے مقابلہ میں جھگڑا کر بیٹھیں یعنی بداخلاقی کا جواب ضرور دیں یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑے تو مار پیٹ بھی کر لیں تا کہ سامنے والا اپنی بداخلاقی پر پشیمان ہو جائے اور دوبارہ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ کرے. ممکن ہے شروع میں یہ طریقۂ کار مناسب معلوم ہو لیکن یہ طریقہ صرف اس صورت میں صحیح اور فائدہ مند ہوگا کہ جب اسے صرف ایک مرتبہ استعمال کیا جائے اور پھر اس کے بعد کوئی بداخلاقی کرنے کی ہمت نہ کرے یا یہ کہ جس کے ساتھ لڑائی جھگڑے کا رویہ اختیار کیا جائے وہ انتقام کی فکر نہ کرے تبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ سب لوگ چین اور سکون کی زندگی گذار سکیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے کیونکہ مختلف قوموں کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عوام میں غصہ کی آگ بھڑک جاتی ہے تو لڑائی جھگڑے کی نوبت اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ بارہا کشت وخون کا بازار گرم ہوتا رہتا ہے. بلکہ اگر یہ جنگ کسی ایک کی شکست پر تمام ہو جائے اور کینہ وغضب کی آگ اس کی راکھ کے نیچے دفن ہو جائے تب بھی جیسے ہی مناسب موقع ہاتھ آئے جنگ دوبارہ شعلہ ور ہوسکتی ہے. حالانکہ ایسے لڑائی جھگڑوں کی بنیاد عموماً بہت چھوٹی اور معمولی بات ہوتی ہے. اور دونوں فریقوں کی تندخوئی کی وجہ سے آہستہ آہستہ اتنے خطرناک حالات کی شکل اختیار کر لیتی ہیں جس کی وجہ سے بار بار جنگ کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر یہ طے ہو جائے کہ دوسروں کی بداخلاقی کا جواب غصہ اور سختی سے دینا ہے تا کہ پھر وہ ایسی حرکت نہ کریں تو یہ بھی طے ہے کہ دوسرے لوگ بھی ہمارے ساتھ ایسے ہی اخلاق کا مظاہرہ کریں گے اور جب ان کی نظر میں ہمارا رویہ غلط ہوگا تو وہ بھی ہمارے ساتھ لڑائی جھگڑا کر بیٹھیں گے. اس صورت میں ہمیں ماننا پڑے گا کہ پھر کوئی بھی کسی کے غصہ اور غضب سے محفوظ نہیں رہے گا اور سماج میں ہمیشہ لڑائی جھگڑا جاری رہے گا. اور یہ واضح ہے کہ ایسے حالات میں زندگی گزارنا بہت سخت ہے لہٰذا یہ طریقۂ کار بھی مناسب نہیں ہے۔

راہ حل؟

ان حالات میں اسلام نے ''حلم و بردباری'' کے ذریعہ حل پیش کیا ہے اس نظریہ کی تشریح کے لئے تین نکتوں کی وضاحت ضروری ہے:

۱۔ اسلام کی نظر میں غصہ کی صحیح جگہ اور قوۂ غصبیہ سے استفادہ کا طریقہ؟

۲۔ مذہب اسلام میں حلم و بردباری اور غصہ کو پی جانے کی اہمیت؟

۳۔ غصہ کو پی جانے سے متعلق بعض واقعات اور مثالیں۔

۱۔ غیظ وغضب

متعدد اسلامی روایات میں غصہ کو بری صفت کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو اس سے پرہیز کی دعوت دی گئی ہے. بعض روایات میں غصہ کو تمام برائیوں کی کنجی قرار دیا گیا ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اَلْغَضَبُ مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ'' ''غصہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔''(۱)

اس سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

❁ ''اَلْغَضَبُ شَرٌّ اِنْ اُطْلِقَتْهُ دَمَّرَ'' ''غصہ ایک شر ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو ویران کر ڈالے گا۔''(۲)

❁ ''اَلْغَضَبُ يُرْدِي صَاحِبَهُ وَ يُبْدِي مَعَايِبَهُ'' ''غصہ صاحب غصہ کو ہلاک کر دیتا ہے اور اس کے عیوب کو آشکار کر دیتا ہے۔''(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۴

(۲) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، حدیث ۱۳۳۷۶

(۳) غرر الحکم: ج ۲، ص ۳۱

"اَلْغَضَبُ یُثِیرُ کَوَامِنَ الْحِقْدِ" "غصہ چھپے ہوئے کینوں کو ابھار دیتا ہے۔"(۱)

دوسری روایات میں غصہ کو جلا دینے والی آگ کے شعلوں سے تعبیر کیا گیا ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "اَلْغَضَبُ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّیْطَانِ" "غصہ شیطان کی آگ کا شعلہ ہے۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "اَلْغَضَبُ نَارٌ مُوْقَدَةٌ مَنْ کَظَمَهُ اَطْفَاهَا وَ مَنْ اَطْلَقَهُ کَانَ اَوَّلَ مُحْتَرِقٍ بِهَا" "غصہ ایک شعلہ ور آگ ہے جس نے اس کو ضبط کرلیا اس نے اسے بجھا دیا اور جس نے اس کو یونہی چھوڑ دیا تو خود وہی پہلا شخص ہوگا جو اس آگ میں جلے گا۔"(۳)

☆"اِحْذَرِ الْغَضَبَ فَاِنَّهُ جُنْدٌ مِنْ جُنُوْدِ اِبْلِیْسَ" "غصہ سے بچو کہ غصہ ابلیس کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔"(۴)

کچھ روایات میں غصہ کو دیوانگی کا ایک حصہ بتایا گیا ہے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

☆"اِیَّاکَ وَ الْغَضَبَ فَاَوَّلُهُ جُنُوْنٌ وَ آخِرُهُ نَدَمٌ" "غصہ سے پرہیز کرو اس لئے کہ اس کی ابتدا دیوانگی اور انتہا پشیمانی ہے۔"(۵)

☆"اَلْغَضَبُ مِنَ الْجُنُوْنِ لِاَنَّ صَاحِبَهُ یَنْدِمُ فَاِنْ لَمْ یَنْدَمْ فَجُنُوْنُهُ مُسْتَحْکَمٌ" "غصہ ایک قسم کا جنون ہے اس لئے کہ غصہ کرنے والا اپنے کام پر پشیمان ہوتا ہے اور اگر پشیمان نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیوانگی مسلّم ہے۔"(۶)

---

(۱) غرر الحکم: ص ۱۵۵
(۲) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۱۵
(۳) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، حدیث ۱۳۳۷۶
(۴) بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۲۹، حدیث ۷۰۷
(۵) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، روایت ۳۳۷۶
(۶) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۲۰

☆"اَلْغَضَبُ یُفْسِدُ الْاَلْبَابَ وَ یُبْعِدُ عَنِ الصَّوَابِ" "غصہ عقلوں کو خراب کر دیتا ہے اور راہ صواب سے دور کر دیتا ہے۔"(۱)

اسی طرح امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَنْ لَمْ یَمْلِکْ غَضَبَهُ لَمْ یَمْلِکْ عَقْلَهُ" "جس شخص کو اپنے غصہ پر قابو نہیں ہے اسے اپنی عقل پر بھی اختیار نہیں رہتا ہے۔"(۲)

اب ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ اسلامی روایات میں غصہ کو ناپسندیدہ اور مذموم صفت کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے جبکہ دوسری روایات میں غصہ پر قابو پانے اور ضبط کو ایک پسندیدہ اور اچھی صفت قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "اَفْضَلُ الْمُلْکِ مُلْکُ الْغَضَبِ" "بہترین سرمایہ غصہ پر قابو پالینا ہے"(۳) نیز آپ فرماتے ہیں: "اَقْدَرُ النَّاسِ عَلَی الصَّوَابِ مَنْ لَمْ یَغْضِبْ" "راہ صواب پر سب سے زیادہ قدرت اسے حاصل ہے جو غصہ نہ کرتا ہو۔"(۴)

☆"ظَفِرَ بِالشَّیْطَانِ مَنْ غَلَبَ غَضَبَهُ، ظَفِرَ الشَّیْطَانُ بِمَنْ مَلَکَهُ غَضَبُهُ" "جو شخص اپنے غصہ پر غالب آجائے وہ شیطان پر غالب ہوگیا اور جس پر اسکا غصہ مسلط ہوگیا اس پر شیطان غالب ہوجاتا ہے۔"(۵)

☆"اَلْغَضَبُ عَدُوٌّ فَلَا تُمَلِّکْهُ نَفْسَکَ" "غصہ تمہارا دشمن ہے لہذا اپنے نفس کو اس

---

(۱) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۳، روایت ۱۳۳۷۶
(۲) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۲، حدیث ۳۳
(۳) غرر الحکم: ج ۴، ص ۳۰۲
(۴) غرر الحکم: ص ۲۴۶
(۵) غرر الحکم: ج ۴، ص ۳۰۱

کے حوالے نہ کر دینا۔"(۱)

☆"مَنْ غَلَبَ عَلَيْهِ غَضَبُهُ وَ شَهْوَتُهُ فَهُوَ فِى حَيِّزِ الْبَهَائِمِ""جس شخص کے اوپر اس کا غصہ اور شہوت غالب آ جائے اس کا شمار چوپایہ جانوروں میں ہوتا ہے۔"(۲)

بعض روایات میں غصہ پر غالب آ جانے والے شخص کو سب سے قوی انسان قرار دیا گیا ہے چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرماتے ہیں:

"لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصَّرعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ"

"طاقت کا معیار زور آزمائی نہیں بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔"(۳)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:"اَلصُّرَعَةُ كُلُّ الصُّرَعَةِ، الصُّرَعَةُ كُلُّ الصُّرَعَةِ، اَلصُّرَعَةُ كُلُّ الصُّرَعَةِ: اَلرَّجُلُ الَّذِى يَغْضِبُ فَيَشْتَدُّ وَ يَحْمَرُّ وَجْهُهُ وَ يَقْشَعِرُّ جِلْدُهُ فَيَصْرَعُ غَضَبَهُ""حقیقت میں پہلوان وہ ہے آنحضرتؐ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا کہ جسے غصہ آ جائے اور اس کا چہرہ سرخ ہو جائے اور جسم کانپنے لگے لیکن پھر بھی وہ اپنے غصہ پر غلبہ حاصل کر لے۔"

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:"اَقْوَى النَّاسِ مَنْ قَوِىَ عَلىٰ غَضَبِهِ""لوگوں میں سب سے زیادہ قوی وہ ہے کہ جو اپنے غصہ پر قابو پالے۔"

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:"لاقُوَّةَ كَرَدِّ الْغَضَبِ""غصہ کو ضبط کرنے سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں ہے۔"(۴)

---

(۱) مستدرک، ج ۱۲، ص ۱۱

(۲) غرر الحکم، ج ۵، ص ۳۶۲

(۳) بحار الانوار، ج ۷۷، باب ۷، حدیث ۱

(۴) بحار الانوار، ج ۷۸، باب ۲۳، حدیث ۱

تاریخ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کا ایک قصہ منقول ہے کہ: ایک دیہاتی عرب، مدینہ آیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعظ و نصیحت کی درخواست کی. آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا: "لاتَغْضَبْ" غصہ نہ کرنا آپؐ نے مزید کچھ نہیں کہا. وہ شخص کہتا ہے میں نے بھی اسی پر اکتفا کر لی. یہ شخص جب اپنے قبیلہ میں واپس پہونچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے قبیلہ کے بعض افراد کی نادانی اور دوسرے قبیلہ کے اموال میں تصرف کی وجہ سے دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی ہوگئی ہے جس میں کچھ لوگ زخمی بھی ہو گئے ہیں. یہ شخص اتنا سنتے ہی بے قابو ہو گیا، فوراً تلوار کھینچ لی اور جنگ پر آمادہ ہو گیا لیکن اسی اثنا میں اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت یاد آ گئی کہ آپ نے فرمایا تھا "غصہ نہ کرنا" اس لئے سوچنے لگا کہ یہ غیظ و غضب، جنگ کی تیاری اور کشت و خون کس لئے ہے؟ یہ سوچ کر وہ مخالف قبیلہ کے سردار کے سامنے آیا اور اس سے کہا کہ تمہارا جو بھی نقصان ہوا ہے میں اپنے پاس سے اس کو پورا کر دوں گا اور اب مزید خونریزی کی ضرورت نہیں ہے. جب مخالف قبیلہ والوں نے اس شخص کی یہ بات سنی تو ان کے غصہ کی آگ بھی ٹھنڈی ہو گئی اور انہوں نے بھی کہا: ہم بھی شرافت و مردانگی میں تم سے کم نہیں ہیں لہٰذا ہم اپنے حق سے صرف نظر کرتے ہیں. اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک چھوٹے سے حکیمانہ جملہ کے ذریعہ تباہ کن جنگ کی آگ خاموش ہو گئی جو عنقریب دو قبیلوں کو برباد کر دیتی۔

لہٰذا غصہ کے متعلق ان روایات سے ہمیں دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں: ۱۔ غصہ کی مذمت اور برائی ۲۔ غصہ پر کنٹرول کرنے کی ستائش. لیکن کچھ روایات میں غصہ کا ایک اور پہلو بھی ملتا ہے کہ ان روایات میں غصہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو اپنے غصہ کا اظہار کرتے ہیں. لیکن جیسا کہ ان روایات میں آپ ملاحظہ کریں گے، یہ غصہ خاص مقصد کے تحت ہونا چاہئے یعنی خدا اور حق بات کے لئے ہو۔

حضرت علی علیہ السلام خصوصاً اس پہلو کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:"مَنْ اَحَدَّ سِنَانَ الْغَضَبِ

لِلّٰہِ قَوِیَ عَلیٰ قَتْلِ اَشِداءِ الْباطِلِ"" جوشخص اپنے غضب کی تلوار کو خدا کے لئے تیز کرے وہ اہل باطل کے پہلوانوں کو قتل کرنے میں مزید طاقتور ہو جاتا ہے۔"(۱)

نیز آپؑ فرماتے ہیں: "مَنْ شَنِیءَ الْفاسِقِیْنَ وَ غَضِبَ لِلّٰہِ غَضِبَ اللّٰہُ لَہُ وَ اَرْضاہُ یَوْمَ الْقِیامَۃِ"" جوشخص فاسقوں سے خدا کے لئے دشمنی کرتا ہے اور خدا کے لئے غضبناک ہوتا ہے خدا بھی اس کے لئے غضبناک ہوتا ہے اور اسے قیامت کے دن خوشنود کرتا ہے۔"(۲)

جناب ابوذرؓ کو جب شہر بدر کیا گیا اور حضرت علی علیہ السلام انہیں وداع کرنے گئے تو آپ نے فرمایا:

"یا أباذَرُ ، اَنَّکَ غَضِبْتَ لِلّٰہِ فَارْجُ مَنْ غَضِبْتَ لَہُ. اِنَّ الْقَوْمَ خافُوکَ عَلیٰ دُنْیاھُمْ وَ خِفْتَھُمْ عَلیٰ دِینِکَ فَاتْرُکْ فی اَیدِیھِمْ ماخافُوکَ عَلَیْہِ وَ اھْرَبْ مِنْھُمْ بِما خِفْتَھُمْ عَلَیْہِ فَما اَحْوَجَھُمْ الی ما مَنَعْتَھُمْ وَ ما اَغْناکَ عَمّا مَنَعُوکَ وَ سَتَعْلَمُ مَنِ الرّابِحُ غَداً وَ اَکْثَرُ حُسَّداً وَ لَوْ اَنَّ السَّمواتِ وَ الْاَرْضِینَ کانَتا عَلیٰ عَبْدٍ رَتْقاً ثُمَّ اتَّقَی اللّٰہَ لَجَعَلَ اللّٰہُ لَہُ مِنْھُما مَخْرَجاً، لا یونِسَنَّکَ اِلّا الْحَقُّ وَ یُوحِشَنَّکَ اِلّا الباطِلُ فَلَوْ قَبِلْتَ دُنْیاھُمْ لَاَحَبُّوکَ وَ لَوْ قَرَضْتَ مِنْھا لَاَمَنُوکَ"

"اے ابوذر! تم نے خدا کے لئے غصہ کا اظہار کیا ہے تو جس کے لئے غصہ کیا ہے اسی سے امیدوار رہو یہ لوگ اپنی دنیا کے سلسلہ میں تم سے ڈر گئے اور تم اپنے دین کے سلسلہ میں ان سے خوفزدہ ہوئے. لہٰذا یہ جس کے لئے تم سے ڈر رہے ہیں وہ ان پر چھوڑ دو اور تم جس چیز سے ڈر رہے ہو اسے اختیار کرلو تم جس چیز سے انہیں منع کر رہے ہو وہ اس کے کتنے ضرورت مند ہیں. اور تم کس قدر بے نیاز ہو اس چیز سے جس سے انہوں نے تمہیں روک رکھا ہے. عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کل کے دن

(۱) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۸۹، حدیث ۶

(۲) بحار الانوار: ج ۶۸، ص ۳۴۸، حدیث ۱۷

(روز قیامت) کون فائدہ میں ہوگا اور کون حسد کی آگ میں جلے گا. جان لو کہ اگر زمین و آسمان کے دروازے کسی بندے پر بند کر دئے جائیں اور وہ متقی و پرہیزگار ہو تو خداوند عالم اس کے لئے نجات کے راستے کھول دیتا ہے حق تم سے مانوس ہوگا اور باطل گریزاں تو اگر تم ان کی دنیا کو قبول کر لیتے تو وہ تمہیں دوست رکھتے اور اگر دنیا سے کچھ قرض مانگتے تو وہ تمہیں ضرور عطا کر دیتے۔"(۱)

جناب موسیٰؑ اپنی ایک مناجات میں خداوند عالم سے سوال کرتے ہیں: "مَنْ اَھْلُکَ الَّذی تُظِلُّھُمْ فی ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لاظِلَّ اِلّا ظِلُّکَ" خداوندا تیرے وہ کون محبوب ہیں جن کو تو اپنے اس روز عرش کے سایہ میں لے لے گا جس روز تیرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

خداوند عالم جواب دیتا ہے: "وَالَّذِینَ یَغْضَبُوْنَ لِمَحارِمی اذا اسْتُحِلَّتْ مِثْلُ النَّمِرِ اذا جُرِحَ"" وہ لوگ جو جب دیکھتے ہیں کہ میرے محرمات کو حلال کیا جا رہا ہے تو زخمی چیتے کی طرح غصہ سے بپھر جاتے ہیں۔"(۲)

ان روایات کے نتیجہ میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ خداوند عالم نے انسان کی سرشت میں قوۂ غضب اس لئے قرار دی ہے کہ اس کے ذریعہ دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے دین کی عظمت اور اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرے. لہٰذا اس قوت سے اس وقت ضرور استفادہ کرنا چاہئے کہ جب ہم یہ دیکھیں کہ دشمنوں کی طرف سے ہمارے دین اور ناموس پر حملہ ہو رہا ہے اور چونکہ ایک مسلمان اپنے کو خداوند عالم کی نعمتوں کا مرہون منت سمجھتا ہے اور دین خدا کے باعث اسے غیرت و عزت اور شرف کی دولت ملی ہے اس لئے حقیقت میں خدا کا دشمن اس کا دشمن ہے. اور خدا کے دین پر حملہ کرنے والا گویا اس کی حیثیت اور شرافت پر حملہ کرتا ہے اس لئے جب بھی دین خدا پر حملہ ہو یا شریعت الٰہیہ پر

(۱) بحار الانوار: ج ۲۲، باب ۱۲، حدیث ۳۰

(۲) بحار الانوار: ج ۱۳، باب ۱۱، حدیث ۴۲

تجاوز ہوتو چونکہ خداوند عالم نے مسلمانوں پر دین وشریعت کا دفاع واجب قرار دیا ہے اس لئے اپنے غضب کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے. اسی لئے خداوند عالم اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ منافقین وکفار کے سلسلہ میں سختی سے کام لیں اوران کے ساتھ قہر وغضب سے پیش آئیں۔ ﴿یا ایُّھا النَّبیُّ جاھِدِ الکُفَّارَ وَالمُنافِقِینَ وَاغلُظْ عَلَیھِم﴾ " اے پیغمبر، کفار ومنافقین سے جہاد کیجئے اوران پر سختی کیجئے۔"(۱)

اسی طرح قرآن مجید میں مومنین کی ایک صفت ﴿اَشِدَّاءُ عَلَی الکُفَّارِ﴾ "کفار کے ساتھ "سخت رویہ رکھنے والے" قرار دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِینَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں "وہ کفار کے لئے سخت ترین" اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں"(۲)

لیکن اپنے برادران ایمانی کے ساتھ غصہ سے پیش آنے کو مذموم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ اس درس کے شروع میں پیش کردہ آیات سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ خداوند عالم نے مومنین کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہر قسم کی دشمنی اور عداوت سے پرہیز کی تاکید کی ہے۔

---

(۱) سورۂ توبہ: آیت ۷۳

(۲) سورۂ فتح: آیت ۲۹

خلاصہ:

اجتماعی زندگی میں دوسروں سے رابطہ ایک لازمی چیز ہے انسانوں کے روابط اگر غصہ اور تندمزاجی کے ساتھ ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی وجہ کوئی معمولی مسئلہ ہے۔

مدّ مقابل اگر بدلہ لینے کی کوشش کرے گا تو دونوں طرف سے جنگ اور کشت وخون کی نوبت آجائے گی۔

اسلام نے اسکا یہ حل پیش کیا ہے کہ انسان ایسے حالات میں حلم اور بردباری سے کام لے۔

سوالات:

۱۔حلم اور بردباری کے کیا معنی ہیں؟

۲۔روایات میں غصہ کو ایک ذلیل اور پست صفت کیوں بتایا گیا ہے؟

۳۔حضرت علی علیہ السلام غصہ پر قابو پالینے کے سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

۴۔حضرت علی علیہ السلام نے جناب ابوذر کو رخصت کرتے وقت غصہ کے سلسلہ میں کیا فرمایا تھا؟

دسواں سبق

حلم وبردباری (۲)

حلم وبردباری

اب جب کہ ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ غصہ صرف دشمنان خدا کے مقابلہ میں جائز ہے اور مومنین کے مقابلہ میں اس کی اجازت نہیں ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ برادران ایمانی اور دوستوں کی بداخلاقیوں کے سلسلہ میں اسلام کا کیا نظریہ ہے؟

جیسا کہ ہم نے گذشتہ سبق میں بیان کیا کہ اس سلسلہ میں اسلام حلم وبردباری اور غصہ کوضبط کرنے کی دعوت دیتا ہے اسلام کی رو سے بہت سارے اختلافات، جھگڑے اور آپسی بدگمانیاں حلم و بردباری کے ذریعہ کسی لڑائی جھگڑے، انتقام یا عدالت میں جائے بغیر ختم ہو جاتے ہیں۔

اسلام میں جہاں حلم وبردباری کومومنین کی ایک اعلیٰ صفت کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے وہیں حلم، بردباری اورغصہ کوضبط کرنے نتائج وفوائد پرخاص توجہ دی گئی ہے۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں غصہ کوضبط کرنے اور لوگوں کو معاف کرنے اوران سے درگذر کردینے کومتقین کی صفت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ الْكَاظِمِيْنَ الغَيظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (۱)

''اور وہ لوگ جو اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کردیتے ہیں اور خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''

دوسری آیت میں خداوند عالم تاکید کررہا ہے کہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دینا چاہئے بلکہ اچھے طریقہ سے جواب دینا چاہئے جیسا کہ ارشاد ہے۔

﴿لا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لا السَّيِّئَةُ، اِدْفَعْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِی بَیْنَکَ وَ بَیْنَهُ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَایُلَقّٰهَا اِلَّاالَّذِیْنَ صَبَرُوا وَ مَایُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ﴾ (۲)

''نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی لہٰذا تم برائی کا جواب اس بہترین طریقہ سے دو کہ جس سے تمہاری دشمنی ہے وہ بھی ایسا ہوجائے جیسے گہرا دوست ہوتا ہے۔ اور یہ صلاحیت انہیں کونصیب ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ بات انہیں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑی قسمت والے ہوتے ہیں۔''

لہٰذا خداوند عالم یہ چاہتا ہے کہ صبر وتحمل کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے کہ دشمنی دوستی میں بدل جائے کیونکہ انتقام اپنے نفسانی ہیجان کی تسکین کے لئے ہوتا ہے دشمنی کوختم کرنے کے لئے نہیں۔

روایت میں ہے کہ ایک روز کسی شخص نے حضرت علی علیہ السلام کی موجودگی میں آپ کے غلام جناب قنبر کی توہین کی، جناب قنبرؓ اس شخص کو خاموش کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھے اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا: قنبرؓ ٹھہرو اس شخص کا جواب نہ دو اس طرح خدا تم سے راضی ہوگا اور شیطان ناراض اور اس طرح تم نے گویا اپنے دشمن کو سزا دے دی ہے۔ اس خدا کی قسم کہ جس نے دانہ کو اگایا اور انسانوں کو خلق کیا کوئی بندہ اپنے خدا کو بردباری سے بڑھ کر کسی اور طرح راضی نہیں کرسکتا اور غصہ کو ضبط کرنے سے زیادہ کسی اور طرح شیطان کو ناراض نہیں کیا جاسکتا اور نادان کو لاپرواہی کے ساتھ

---

(۱) سورۂ آل عمران: آیت ۱۳۴

(۲) سورۂ فصلت: آیت ۳۴/۳۵

پیش آنے سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں دی جا سکتی

اب ہم دیکھیں گے کہ بردباری اور غصہ کو ضبط کرنا معصومین علیہم السلام کی نظر میں کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں جو روایتیں ہم پیش کر رہے ہیں ان میں سے ہر روایت ایک خاص زاویہ سے ان دونوں خصوصیتوں کو بیان کرتی ہے۔ لہٰذا روایت کے معنی و مفہوم میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

حلم و بردباری کے سلسلہ میں روایات:

حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

❁ "اَلْحِلْمُ حِجَابٌ مِنَ الآفَاتِ" "حلم آفات کے لئے ایک پردہ ہے۔"(۱)

❁ "اَلْحِلْمُ نُوْرٌ جَوْهَرُهُ الْعَقْلُ" "بردباری ایک نور ہے کہ جس کی حقیقت عقل ہے۔"(۲)

❁ "لا عِزَّ اَرْفَعُ مِنَ الْحِلْمِ" "بردباری سے بڑی کوئی عزت نہیں ہے۔"(۳)

❁ "تَعَلَّمُوْا الْحِلْمَ فَاِنَّ الْحِلْمَ خَلِيْلُ الْمُؤْمِنِ وَ وَزِيْرُهُ" بردباری سیکھو اس لئے کہ بردباری مومن کا دوست اور اس کا وزیر ہے۔"(۴)

❁ "عَلَيْکَ بِالْحِلْمِ فَاِنَّهُ ثَمَرَةُ الْعِلْمِ" "تمہیں حلم کی سفارش کرتا ہوں اس لئے کہ وہ علم کا ثمرہ ہے۔"(۵)

---

(۱) نور الحقیقۃ: ص ۲۱۳

(۲) غرر الحکم: ج ۵، ص ۲۸۶

(۳) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، ص ۳۲

(۴) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۱۶، حدیث ۱۲۰

(۵) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۳۵

❁ "مَنْ حَلُمَ سَادَ" "جس نے حلم اور بردباری اختیار کی وہ سردار بن گیا۔"(۱)

❁ "اَلسِّلْمُ ثَمَرَةُ الْحِلْمِ" "صلح و آشتی بردباری کا نتیجہ ہے۔"(۲)

❁ "اِنَّ اَوَّلَ عِوَضِ الْحَلِيْمِ مِنْ خَصْلَتِهٖ اَنَّ النَّاسَ اَعْوَانُهٗ عَلَى الْجَاهِلِ" "بردبار شخص کی بردباری کا پہلا بدلہ یہ ہے کہ جاہل کے مقابلہ میں لوگ اس کی حمایت کرتے ہیں۔"(۳)

❁ "مَنِ اسْتَعَانَ بِالْحِلْمِ عَلَيْکَ غَلَبَکَ وَ تَفَضَّلَ عَلَيْکَ" "جس نے تمہارے مقابلہ میں حلم و بردباری سے مدد حاصل کی وہ تم پر غالب ہو گیا۔ اور تم پر برتری بھی رکھتا ہے۔"(۴)

امام محمد تقی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

❁ "اَلْحِلْمُ لِبَاسُ الْعَالِمِ فَلَا تَعْرَيَنَّ مِنْهُ" "بردباری عالم کا لباس ہے لہٰذا اسے اتار مت دینا۔"(۵)

غصہ کو ضبط کرنے کے سلسلہ میں روایات

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"مَنْ كَظَمَ غَيْظًا مَلَأَ اللّٰهُ جَوْفَهٗ اِيْمَانًا" "جو غصہ کو ضبط کر لیتا ہے اللہ اسے ایمان سے مالا مال کر دیتا ہے۔"(۶)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۸، حدیث ۱

(۲) غرر الحکم: ج ۱، ص ۲۲۷

(۳) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۶۸

(۴) غرر الحکم: ج ۵، ص ۳۵۱

(۵) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۳، حدیث ۲

(۶) بحار الانوار: ج ۶۹، باب ۳۸، حدیث ۴۴

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ" "جو اپنے غصہ کو روکتا ہے خدا اس کے عیوب کو چھپاتا ہے۔"(۱)

امام محمد باقر علیہ السلام اس سلسلہ میں یہ فرماتے ہیں: "مَنْ كَظِمَ غَيْظاً وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى اِمْضَائِهِ حَشَا اللهُ قَلْبَهُ اَمْناً وَ اِيْمَاناً يَوْمَ الْقِيَامَةِ" "جو شخص قدرت وطاقت کے باوجود اپنے غصہ کو ضبط کر لے قیامت کے دن خداوند عالم اس کے دل کو سکون وایمان سے بھر دے گا۔"(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام ،پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں: "مَنْ كَظِمَ غَيْظاً وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى اِنْفَاذِهِ وَ حَلُمَ عَنْهُ اَعْطَاهُ اللهُ اَجْرَ شَهِيْدٍ" "جو شخص قدرت وطاقت کے باوجود اپنے غصہ کو پی جائے اور حلم وبردباری سے کام لے خداوند عالم اسے شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔"(۳)

اسی طرح آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اور حدیث نقل فرماتے ہیں:

❁ "اَحْزَمُ النَّاسِ اَكْظَمُهُمْ لِلْغَيْظِ" "سب سے زیادہ محتاط شخص وہ ہے جو اپنے غصہ کو ضبط کرنے پر زیادہ قادر ہو۔"(۴)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

❁ "اَلْكَظْمُ ثَمَرَةُ الْحِلْمِ" "غصہ کو ضبط کر لینا بردباری کا نتیجہ ہے۔"

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۳، باب۱۳۲، حدیث۱۱

(۲) بحار الانوار: ج۷، باب۱۵، حدیث۶۲

(۳) بحار الانوار: ج۷۵، باب۶۶، حدیث۱۰

(۴) بحار الانوار: ج۷۱، باب۹۳، حدیث۵۵

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ حلم کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

❁ "كَظْمُ الْغَيْظِ وَ مِلْكُ النَّفْسِ" "غصہ کو ضبط کر لینا اور نفس پر اختیار رکھنا۔"(۱)

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

❁ "اِنَّهُ لَيُعْجِبُنِي الرَّجُلُ اَنْ يُدْرِكَهُ حِلْمُهُ عِنْدَ غَضَبِهِ" "میں اس شخص کو بہت پسند کرتا ہوں جس پر غصہ کے وقت حلم اور بردباری غالب آجائے۔"(۲)

روایات میں اس سوال کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ کیا دوسروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں غصہ کو ضبط کرنا اور حلم و بردباری سے کام لینا ذلت نہیں ہے؟ ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میرے اور ایک گروہ کے درمیان ایک مسئلہ میں اختلاف ہو گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ لڑائی نہ ہو لیکن لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ لڑائی نہ کروگے تو ذلیل وخوار ہو جاؤ گے آپ اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا:

❁ "اِنَّمَا الذَّلِيْلُ الظَّالِمُ" "ذلیل وخوار وہ ہے جو ظالم ہو۔"(۳)

ان تمام روایات سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ائمہ معصومین نے مومنین کے درمیان انس و محبت پیدا کرنے اور لڑائی جھگڑا ختم کرنے کے لئے انہیں دوسروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں غصہ کو ضبط کرنے اور حلم وبردباری سے کام لینے کی تاکید کی ہے اور اس کے دنیوی اور اخروی آثار ونتائج کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ دوسروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں حلم و بردباری اسی حد تک

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۸، باب۱۹، حدیث۲

(۲) بحار الانوار: ج۷۱، باب۹۳، حدیث۱۳

(۳) محجۃ البیضاء: ج۵، ص۳۱۳

بہتر ہے کہ جب تک ہمارے حقوق کی پامالی نہ ہو اور اس سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے اگر چہ اس صورت میں بھی توجہ رکھنی چاہئے کہ دوسروں کے حقوق پامال کرنے والے کو اس کام سے روکنے کے لئے صحیح راستہ لڑائی جھگڑا نہیں ہے بلکہ وہ طریقے استعمال کرنا چاہئیں جو شریعت نے ایسے لوگوں کے لئے بیان کئے ہیں۔

اخلاق حلیمانہ

اس بحث میں ہم دوسروں کی بداخلاقیوں اور بے ادبیوں کے مقابلہ میں بزرگان دین کے کچھ اخلاقی نمونے پیش کریں گے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ بردباری کے ذریعہ حسن سلوک میں تبدیل ہونے والی بداخلاقی کیا ہوتی ہے؟ سب سے پہلے ہم حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت سے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں کہ امت کے درمیان اختلاف کی صورت میں آپ کا کردار کیا تھا؟

اوس وخزرج مدینہ کے دو بڑے قبیلے تھے جو زمانۂ جاہلیت میں مسلسل ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے. انہوں نے بارہا دوسرے قبیلہ کے افراد کو قتل کیا تھا لیکن جب پیغمبر اسلام ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو آپ کی آمد اور اسلام کی برکت سے ان دونوں میں صلح ہو گئی اور یہ دونوں قبیلے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سکون سے رہنے لگے. ایک دن مدینہ کے شاس بن قیس نامی ایک بوڑھے یہودی نے ان دونوں قبیلوں کے لوگوں کو ایک ساتھ بیٹھے دیکھا جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے تو اسے ان کا اتحاد دیکھ کر جلن ہونے لگی لہٰذا اس نے انہیں لڑانے کے لئے ایک چال چلی اس لئے اس نے ایک یہودی جوان سے کہا جاؤ اور ان کی مجلس میں شریک ہو جاؤ اور انہیں "روز بعاث" کی یاد دلادو کہ جس دن ان دونوں قبیلوں نے آپس میں سخت جنگ کی تھی اور ان کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے تھے اس یہودی نوجوان نے ایسا ہی کیا آہستہ آہستہ دونوں طرف اس قدر جوش بڑھ گیا کہ ان پر غیظ و غضب طاری ہو گیا وہ لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے چنانچہ دونوں طرف اسلحے

سنبھالنے کی تیاری ہونے لگی یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی اور آہستہ آہستہ بقیہ لوگ بھی اپنے اپنے قبیلے سے جا ملے جب یہ خبر پیغمبر اکرم ﷺ تک پہونچی تو آپ فوراً وہاں پہونچے اور بآواز بلند خطاب کر کے فرمایا:

"يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اللهَ اللهَ أَبِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَ أَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ بَعْدَ أَنْ هَدَاكُمُ اللهُ تَعَالَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ وَ أَكْرَمَكُمْ بِهِ وَ قَطَعَ عَنْكُمْ أَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ اسْتَنْقَذَكُمْ بِهِ مِنَ الْكُفْرِ وَ أَلَّفَ بَيْنَكُمْ تَرْجِعُوْنَ إِلَى مَا كُنْتُمْ عَلَيْهِ كُفَّاراً"

"اے مسلمانو! خدارا! خدارا!. کیا تم جاہلیت کی طرف پلٹ گئے ہو حالانکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں اور اس کے باوجود کہ خداوند عالم نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اور تمہیں اسلام کی بدولت بزرگی عطا کی اور تم سے جاہلیت کو دور کیا اور تم کو اس سے نجات دی اور تمہارے درمیان الفت و محبت قائم کر دی کیا تم پھر دوبارہ اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے؟"

پیغمبر اسلام ﷺ کی تقریر سنتے ہی دونوں طرف کے افراد ہوش میں آ گئے اور ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا انہوں نے اپنی تلواریں پھینک دیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کے حضور ندامت کا اظہار کیا اور آپ کی پیروی کا اعلان کیا اس طرح اس یہودی کے برپا کردہ فتنہ کی آگ خاموش ہو گئی۔

رسول اسلام ﷺ کے زمانہ کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ ایک دن ایک دیہاتی عرب مدینہ آیا اور رسول خدا ﷺ سے کچھ پیسے لینے کے لئے مسجد میں پہونچا جس وقت وہ مسجد میں پہونچا رسول اسلام ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے اس عرب نے اپنی حاجت بیان کی اور رسول اسلام ﷺ نے اسے کچھ پیسے دئے لیکن وہ دیہاتی قانع نہیں ہوا اور اس نے آپ کی شان میں جسارت کی اور برا بھلا کہنے لگا اصحاب پیغمبر ﷺ کو غصہ آ گیا اور انھوں نے اسے روکنا چاہا تو پیغمبر اسلام ﷺ نے منع کر دیا. پھر پیغمبر اسلام ﷺ اس کو اپنے گھر لے گئے اور اس کی کچھ اور مدد کی. اعرابی تو یہ سمجھتا تھا کہ پیغمبر ﷺ بادشاہوں کی طرح رہتے ہوں گے مگر جب اس نے قریب

سے آپ کی زندگی کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ غلط سوچتا تھا. اس لئے کہ آپ کی زندگی بہت سادہ اور معمولی تھی یہ دیکھ کر وہ نادم ہوا اس نے پیغمبر اسلام ﷺ کا شکریہ ادا کیا. پیغمبر اسلام ﷺ نے اس سے فرمایا:

﴿اَخشیٰ عَلَیکَ الاَذیٰ مِمَّن سَمِعَ مَقالَتَکَ لِی فِی المَسجِدِ فَلَو اَظهَرتَ رِضاکَ﴾

تم نے کل میرے اصحاب کے درمیان مجھے برا بھلا کہا تھا لیکن آج تنہائی میں میرا شکریہ ادا کر رہے ہو مجھے ڈر ہے کہیں وہ تمہیں پریشان نہ کریں یہ تشکر ان کے سامنے ہوتا تو مناسب تھا۔ اس اعرابی نے حضرت کی بات کو قبول کیا اگلے دن آنحضرت ﷺ اس اعرابی کو ساتھ لے کر مسجد میں تشریف لائے اور اصحاب کے درمیان فرمایا: یہ شخص ہم سے راضی ہو گیا ہے. کیا ایسا نہیں ہے؟ اعرابی نے آپ کی تصدیق کی اور پھر اس مجمع کے سامنے آپ کا شکریہ ادا کیا. پھر پیغمبر اسلام ﷺ نے اصحاب کو خطاب کر کے فرمایا: میری اور اس شخص کی مثال اس آدمی جیسی ہے کہ جس کا اونٹ بھڑک کر بھاگ رہا تھا اور لوگ اونٹ والے کی مدد کے لئے اونٹ کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور چلا رہے تھے لیکن اس شور وغل سے وہ اور زیادہ بھاگتا تھا اس لئے اونٹ والے نے لوگوں سے کہا آپ میری مدد نہ کریں اسے پکڑنے کے لئے میں خود کوئی تدبیر کرلوں گا. پھر اس نے تھوڑی سی گھاس اٹھائی اور بغیر کسی شور وغل کے وہ گھاس اس اونٹ کے سامنے رکھ دی جب اونٹ گھاس کھانے میں مشغول ہوا تو بڑی آسانی سے اس نے اونٹ کی مہار پکڑی اور اپنی راہ پر چل پڑا. اگر میں نے تم کو کل منع نہ کیا ہوتا تو یہ شخص تمہارے ہاتھوں بڑی بری طرح مار کھاتا لیکن میں نے نرمی سے اسے رام کرلیا۔

تیسرا نمونہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ سے متعلق ہے. ایک روز ایک شامی نے آپ کو سواری پر دیکھا. دیکھتے ہی آپ پر لعن طعن کرنے لگا. آپ بالکل خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا جب وہ خاموش ہو گیا تو حضرت اس کے پاس گئے اسے سلام کیا مسکرائے اور فرمایا:

﴿اَیُّهَا الشَّیخُ اَظُنُّکَ غَرِیباً لَو سَئَلتَنا اَعطَیناکَ وَلَو استَرشَدتَنا اَرشَدناکَ وَاستَحمَلتَنا حَمَلناکَ وَاِن کُنتَ جائِعاً اَطعَمناکَ وَاِن کُنتَ مُحتاجاً اَغنَیناکَ وَاِن کُنتَ طَرِیداً آوَیناکَ﴾

"اے شیخ میرے خیال سے تم مسافر ہو (اور تمہیں کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے) اگر تمہیں کوئی سوال ہو تو بتاؤ تا کہ میں پورا کردوں. اگر تمہیں رہنمائی کی ضرورت ہے تو تمہاری رہنمائی کروں، مدد کی ضرورت ہے تو تمہاری مدد کروں، بھوکے ہو تو تمہیں سیر کروں اگر لباس کی ضرورت ہو تو لباس دوں گا، آوارہ وطن ہو تو تمہیں پناہ دوں گا یا کوئی اور حاجت ہو تو پوری کروں گا" جب اس شخص نے آپ کے نرم کلام اور بردبارانہ اخلاق کو دیکھا تو شرمندہ ہوا اور رونے لگا. اور بولا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین پر خلیفہ الٰہی ہیں. خدا جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس جگہ قرار دے آپ اور آپ کے والد اب تک میری نظر میں سب سے برے انسان تھے. لیکن اب میرے نزدیک محبوب ترین خلق خدا آپ لوگ ہیں. اس طرح امام حسن علیہ السلام نے اپنے نرم رویہ اور حلیمانہ اخلاق کے ذریعہ اپنے ایک متعصب ترین دشمن کو جو بنی امیہ کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے آپ سے کینہ و دشمنی رکھتا تھا اپنا دوست اور محبوب بنا لیا۔

خلاصہ:

سماجی اور آپسی روابط اور تعلقات کے سلسلہ میں اولیاء الٰہی نے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں۔

خاص طور سے حلم و بردباری، غصہ پر قابو اور برائی کے بدلے میں دشمنوں پر احسان کر کے انہوں نے اخلاقی اقدار کو مزید بلندیاں عطا کی ہیں۔

بیشک انسانی زندگی میں حلم و بردباری کا بہت ہی اہم کردار ہے۔

سوالات:

۱۔ سماجی زندگی میں حلم و بردباری کے کیا آثار ہیں؟

۲۔ مولائے کائنات علیہ السلام نے حلم کی تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں کیوں تاکید کی ہے؟

۳۔ حلم اور غصہ کو ضبط کرنے کے درمیان کیا ربط ہے؟

۴۔ حلم کے سلسلہ میں تاریخ وسیرت سے چند نمونے پیش کیجئے۔

گیارہواں سبق

عفو اور چشم پوشی

گذشتہ دروس سے ہمیں یہ بخوبی معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی ہمارے ساتھ برا سلوک کرے تو اسلام کی نگاہ میں اس کا بہترین علاج حلم و بردباری اور ضبط وتحمل ہے۔ اب یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ بردباری اور نرم دلی کا لازمہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں انسان معافی تلافی سے کام لے اور مقابل کی غلطی کو معاف کردے لہٰذا اس سبق میں ہم عفو ودرگذشت کی وضاحت کریں گے۔

عفو اور بخشش کو اسلامی اخلاقیات اور سماجیات میں اہم رکن قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے نویں سبق میں بیان کیا ہے کہ ہر معاشرہ میں عموماً مختلف اسباب کی بنا پر بعض لوگوں کے حقوق پامال ہو جاتے ہیں جیسے کسی کا مذاق اڑانا، کسی کی توہین کرنا وغیرہ۔ اور یہ بھی بالکل صاف بات ہے کہ اس طرح کے اکثر حقوق بہت معمولی اور عام ہوتے ہیں جیسے کسی کے آرام میں خلل ڈالنا، دوسرے کے نمبر پر آگے بڑھ کر خود کوئی چیز لے لینا وغیرہ اور یہ طے شدہ بات ہے کہ اگر ایسے حالات میں کوئی شخص سو فیصد اپنے تمام حقوق حاصل کرنا چاہے اور ذرہ برابر چشم پوشی اور خندہ پیشانی سے کام نہ لے تو سماج کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی اور ہمیں ہر روز نئے نئے جھگڑوں کا سامنا کرنا پڑے گا جس کی بنا پر سب کی زندگی تلخ ہو کر رہ جائے گی اس لئے اسلام میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ ایسے حالات میں صبر وتحمل سے کام لیکر دوسروں کی خطاؤں سے چشم پوشی کریں اور حتی الامکان ان کو معاف بھی کردیں۔

قرآن مجید میں رب کریم نے متعدد آیات میں مومنین کرام کو ایک دوسرے کی خطاؤں

سے درگذر کرنے اور انہیں معاف کرنے کی خاص تاکید کی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأمُرْ بِالْعُرْفِ وَ أعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ ''آپ عفو کا راستہ اختیار کریں نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی کریں۔''(۱)

ایک دوسرے کو معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ طریقہ کار اتنا عام ہو جائے کہ ہر شخص عفوودرگذشت کو اپنی خاص عادت بنالے اور اس پر اسے اتنا کنٹرول ہو کہ جہاں بھی مناسب ہو وہ عفو سے کام لے، نہ یہ کہ جب دل چاہے معاف کردے اور جب دل نہ چاہے معاف نہ کرے۔

اسی آیت کی تفسیر میں یہ روایت ہے کہ: ''سَألَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جِبْرائِيلَ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ لاأدْرِى حَتّىٰ اَسْئَلَ الْعَالِمَ ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ يَامُحَمَّدُ اِنَّ اللهَ يَأمُرُكَ اَنْ تَعْفُوَعَمَّنْ ظَلَمَكَ وَتُعْطِىَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ'' ''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب جبرئیل سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں ہے لہٰذا میں خداوند عالم سے دریافت کر کے آپ کو بتا سکتا ہوں۔ اس کے بعد وہ آسمان پر گئے اور دوبارہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خداوند عالم نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جو بھی آپ پر ظلم کرے اسے معاف کردیں اور جو آپ کو محروم رکھے اسے عطا فرمائیں اور جو آپ سے رابطہ توڑ لے اس سے رابطہ برقرار رکھیں۔''(۲)

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں عفو اور درگذشت کو متقین کی بہترین صفت قرار دیا گیا ہے: ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ (پرہیزگار اور متقین وہ افراد ہیں) ''جو غصہ کو

---

(۱) سورۂ اعراف: آیت ۱۹۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۴

پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔''(۱)

دیگر آیتوں میں بھی دشمن سے انتقام لینے کے بجائے اسے معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ معاف کرنے والوں کو رحمت الٰہی کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

﴿وَ الْيَعْفُوْا وَ الْيَصْفَحُوْا الا تُحِبُّوْنَ أنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾ ''ہر ایک کو معاف کرنا چاہئے اور درگذر کرنا چاہئے کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ خدا تمہارے گناہوں کو بخش دے اور اللہ بیشک بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔''(۲)

﴿وَ اِنْ تَعْفُوا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾ ''اور اگر انہیں معاف کردو اور ان سے درگذر کرو اور انہیں بخش دو تو اللہ بھی بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔''(۳)

معصومین علیہم السلام کی احادیث میں بھی عفو اور درگذشت کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ ایک دوسرے کی خطاؤں سے درگذر کریں اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

☆ ''اِنَّ اللهَ عَفُوٌّ يُحِبُّ الْعَفْوَ'' ''خدا بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے اور بہت زیادہ معاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''(۴)

☆ ''مَنْ اَقَالَ مُسْلِماً عَثْرَتَهُ أقَالَ اللهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' ''جو شخص کسی مسلمان کی غلطی کو معاف کردے گا تو خداوند عالم بھی روز قیامت اس کی غلطیوں کو معاف کردے گا۔''(۵)

☆ ''عَلَيْكُمْ بِالْعَفْوِ فَاِنَّ الْعَفْوَ لايَزِيْدُ الْعَبْدَ اِلّاَ عِزّاً فَتَعَافَوْا يُعِزُّكُمُ اللهُ'' ''عفو اور بخشش سے کام لو کیونکہ معاف کرنے سے انسان کی عزت ہی بڑھتی ہے لہٰذا لوگوں

---

(۱) سورۂ آل عمران: آیت ۱۳۴

(۲) سورۂ نور: آیت ۲۲

(۳) سورۂ تغابن: آیت ۱۴

(۴) کنز العمال: ج ۳، ص ۳۷۳، حدیث ۷۰۰۵

(۵) کنز العمال: ج ۳، ص ۳۷۶، حدیث ۷۰۱۹

کی غلطیوں کو معاف کرو خدا تمہیں باعزت قرار دے گا۔"(۱)

☆"مَنْ كَثُرَ عَفْوُهُ مُدَّ فِيْ عُمْرِهِ ""جس کے یہاں بخشش اور معافی کی کثرت ہوتی ہے اس کی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔"(۲)

☆"اَلْعَفْوُ تَاجُ الْمَكَارِمِ ""معاف کرنا اچھائیوں کے سر کا تاج ہے۔"(۳)

☆"شَيْئَانِ لَا يُوْزَنُ ثَوَابُهُمَا اَلْعَفْوُ وَ الْعَدْلُ "" دو چیزوں کے ثواب کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہے ایک عفو و درگذشت دوسرے عدل۔"(۴)

☆"شَرُّ النَّاسِ مَنْ لَا يَعْفُوْ عَنِ الزَّلَّةِ وَ لَا يَسْتُرُ الْعَوْرَةَ ""سب سے برا انسان وہ ہے جو کسی کی غلطی کو معاف نہ کرے اور دوسروں کے عیوب اور برائیوں پر پردہ نہ ڈالے۔"(۵)

☆"قِلَّةُ الْعَفْوِ اَقْبَحُ الْعُيُوْبِ وَ التَّسَرُّعُ اِلَى الْاِنْتِقَامِ اَعْظَمُ الذُّنُوْبِ ""عفو و درگذر کی قلت بدترین برائی ہے اور انتقام لینے میں جلد بازی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔"(۶)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس سلسلے میں فرمایا ہے: "اَلنَّدَامَةُ عَلَى الْعَفْوِ اَفْضَلُ وَ اَيْسَرُ مِنَ النَّدَامَةِ عَلَى الْعُقُوْبَةِ"" معاف کرنے کے بعد شرمندہ ہونا انتقام اور بدلہ لیکر نادم ہونے سے بہت بہتر ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اِنَّا اَهْلُ الْبَيْتِ مُرُوَّتُنَا الْعَفْوُ عَمَّنْ ظَلَمَنَا"" ہم اہلبیت کی (شان) یہ ہے کہ جو ہم پر ظلم کرتا ہے اسے معاف کر دیتے ہیں۔" اسی طرح آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: "ثَلَاثٌ مِنْ مَكَارِمِ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ تَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَتَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَتَحْلُمُ اِذَا جَهِلَ عَلَيْكَ"

---

(۱) بحار الانوار: ج ۱۷، باب ۹۳، حدیث ۵
(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۱، حدیث ۴۷
(۳) غرر الحکم: ص ۲۴۵
(۴) غرر الحکم: ص ۴۴۶
(۵) بحار الانوار: ج ۱۷، باب ۹۳، حدیث ۶
(۶) غرر الحکم: ص ۴۶۵

"تین چیزیں اخلاق دنیا اور آخرت کے اعلی ترین اقدار میں سے ہیں۔" (۱) یہ کہ جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو. (۲) جو تم سے رابطہ توڑ لے اس سے تعلق برقرار رکھو. (۳) جو تمہارے ساتھ نادانی کرے اس سے بردباری سے پیش آؤ۔(۱)

عفو و درگذشت کا فرق

عفو اور درگذشت کے بارے میں معصومین علیہم السلام کی بعض روایات سے واقفیت کے بعد اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ اسلامی کتابوں میں لفظ عفو کے علاوہ لفظ "صفح" بھی آیا ہے جیسا کہ آپ نے آغاز درس میں آیات کے ترجمہ میں ملاحظہ فرمایا کہ وہاں ہم نے صفح کا ترجمہ چشم پوشی (بالکل نظر انداز) کرنا کیا ہے اگرچہ یہ دونوں الفاظ معاف کرنے اور چشم پوشی کے معانی میں استعمال ہوتے ہیں لیکن "صفح" کے معنی "عفو" کے معنی سے قدرے مختلف ہیں صفح کا مطلب ہے کسی کی غلطی کو اصلاً نظر انداز کر دینا اور اسے ان دیکھا قرار دینا لہٰذا اگر کسی کی غلطی ثابت ہو جانے کے بعد اسے ہم سزا نہ دیں تو اس کو عفو اور بخشش کہا جاتا ہے لیکن اگر اس کی غلطی کو بالکل نظر انداز کر دیں اور اس پر اصلاً توجہ نہ کریں کہ جیسے اس نے کوئی غلطی ہی نہیں کی کہ اسے سزا دی جاتی تو اس کو صفح کہتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عفو خطا کو معاف کر دینا ہے اور صفح یعنی غلطی کو قابل توجہ اور گرفت کے لائق قرار نہ دینا ہے. جیسا کہ قرآن مجید میں عفو کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلَى اللهِ اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ﴾ "اور ہر برائی کا بدلہ اس کے جیسا ہوتا ہے پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ یقیناً ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ہے"۔(۲)

دوسری آیت میں صفح (چشم پوشی) کے بارے میں یہ ارشاد ہے: ﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَ قُلْ سَلَامٌ﴾

---

(۱) بحار الانوار: ج ۱۷، باب ۹۴، حدیث ۳
(۲) سورۂ شوریٰ: آیت ۴۰

"لہٰذا ان سے درگذر کیجئے اور سلامتی کا پیغام دے دیجئے۔"(۱)

ایک اور مقام پر ان الفاظ میں صفح کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾

"لہٰذا آپ ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگذر کردیں۔"(۲)

سب سے پہلی آیت میں خداوند عالم نے ہر برے کام کی سزا معین کی ہے لیکن پھر معاف کرنے کی تاکید کی ہے لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ عفو اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کوئی برائی یا جرم ثابت ہوجائے لیکن سزا نہ دی جائے لیکن کلمہ صفح والی دونوں آیتوں میں پروردگار عالم، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسالمت آمیز انداز میں چشم پوشی، اور مشرکین کی خطاؤں کو بیان کئے بغیر ان کے ساتھ نیک برتاؤ کا حکم دے رہا ہے امام رضا علیہ السلام نے: ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ "اَلْعَفْوُ مِنْ غَيْرِ عِتَابٍ" "ایسی معافی جس میں کسی قسم کی تنبیہ اور سرزنش نہ کی جائے۔"(۳)

انتقام کی طاقت کے باوجود معاف کردینا

عفو اور بخشش کے بارے میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ عفو اس جگہ قابل قدر ہے جہاں انسان انتقام کی طاقت رکھتا ہو لیکن اگر اپنی کمزوری کی بنا پر انتقام نہ لے سکے بلکہ اسے معاف کردے تو یہ نہ صرف یہ کہ کوئی لائق تعریف نہیں ہے بلکہ ممکن ہے اس کی بنا پر اس کے دل میں کینہ پیدا ہوجائے جس سے غیبت، جھوٹ، تہمت، اور حسد وغیرہ جیسے دوسرے گناہ جنم لے لیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مومنین کو معافی تلافی کا حکم دینے کے باوجود انھیں مظلوموں اور کمزوروں کے حقوق کا دفاع کرنے کا حکم بھی دیا ہے تاکہ کوئی شخص کسی کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی شخص اپنی کمزوری کی بنا پر اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لئے

---

(۱) سورۂ زخرف آیت ۸،۹

(۲) سورۂ حجر آیت ۸۵

(۳) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۵۶

مجبور ہوجائے اور اس کے بدلے اپنے دل میں ظالم کا کینہ بھر لے جس کے نتیجہ میں اسلامی سماج سے خلوص اور صفا و صمیمیت کا خاتمہ ہوجائے۔

اسلامی روایات میں انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے کسی کو معاف کردینے کی بہت اہمیت بیان کی گئی ہے نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "مَنْ عَفَا عِنْدَ قُدْرَةٍ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمَ الْعُسْرَةِ" "انتقام کی طاقت رکھنے کے باوجود جو کسی کی خطا کو معاف کردے خداوند عالم روز قیامت اس کے گناہ معاف کردے گا۔"(۱)

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: "اَوْلَى النَّاسِ بِالْعَفْوِ اَقْدَرُهُمْ بِالْعُقُوبَةِ" "لوگوں میں سب سے زیادہ معاف کرنے کا حقدار وہ ہے جو سب سے زیادہ سزا دینے کی طاقت رکھتا ہو۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے: "اِذَا قَدَرْتَ عَلٰى عَدُوِّكَ فَاجْعَلِ الْعَفْوَ عَنْهُ شُكْراً لِلْقُدْرَةِ عَلَيْهِ" "جب تم اپنے دشمن پر تسلط حاصل کرلو تو اس پر تسلط کے شکرانہ میں اسے معاف کردو۔"(۳)

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: "اَلْعَفْوُ زَكَاةُ الْقُدْرَةِ" "معاف کردینا قدرت کی زکوۃ ہے۔"(۴)

امام حسن علیہ السلام نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے: "اِنَّ اَعْفَى النَّاسِ مَنْ عَفٰى عِنْدَ قُدْرَتِهِ" "سب سے بڑا عفو و درگذر کرنے والا وہ ہے جو انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کردے۔"(۵)

امام صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "اَلْعَفْوُ عِنْدَ الْقُدْرَةِ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْمُتَّقِيْنَ" "انتقام کی طاقت اور قوت ہوتے ہوئے بھی کسی کو معاف کردینا انبیاء اور متقین کی سنت و سیرت ہے۔"(۶)

---

(۱) کنز العمال: ج ۳، ص ۳۷۷

(۲) بحار الانوار: ج ۶۸، ص ۴۲۰

(۳) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۷۶

(۴) غرر الحکم: ص ۳۴۲

(۵) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۴۱

(۶) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۹۳، حدیث ۶۲

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی فتح یعنی "فتح مکہ" میں اسلامی لشکر قدرت و طاقت کی بلندیوں پر پہونچ چکا تھا اور اس کے مقابل مشرکین بالکل ذلیل و خوار اور شکست خوردہ تھے اسی دوران جب اسلامی لشکر مکہ میں داخل ہورہا تھا تو لشکر کے سپہ سالار جناب سعد بن عبادہ کی زبان سے یہ نعرہ بلند ہوا: "اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ اَلْیَوْمُ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ" "آج لڑائی کا دن ہے آج تو عورتوں کو بھی قید کرلیا جائے گا۔" (۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت غصہ آیا اور آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تم جا کر سعد بن عبادہ سے لشکر کا علم لے لو اور انہیں علمبرداری سے معزول کردو۔

پھر آپ نے فرمایا: بَلِ الْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ "نہیں نہیں بلکہ آج رحمت و بخشش کا دن ہے"

عفو کے مواقع

عفو و بخشش کے بارے میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ عفو و بخشش کا موقع و محل کیا ہے؟ اور کب اور کس کو معاف کیا جائے اور کسے معاف نہ کیا جائے لہٰذا ان مواقع کی شناخت بھی بہت اہم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ذاتی معاملات میں معاف کردینا اچھی بات ہے مگر دوسروں کے بارے میں یا سماجی اور خدائی معاملات میں کسی کو معاف کرنا قطعاً درست نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو معاف کرنے میں پورے معاشرے کا ہی فائدہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی نے حقوق خدا کو ضائع کیا ہے اور وہ اپنے حدود سے تجاوز کر گیا ہے تو اس کو صرف اور صرف، نبی خدا، یا ان کا جانشین وہ بھی اذن الٰہی کے ذریعہ معاف کرسکتا ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ عفو و بخشش کا نمونہ تھے مگر جس مقام پر سماجی حقوق ضائع ہورہے ہوں وہاں آپ قطعاً برداشت نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ جناب ام سلمہؓ کی کنیز کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ اس نے ایک دن چوری کرلی تو جن لوگوں کا مال چوری ہوا تھا انھوں نے پیغمبر اسلامؐ سے کہا کہ اس کنیز کو سزا دی جائے۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ: ج۱۷، ص۲۷۲

جب کہ جناب ام سلمہؓ نے اس کی سفارش کرنا چاہی تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو حدود الٰہیہ میں سے ہے اور حدود الٰہیہ میں کسی قسم کی ڈھیل نہیں دی جاسکتی اس کے بعد کنیز کو سزا دینے کا حکم صادر فرمادیا۔

اسی طرح جب حضرت علی علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی کہ آپ کے ایک گورنر نے بیت المال کا غلط استعمال کیا ہے تو آپ نے اسے مندرجہ ذیل سخت جملے فرمادیا۔

فَاتَّقِ اللّٰهَ وَارْدُدْ اِلیٰ هٰؤُلاءِ الْقَوْمِ اَمْوَالَهُمْ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تَفْعَلْ ثُمَّ اَمْکَنَنِی اللّٰهُ مِنْکَ لَاُعْذِرَنَّ اِلَی اللّٰهِ فِیْکَ وَلَاَضْرِبَنَّکَ بِسَیْفِی الَّذِیْ مَاضَرَبْتُ بِهٖ اَحَدًا اِلَّا دَخَلَ النَّارَ . وَوَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ فَعَلَا مِثْلَ الَّذِیْ فَعَلْتَ مَا کَانَتْ لَهُمَا عِنْدِیْ هَوَادَةٌ وَلَاظَفِرَا مِنِّیْ بِاِرَادَةٍ حَتّٰی آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُمَا وَاُزِیْحَ الْبَاطِلَ عَنْ مَظْلَمَتِهِمَا" خداوند عالم سے ڈرو اور ان لوگوں کے اموال انہیں واپس کردو کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور خدا نے تمہارے اوپر مجھے اختیارات دیدئے تو میں تمہیں اپنی اس تلوار سے ماروں گا جس سے میں نے جس کسی کو بھی قتل کیا ہے وہ سیدھا واصل جہنم ہی ہوا ہے اور خدا کی قسم! اگر حسنؑ و حسینؑ بھی تمہاری طرح یہ کام کرتے تو میں ان کی بھی کوئی طرفداری نہ کرتا اور وہ میرے ذریعہ اپنے مقصد تک نہیں پہونچ سکتے تھے یہاں تک کہ میں ان دونوں سے صاحبان حق کا حق واپس لے لیتا اور جو تجاوز اور ظلم کیا ہوتا اسے مٹا دیتا۔ (۱)

لہٰذا عفو و بخشش صرف ذاتی معاملات میں قابل ستائش ہے لیکن خدا یا دوسروں کے حقوق میں ہمیں کسی کو معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومینؑ کی سیرت میں بھی اس سلسلہ میں کسی قسم کی رعایت کا سراغ نہیں ملتا۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عفو و بخشش صرف اسی مقام پر ہوتی ہے جہاں معاف کئے

---

(۱) نہج البلاغہ، ص/۴۱۳، مکتوب/۴۱

بارہواں سبق

انصاف

عدل وانصاف بھی اسلام کے اخلاقی اور سماجی نظام کے ارکان میں اہم رکن کی حیثیت رکھتا ہے معاشرہ اور سماج میں انصاف قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کو بھی ہم عدل و انصاف سمجھتے ہیں اس پر عمل کریں چاہے وہ ہمارے لئے نقصان دہ ہی کیوں نہ ہو۔

معاشرہ اور سماج کو صحیح طریقہ سے چلانے اور سب کے حقوق ادا کرنے کے لئے کچھ ایسے قوانین کی ضرورت ہوتی ہے جن کے مطابق اس نظام کو چلایا جاسکے. اور یہ قوانین ایسے ہونا چاہئے جن میں معاشرے کے مختلف افراد کے درمیان کسی تفاوت اور امتیاز کا خیال نہ رکھا جائے اور ایسا نہ ہو کہ اگر کچھ لوگ بعض قوانین کو اپنے فائدے میں دیکھیں تو ان پر عمل کرتے رہیں اور جس دن انہیں نقصان ہونے لگے تو ان قوانین کو تبدیل کردیں۔

ہر معاشرہ کی اصل مشکل یہی ہے کہ لوگ حق کی بات تو بہت زور وشور سے کرتے ہیں لیکن عمل کرتے وقت خاص طور سے جب کہ وہ ان کے خلاف ہو اس پر عمل کرنے کے بجائے کسی نہ کسی طریقہ سے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے: ''فَالْحَقُّ أَوْسَعُ الأَشْيَاءِ فِي التَّوَاصُفِ وَ أَضْيَقُهَا فِي التَّنَاصُفِ'' ''تعریف وتوصیف کرنا ہو تو حق سے وسیع وعریض کوئی میدان نہیں اور اگر انصاف کرنے کا مرحلہ آجائے اور (اس پر عمل کرنا پڑے) تو پھر حق سے محدود اور

چھوٹی کوئی چیز نہیں ہے۔''(۱)

یعنی لوگ عام طور پر ایسے ہوتے ہیں کہ حق کی بات کرتے وقت تو بہت لمبی لمبی ڈینگیں ماریں گے لیکن جب کسی کا حق ادا کرنے کی باری آتی ہے تو پھر کسی نہ کسی بہانے سے جان بچاتے پھرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مشکل سے ادا کرتے ہیں۔

اسی بنا پر اسلامی کتابوں میں عدل وانصاف کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور معاشرہ میں عدالت کی ترویج کی خاص تاکید کی گئی ہے۔

قرآن مجید کی آیات میں عدل وانصاف کے ایک بہت ہی نازک مرحلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب اکثر لوگوں کو اپنے یا اپنے رشتہ داروں کے بارے میں عدل وانصاف کرنا پڑتا ہے تو ان کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَ اِذَا قُلْتُم فَاعْدِلُوْا وَ لَو كَانَ ذَا قُرْبیٰ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ أوفُوا ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ''اور جب بات کرو تو انصاف کے ساتھ، چاہے اپنے اقرباء کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور عہد خدا کو پورا کرو کہ پروردگار نے تمہیں اس کی وصیت کی ہے کہ شاید تم عبرت حاصل کرسکو۔''(۲)

دوسری آیت میں خداوند عالم یوں ارشاد فرمارہا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَ لَو عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الوَالِدَينِ وَ الأَقْرَبِيْنَ اِنْ يَكُنْ غَنِياً أَو فَقِيراً فَاللّٰهُ أَولٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوْا الهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوُوْا أَو تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْراً﴾

''اے ایمان والو! عدل وانصاف کے ساتھ قیام کرو اور اللہ کے لئے گواہ بنو چاہے اپنی ذات یا اپنے والدین اور اقرباء ہی کے خلاف کیوں نہ ہو جس کے لئے گواہی دینا ہے وہ غنی ہو یا فقیر،

---

(۱) نہج البلاغہ: ص۳۳۲، خطبہ ۲۱۶

(۲) سورۂ انعام: آیت ۱۵۲

اللہ دونوں کے لئے تم سے اولیٰ ہے لہٰذا خبردار خواہشات کا اتباع نہ کرنا تا کہ انصاف کرسکو اور اگر توڑ مروڑ سے کام لیا یا بالکل کنارہ کشی اختیار کرلی تو یاد رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔"(۱)

اس آیت میں خداوند عالم نے عدل وانصاف کی رعایت کرنے کے علاوہ دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے. پہلے یہ کہ عدل وانصاف کرتے وقت ممکن ہے کہ خود تمہارا یا تمہارے عزیزوں کا نقصان ہو جائے لہٰذا ایسے میں اپنے یا اپنے عزیزوں کے ذاتی فائدے کے لئے عدل وانصاف کو اپنے پاؤں تلے نہ روند ڈالنا. دوسرے یہ کہ فیصلہ کرتے وقت ہم سامنے والے کی حیثیت کا خیال کرلیتے ہیں مثلاً کسی فقیر پر رحم کھا کر اسے کوئی چیز دے دیں اور ممکن ہے کہ وہ اس کا حقدار نہ ہو۔ یا مالداروں اور رئیسوں کی دولت کی لالچ میں ان کے حق میں فیصلہ کردیتے ہیں, اور وہ اس کے حقدار نہ ہوں لہٰذا آیت میں اس بات کی طرف خاص ہدایت دی گئی ہے کہ خبردار کسی کی دولت یا غربت کی بنا پر حق کو ناحق قرار نہ دیدینا۔

اسی مضمون کو خداوند عالم نے دوسری آیت میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُم شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا، اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

"ایمان والو! خدا کے لئے قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور خبردار کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ انصاف کو ترک کردو، انصاف کرو کہ

---

(۱) سورۂ نساء: آیت ۱۳۵

یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔"(۱)

اس آیت میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دوسروں کی غلطیوں کی وجہ سے تم حق کے راستہ سے منحرف نہ ہو جانا کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی دوسرے کی برائیوں کی وجہ سے خود بھی انتقام کی خاطر عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے اور ایسے مرحلہ پر عدالت سے کام لینا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے بے شمار احادیث نقل ہوئی ہیں جن میں سے ہم بعض احادیث یہاں ذکر کررہے ہیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "أَعْدَلُ النَّاسِ مَنْ رَضِيَ لِلنَّاسِ مَا يَرْضَىٰ لِنَفْسِهِ وَ كَرِهَ لَهُمْ مَا يَكْرَهُ لِنَفْسِهِ" "سب سے بڑا عادل وہ ہے جو اپنے لئے جو پسند کرے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے اور جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہو اسے دوسروں کے لئے بھی ناپسند رکھے۔"(۲)

اس طرح آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: "مَنْ وَاسَى الْفَقِيرَ وَأَنْصَفَ النَّاسَ مِنْ نَفْسِهِ فَذَلِكَ الْمُؤْمِنُ حَقًّا" "جو شخص غریبوں کی امداد کرے اور اپنے بارے میں لوگوں کے ساتھ انصاف سے کام لے وہ حقیقی مومن ہے۔"(۳)

حضرت علی علیہ السلام نے انصاف کو عزت وسربلندی کا باعث قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "مَنْ يُنْصِفُ النَّاسَ مِنْ نَفْسِهِ لَمْ يَزِدْهُ اللهُ إِلَّا عِزَّةً" "اپنے بارے میں جو

---

(۱) سورۂ مائدہ: آیت ۸

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۱

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۵

لوگوں کے ساتھ انصاف کرے گا خداوند عالم اس کی عزت میں اضافہ فرمائے گا۔"(۱)

سبق کے شروع میں انصاف کی جو تعریف بیان کی گئی تھی اس کے مطابق آپ مندرجہ ذیل روایت میں عدل وانصاف کے مصادیق کو بخوبی پہچان سکتے ہیں. حضرت علی علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کو اپنی وصیت میں تحریر فرمایا ہے۔

"یا بُنَیَّ اجْعَلْ نَفْسَکَ مِیزَاناً فِیمَا بَیْنَکَ وَ بَیْنَ غَیْرِکَ فَاحْبِبْ لِغَیْرِکَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ وَ اکْرَهْ لَهُ مَا تَکْرَهُ لَهَا وَ لا تَظْلِمْ کَمَا لا تُحِبُّ اَنْ تُظْلَمَ وَ اَحْسِنْ کَمَا تُحِبُّ اَنْ یُحْسَنَ اِلَیْکَ وَ اسْتَقْبِحْ مِنْ نَفْسِکَ ما تَسْتَقْبِحُ مِنْ غَیْرِکَ وَ ارْضَ مِنَ النَّاسِ ما تَرْضَاهُ لَهُمْ مِنْ نَفْسِکَ وَ لا تَقُلْ ما لا تَعْلَمُ وَ قُلْ ما تَعْلَمُ و لا تَقُلْ ما لا تُحِبُّ اَنْ یُقالَ لَکَ"

"بیٹا دیکھو! اپنے اور غیر کے درمیان، میزان اپنے نفس کو قرار دو اور دوسرے کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کر سکتے ہو اور اس کے لئے بھی وہ بات ناپسند کرو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہو. کسی پر ظلم نہ کرنا کہ اپنے اوپر ظلم پسند نہیں کرتے ہو اور ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنا جس طرح چاہتے ہو کہ سب تمہارے ساتھ نیک برتاؤ کریں اور جس چیز کو دوسرے سے برا سمجھتے ہو اسے اپنے لئے بھی برا ہی تصور کرنا لوگوں کی اُس بات سے راضی ہو جانا جس سے (اپنی جس بات سے) لوگوں کو راضی کرنا چاہتے ہو بلا علم کوئی بات زبان سے نہ نکالنا اور وہی کہنا جو جانتے ہو۔ اور کسی کے بارے میں وہ بات نہ کہنا جو اپنے بارے میں پسند نہیں کرتے ہو۔"(۲)

متعدد روایات میں انصاف کو "اِنْصَافُ النَّاسِ مِنَ النَّفْس" سے تعبیر کیا گیا ہے انصاف کے یہ معنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں گذر چکے ہیں اور اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے ایک

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۲۵

(۲) بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۳۵، حدیث ۳۱

مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم اپنے اور کسی دوسرے کے درمیان فیصلہ کرنے بیٹھو تو خود کو اس کی جگہ سمجھو اور اس وقت اپنے کو جس چیز کا حقدار سمجھو دوسروں کو بھی اسی کا حقدار قرار دو اور دوسروں کے لئے جس سزا اور تنبیہ کا انتخاب کرو اپنے لئے بھی اس کو منتخب کرو. ایسا نہ ہو کہ ہر جگہ تم اپنے کو ہی حقدار سمجھتے رہو اور جب کسی غلطی پر تمہاری پکڑ کی جائے تو کسی طرح عذر تراشی اور تاویل کر کے اپنی جان بچالو۔

اس وضاحت سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ امام حسن علیہ السلام کو مولائے کائنات علیہ السلام نے جو وصیت کی ہے وہ درحقیقت "انصاف الناس من النفس" کی تفسیر ہے۔

اسی طرح آپ نے جناب مالک اشتر کے نام اپنے مشہور فرمان میں یہ تحریر فرمایا ہے: "اَنْصِفِ اللّٰهَ وَ اَنْصِفِ النَّاسَ مِنْ نَفْسِکَ وَ مِنْ خاصَّةِ اَهْلِکَ وَ مَنْ لَکَ فِیهِ هَوىً مِنْ رَعِیَّتِکَ فَاِنَّکَ اِلّا تَفْعَلْ تَظْلِمْ وَ مَنْ ظَلَمَ عِبادَ اللّٰهِ کانَ اللّٰهُ خَصْمَهُ دونَ عِبادِهِ وَ مَنْ خاصَمَهُ اللّٰهُ اَدْحَضَ حُجَّتَهُ وَ کانَ لِلّٰهِ حَرْباً حَتّٰی یَنْزِعَ وَ یَتُوبَ."

"اپنی ذات اپنے اہل وعیال اور رعایا میں جن سے تمہیں تعلق خاطر ہے سب کے سلسلہ میں اپنے نفس اور اپنے پروردگار سے انصاف کرنا اگر ایسا نہ کرو گے تو ظالم ہو جاؤ گے اور جو اللہ کے بندوں پر ظلم کرے گا اس کے دشمن بندے نہیں خود پروردگار ہوگا اور جس کا دشمن پروردگار ہو جائے گا اس کی ہر دلیل باطل ہو جائے گی اور وہ پروردگار کا مدمقابل شمار کیا جائے گا جب تک اپنے ظلم سے باز نہ آجائے اور توبہ نہ کر لے۔"(۱)

حضرت علیؑ کے بعض اقوال میں عدل وانصاف کے سماجی اور معاشرتی فوائد بھی بیان ہوئے ہیں:

---

(۱) بحارالانوار: ج ۳۳، باب ۳۰، حدیث ۷۴۴

☆ اَلْاِنْصَافُ یَسْتَدِیْمُ الْمَحَبَّۃَ. "انصاف کی بنا پر محبت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔"(۱)

☆ اَلْاِنْصَافُ یُاَلِّفُ الْقُلُوبَ."انصاف دلوں میں الفت پیدا کر دیتا ہے ۔"(۲)

☆ اَلْاِنْصَافُ یَرْفَعُ الْخِلَافَ وَ یُوْجِبُ الْاِئْتِلَافَ. "عدل وانصاف اختلافات کو ختم کر دیتا ہے اور قرابت ومحبت کو جنم دیتا ہے۔"(۳)

☆ اَلْاِنْصَافُ رَاحَۃٌ . "انصاف سے سکون واطمینان پیدا ہوتا ہے۔"(۴)

☆ بِالنَّصَفَۃِ تَدُومُ الْوُصْلَۃُ. "انصاف سے رابطے ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔"(۵)

☆ اَلْمُنْصِفُ کَثِیْرُ الْاَوْلِیَاءِ وَ الْاَوِدَّاءِ. "منصف کے دوست اور احباب بہت زیادہ ہوتے ہیں۔"(۶)

عدل وانصاف کے متعلق ایک اخلاقی یاددہانی

آیات وروایات کی روشنی میں مذکور مطالب سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اپنے کو تمام حقوق میں دوسروں کے برابر سمجھنے کو انصاف کہا جاتا ہے البتہ اس کے اچھے اثرات اور نتائج اسی وقت برآمد ہو سکتے ہیں کہ جب تمام لوگ ایک ساتھ تمام قوانین اور حقوق کی پابندی کریں اور کوئی اس سے انحراف نہ کرے یعنی ہر ایک خود کو دوسروں کے برابر سمجھے تب بھی حضرت علی علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق معاشرہ میں امن وسکون میل محبت اور اخوت وبرادری کا رواج عام ہوگا. البتہ انسان ہر لحاظ سے اپنے

---

(۱) غرر الحکم: ص ۳۹۴
(۲) غرر الحکم: ص ۳۹۴
(۳) غرر الحکم: ص ۳۹۴
(۴) غرر الحکم: ص ۳۹۴
(۵) غرر الحکم: ص ۳۹۴
(۶) غرر الحکم: ص ۳۹۴

کو دوسروں کے برابر سمجھے یہ بہت مشکل کام ہے کیونکہ ہر شخص کے اندر حب نفس (اپنی ذات کی محبت) پائی جاتی ہے اور اس بنا پر وہ ہر چیز کو صرف اپنے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ خواہش اتنی خطرناک ہے کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا آسان نہیں. جیسا کہ امام صادق علیہ السلام نے اس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:"اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَشَدِّ مَا افْتَرَضَ اللّٰہُ عَلٰی خَلْقِہِ، اِنْصَافُ النَّاسِ مِنْ اَنْفُسِہِمْ"

"خداوند عالم نے اپنے بندوں کے اوپر جو سب سے مشکل عمل فرض کیا ہے وہ اپنے اور لوگوں کے درمیان انصاف کرنا ہے۔"(۱)

ایک روایت میں نقل ہوا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے کچھ شیعوں نے ایک خط لکھ کر آپ سے کچھ مسائل دریافت کئے اور وہ خط عبد الاعلیٰ نامی شخص کے ذریعہ آپ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا اور عبد الاعلیٰ سے یہ بھی کہا کہ حضرتؑ سے مومنین کے حقوق بھی زبانی طور پر دریافت کر لینا۔

عبد الاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ خط پیش کر دیا اور اس کے بعد مومنین کے حقوق کے بارے آپ سے سوال بھی کیا. آپ نے خط کے تمام سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے مگر میرے زبانی سوال کا جواب نہیں دیا۔

چنانچہ جس روز میں مدینہ سے واپس ہو رہا تھا تو امام علیہ السلام سے رخصت ہونے کے لئے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے پھر عرض کی! کہ آپؑ نے میرے سوال کا جواب مرحمت نہیں فرمایا تو آپؑ نے فرمایا: ﴿اَخْشٰی اِنْ قُلْتُ لَمْ تَعْمَلْ فَتَخْرُجُ مِنَ الدِّیْنِ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ اَشَدَّ مَا فَرَضَ اللّٰہُ عَلٰی عَبْدِہٖ ثَلَاثٌ: اِنْصَافُ النَّاسِ مِنْ نَفْسِکَ، فَتَفْعَلُ مَعَ اَخِیْکَ الْمُسْلِمِ مَا

---

(۱) بحار الانوار: ج ۲۷، ص ۲۷

تیرہواں سبق

خندہ پیشانی

لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ اور مسکرا کر ملنا بھی اسلامی اخلاقیات کا جزء ہے پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے نہ صرف یہ کہ اس سلسلہ میں خصوصی ہدایات دی ہیں بلکہ اس کے عملی نمونے بھی پیش کئے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"اِنَّكُمْ لَنْ تَسَعُوْا النَّاسَ بِاَمْوَالِكُمْ فَالْقُوْهُمْ بِطَلَاقَةِ الْوَجْهِ وَ حُسْنِ الْبُشْرِ"

"تم اپنے مال سے لوگوں کے لئے آسانیاں نہیں فراہم کر سکتے ہو لہذا ان سے مسکرا کر اور خندہ پیشانی سے ملاقات کیا کرو۔"(۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس چاہے جتنی دولت ہو اس کے باوجود بھی تم ہر ایک کی تمام مشکلات حل نہیں کر سکتے ہو کہ جس سے وہ تم سے خوش ہو سکیں لہذا ان لوگوں سے اچھے طریقہ سے پیش آؤ تا کہ وہ کم از کم تمہارے اخلاق سے خوش رہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے ایک حدیث میں خندہ پیشانی کو مومنین کی صفت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: "اَلْمُؤْمِنُ بُشْرُهُ فِيْ وَجْهِهِ وَ حُزْنُهُ فِيْ قَلْبِهِ" "مومن کی خوشی اس کے چہرہ سے عیاں رہتی ہے اور اس کا غم اس کے دل میں پوشیدہ رہتا ہے۔"(۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴ باب ۳۸، حدیث ۳۶

(۲) بحار الانوار: ج ۶۷، باب ۱۴، حدیث ۳۷

یعنی دنیا میں ہر شخص کے سامنے اچھے اور برے مراحل آتے ہیں اور مشکلات میں انسان غمزدہ رہتا ہے لیکن مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ تمام تر مشکلات کے باوجود ہشاش بشاش نظر آئے اور کسی کو اس کے چہرہ سے اس کی پریشانیوں اور غموں کا اندازہ نہ ہو سکے۔ ورنہ اگر ہر شخص مشکلات پڑتے ہی بالکل نڈھال اور پژمردہ ہو جائے تو پورے سماج پر ایک افسردگی سی چھائی رہے گی۔ اور سب کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ اسی لئے مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مومن کے چہرہ پر ہمیشہ مسکراہٹ اور رونق ہونا چاہئے اور اگر خدانخواستہ کبھی کسی مشکل یا غم سے دوچار ہو جائے تو اسے چھپا کر رکھے اور آسانی سے کسی دوسرے کے اوپر ظاہر نہ ہونے دے۔

کشادہ روئی کے فائدے

خوش روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ لوگوں سے ملنے کے فائدے کے سلسلے میں متعدد احادیث موجود ہیں جن میں سے ہم صرف بعض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

☆"حُسْنُ الْبُشْرِ يُذْهِبُ بِالسَّخِيْمَةِ" "کشادہ روئی سے کینہ دور ہوتا ہے۔"(۱)

☆"اَلْبَشَاشَةُ حِبَالَةُ الْمَوَدَّةِ" "کشادہ روئی محبت کا ہار ہے۔"(۲)

☆"اَلْبَشَاشَةُ اَحَدُ الْقَرَابَتَيْنِ" "کشادہ روئی دو قربتوں میں سے ایک ہے۔"(۳)

☆"اَلْقِهِمْ بِالْبُشْرِ تُمِتْ اَضْغَانَهُمْ" "لوگوں سے ہشاش بشاش طریقے سے ملو گے تو ان کے دلوں سے کینے نکل جائیں گے۔"(۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۰، حدیث ۴۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۱۲

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹ حدیث ۹

(۴) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹ حدیث ۲۱

☆ ''اِذَا لَقِیْتُمْ اِخْوَانَکُمْ فَتَصَافَحُوْا وَاَظْهِرُوْا لَهُمُ الْبَشَاشَةَ وَ الْبُشْرَ تَتَفَرَّقُوْا وَ مَا عَلَیْکُمْ مِنَ الْأَوْزَارِ قَدْ ذَهَبَ'' ''جب تم کسی سے ملاقات کروتو خندہ پیشانی کے ساتھ اس سے مصافحہ کرواور خوشی کا اظہار کروتو جدا ہوتے وقت تمہارے اوپر کوئی بوجھ نہ رہ جائیگا۔''(۱)

☆ ''اِنَّ اَحْسَنَ مَا یُأَلِّفُ بِهِ النَّاسُ قُلُوْبَ اَوِدَّائِهِمْ وَ یَنْفُوْا بِهِ الضَّغَنَ عَنْ قُلُوْبِ اَعْدَائِهِمْ حُسْنُ الْبُشْرِ عِنْدَ لِقَائِهِمْ وَ التَّفَقُّدُ فِیْ غَیْبَتِهِمْ وَ الْبَشَاشَةُ بِهِمْ عِنْدَ حُضُوْرِهِمْ'' ''جن چیزوں سے اعزاء واقرباء کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اوران کے آپسی کینے ختم ہوجاتے ہیں ان میں سب سے بہترین چیز یہ ہے کہ جب ان سے ملے تو خندہ پیشانی کے ساتھ اور اگر وہ موجود نہ ہوں توان کی خیریت دریافت کرتا رہے اور اگر موجود ہوں تو ہنس مکھ انداز میں ان کے ساتھ پیش آئے۔''(۲)

☆ ''بِشْرُکَ یَدُلُّ عَلٰی کَرَمِ نَفْسِکَ'' ''تمہاری کشادہ روئی تمہاری شرافت اور بلندی نفس کی دلیل ہے۔''(۳)

امام محمد باقر علیہ السلام نے کشادہ روئی کولوگوں کے درمیان الفت ومحبت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ''اَلْبُشْرُ الْحَسَنُ وَ طَلَاقَةُ الْوَجْهِ مَکْسَبَةٌ لِلْمَحَبَّةِ وَ قُرْبَةٌ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ عُبُوْسُ الْوَجْهِ وَ سُوْءُ الْبُشْرِ مَکْسَبَةٌ لِلْمَقْتِ وَ بُعْدٌ مِنَ اللّٰهِ''

---

(۱) بحارالانوار: ج۷۵، باب ۵۹، حدیث ۱۹

(۲) بحارالانوار: ج۷، باب ۸، حدیث ۸۳

(۳) غررالحکم: ص ۴۳۴

''کشادہ روئی اور پر رونق چہروں سے آپسی محبت اور قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے اور ترش روئی سے دشمنی پیدا ہوتی ہے اور خداوند عالم سے دوری بڑھتی ہے۔''(۱)

مذکورہ احادیث میں مومنین سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنے کے کچھ دنیاوی وسماجی اثرات اور فوائد کی طرف اشارہ موجود ہے مگر ایک اور حدیث میں اس کے اخروی فائدے بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''ثَلَاثٌ مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ: اَلْاِنْفَاقُ مِنْ اِقْتَارٍ وَ الْبُشْرُ لِجَمِیْعِ الْعَالَمِ وَ الْاِنْصَافُ مِنْ نَفْسِهِ'' ''تین چیزوں میں سے اگر کسی ایک چیز پر بھی خدا کے لئے عمل کرلے تو پروردگار اس کے لئے جنت واجب کر دیتا ہے۔ ۱۔غربت اور تنگ دستی میں خیرات کرنا۔ ۲۔دنیا کے ہر شخص سے کشادہ روئی کے ساتھ ملنا۔ ۳۔اپنے بارے میں ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنا۔''(۲)

ہنسی، مذاق

جب کبھی کشادہ روئی اور خندہ پیشانی کی بات سامنے آتی ہے تو فوراً ہنسی اور مذاق کا تصور بھی پیدا ہوجاتا ہے لہٰذا یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اسلام نے کشادہ روئی کے ساتھ ہنسی اور مذاق کو بھی جائز قرار دیا ہے یا نہیں؟

اس سوال کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دو قسم کی روایات ہیں کچھ روایات میں مذاق کو جائز ہی نہیں بلکہ مومنین کی علامت قرار دیا گیا ہے جب کہ دوسری روایات میں اس کو بالکل

---

(۱) بحارالانوار: ج۷۵، باب ۸، حدیث ۸۳

(۲) بحارالانوار: ج۷۴، باب ۱۰، حدیث ۲۸

ممنوع قرار دیا گیا ہے ہم دونوں طرح کی روایات ذکر کر کے آخر میں اس کا نتیجہ بھی ذکر کریں گے تا کہ مقصود اچھی طرح واضح ہو جائے۔

الف: وہ روایات جن میں مزاح کو ممدوح قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اَلْمُؤْمِنُ دَعِبٌ وَ لَعِبٌ وَ الْمُنَافِقُ قَطِبٌ وَ غَضِبٌ'' ''مومن شوخ طبع اور شوخ مزاج ہوتا ہے اور منافق بدمزاج اور غصہ ور ہوتا ہے۔''(۱)

۲۔ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِنِّی لَاَمْزَحُ وَ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقّاً'' ''میں ہنسی مذاق ضرور کرتا ہوں مگر حق بات کے علاوہ کچھ نہیں کہتا۔''(۲)

۳۔ امام محمد باقر علیہ السلام: ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُدَاعِبَ فِی الْجَمَاعَةِ بِلا رَفَثٍ'' ''چند افراد کے درمیان ہنسی مذاق کرنے والے انسان سے خدا محبت رکھتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی غلط چیز نہ ہو۔''(۳)

۴۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے مومنین کی تفریح کے تین طریقے ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک مفاکهة الاخوان. یعنی دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا بھی ہے۔

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَفِیْهِ دُعَابَةٌ قُلْتُ وَ مَا الدُّعَابَةُ؟ قَالَ علیہ السلام اَلْمِزَاحُ'' ''ہر مومن کے اندر دعابہ ضرور پایا جاتا ہے سوال کیا گیا کہ یہ دعابہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: مزاح۔''(۴)

۶۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی جناب یونس شیبانی کہتے ہیں:

(۱) بحارالانوار: ج۷۷، باب۷، حدیث۱

(۲) بحارالانوار: ج۱۶، باب۱۰، حدیث۲

(۳) بحارالانوار: ج۱۷، باب۸۰، حدیث۱۸

(۴) بحارالانوار: ج۷۶، باب۱۰۶، حدیث۱۳

''قَالَ لِیْ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ علیہ السلام ''کَیْفَ مُدَاعَبَةُ بَعْضِکُمْ بَعْضاً؟ قُلْتُ: قَلِیْلٌ. قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوْا فَاِنَّ الْمُدَاعَبَةَ مِنْ حُسْنِ الْخُلْقِ وَ اِنَّکَ لَتُدْخِلُ بِهَا السُّرُوْرَ عَلٰی اَخِیْکَ وَلَقَدْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُدَاعِبُ الرَّجُلَ یُرِیْدُ اَنْ یَسُرَّهُ''

''یونس شیبانی کہتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا! کہ تمہارے درمیان آپس میں ہنسی مذاق کا رشتہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کی! بہت کم تو آپ نے فرمایا! کم کیوں ہے ہنسی مذاق تو اچھے اخلاق کا حصہ ہے اس سے تم اپنے مومن بھائیوں کو خوش وخرم کر سکتے ہو جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ بھی جب کسی کو خوش کرنا چاہتے تھے تو اس کے ساتھ مزاح فرماتے تھے۔''(۱)

ب: وہ روایات جن میں ہنسی، مذاق کی مذمت کی گئی ہے۔

۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: ''یَا عَلِیُّ لَا تَمْزَحْ فَیَذْهَبُ بَهَاؤُکَ وَ لَا تَکْذِبْ فَیَذْهَبُ نُوْرُکَ'' ''اے علی: ہرگز مذاق نہ کرنا کہ اس سے تمہاری قدر وقیمت ختم ہو جائے گی اور غلط بیانی سے کام نہ لینا کہ اس سے تمہارے ایمان کا نور ختم ہو جائے گا۔''(۲)

اسی سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

☆۔ ''لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ صَرِیْحَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یَدَعَ الْمِزَاحَ وَ الْکِذْبَ وَ یَدَعَ الْمِرَاءَ وَ اِنْ کَانَ مُحِقّاً''

'' کوئی بندہ اس وقت تک ایمان واقعی تک نہیں پہونچ سکتا جب تک کہ وہ مذاق اور جھوٹ

(۱) بحارالانوار: ج۱۶، باب۱۰، حدیث۲

(۲) بحارالانوار: ج۷۷، باب۳، حدیث۱۰

اورلڑائی جھگڑا ترک نہ کردے چاہے وہ برحق ہی کیوں نہ ہو۔"

☆"اَلْمِزَاحُ تُوْرِثُ الضَّغَائِنَ""مذاق سے کینے پیدا ہوتے ہیں۔"(۱)

☆"لِكُلِّ شَیْءٍ بَذْرٌ وَ بَذْرُ الْعَدَاوَةِ الْمِزَاحُ""ہر چیز کا ایک بیج ہوتا ہے اور عداوت ودشمنی کا بیج مذاق ہے۔"(۲)

☆"آفَةُ الْهَيْبَةِ الْمِزَاحُ""رعب وہیبت کے لئے مذاق ایک آفت ہے۔"(۳)

☆"مَنْ مَزَحَ اُسْتُخِفَّ بِهِ""جومذاق کرتا ہے اس کا وقار کم ہوجاتا ہے۔"(۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:"لَاتُمَازِحْ فَيُجْتَرَأُ عَلَيْكَ""مذاق نہ کرو ورنہ تمہارے بارے میں لوگ جری ہوجائیں گے۔"(۵)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:"اِيَّاكُمْ وَ الْمِزَاحَ فَاِنَّهُ يَذْهَبُ بِمَاءِ الْوَجْهِ وَ مَهَابَةِ الرِّجَالِ""مذاق سے بچو! کیونکہ اس سے چہرے کی رونق اور ہیبت ختم ہوجاتی ہے۔"(۶)

امام جعفر صادق علیہ السلام: "اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَ اِيَّاكَ وَالْمِزَاحَ فَاِنَّهُ يَذْهَبُ بِالْبَهَاءِ""تم سے میری یہ وصیت ہے کہ خدا سے ڈرتے رہنا اور مذاق سے مکمل پرہیز کرنا کیونکہ اس سے تمہاری آبرو اور ہیبت ختم ہوجائے گی۔"(۷)

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۷، باب ۳، حدیث ۱۰

(۲) غررالحکم: ص ۴۳۶

(۳) غررالحکم: ص ۲۲۲

(۴) بحارالانوار: ج ۷۷، ص ۲۳۷

(۵) بحارالانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۶، حدیث ۱۰

(۶) وسائل الشیعہ: ج ۱۲، ص ۱۱۸

(۷) بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۶۰

مذکورہ روایات سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اسلام میں ہر طرح کے مذاق کی کھلی چھوٹ نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ خاص حدود اور شرائط ہیں یعنی جب مذاق سے کسی کی اہانت ہورہی ہو یا اس میں حدود شرافت سے گری ہوئی باتیں ہوں تو اس سے یقیناً ہر شخص کی قدر و قیمت خود بخود ختم ہوجائے گی البتہ دوسری جانب مومنین کو خوشحال کرنے کے لئے اور ان کی محفلوں کو تر و تازہ رکھنے کی خاطر مناسب حد تک مذاق کی ہدایت دی گئی ہے بشرطیکہ وہ حق کے حدود سے باہر نہ ہو اور سبک اور ہلکے الفاظ اور رکیک حرکتوں سے پرہیز کیا جائے اور مذاق کی مقدار میں بھی افراط (زیادتی) نہ ہو کہ ایک مومن اخلاقی اقدار کو چھوڑ کر صرف مذاق میں پڑا رہے اور اس کی زندگی سنجیدگی کے بجائے صرف کھیل تماشہ بن کر رہ جائے۔ جیسا کہ بعض روایات میں مذاق کی مذمت تو نہیں کی گئی ہے البتہ حد سے زیادہ مذاق کرنے کی مذمت کی گئی ہے اور اسے غیر اخلاقی فعل قرار دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:"كَثْرَةُ الْمِزَاحِ تَذْهَبُ بِمَاءِ الْوَجْهِ""زیادہ ہنسی مذاق سے چہرہ کی شادابی ختم ہوجاتی ہے۔"(۱)

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: "كَثْرَةُ الْمِزَاحِ تُسْقِطُ الْهَيْبَةَ""مذاق کی زیادتی سے ہیبت ختم ہوجاتی ہے۔"(۲)

☆"كَثْرَةُ الْمِزَاحِ تُذْهِبُ الْبَهَاءَ وَ تُوجِبُ الشَّحْنَاءَ""مذاق کی زیادتی سے انسان کا وقار ختم ہوجاتا ہے اور دشمنی پیدا ہوجاتی ہے۔"(۳)

☆"مَنْ كَثُرَ مِزَاحُهُ قَلَّ وَقَارُهُ""جس کے اندر مذاق کی زیادتی ہوگی اس کا وقار بھی کم ہوجائے گا۔"(۴)

---

(۱) اصول کافی: ج ۲، ص ۶۶۵

(۲) غررالحکم: ج ۴، ص ۵۹۱

(۳) غررالحکم: ج ۴، ص ۵۹۷

(۴) غررالحکم: ج ۵، ص ۲۹۳

لہٰذا ہنسی مذاق، ہنسنا اور ہنسانا تب تک جائز ہے جب تک اس میں افراط یا تفریط نہ ہو اور مذاق کرنے والا تقوی و پرہیز گاری اور شرافت کے دائرہ سے خارج نہ ہو جائے مثلاً کسی مومن کی توہین نہ کی جائے اور اگر واقعاً مذاق سنجیدگی اور شرافت کے دائرے میں ہو تو اس سے مومنین کے درمیان محبت میں اضافہ ہوتا ہے. ان میں اور زیادہ قرابت پیدا ہوتی ہے اور اسلامی سماج اور معاشرہ سدا بہار شاد و خنداں رہتا ہے۔

معصومین علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں مذاق کس حد تک پایا جاتا تھا؟ جیسا کہ سبق کے شروع میں ہم نے رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں مزاح سے کام لیتا ہوں مگر حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتا ہوں. لہٰذا نمونے کے طور پر آنحضرت ﷺ کے کچھ لطیف اور سنجیدہ مذاق کے نمونے بھی ملاحظہ فرمایئے۔

ایک دن ایک بوڑھیا پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ کوئی بوڑھیا جنت میں نہیں جائے گی. یہ سن کر اس نے رونا شروع کر دیا تو آپ مسکرائے اور اس سے فرمایا: جنت میں جاتے وقت تم بوڑھیا نہ رہ جاؤ گی. اور اس کے بعد آیۂ کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا﴾ "بیشک ان حوروں کو ہم نے ایجاد کیا ہے تو انہیں نت نئی بنایا۔"(۱)

اسی طرح یہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک دن ایک خاتون جن کا نام، ام ایمن تھا آپ کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ میرے شوہر کو آپ سے کچھ کام ہے آپ نے فرمایا کہ تمہارا شوہر وہی تو ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؟ (وہ سمجھی کہ آپ نے اس سفیدی سے موتیا بند کی بیماری مراد لی ہے) تو اس نے جواب دیا کہ نہیں! خدانخواستہ اس کی آنکھ میں تو کوئی سفیدی نہیں ہے.

---

(۱) سورۂ واقعہ: آیت ۳۵/۳۶

آنحضرت ﷺ نے دوبارہ فرمایا: لیکن اس کی آنکھ میں تو سفیدی ہے! اس نے پھر کہا خدا کی قسم نہیں! تو آپ نے فرمایا کہ: دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ جس کی آنکھ میں وہ سفیدی نہ ہو جو آنکھ کی پتلی کے چاروں طرف پائی جاتی ہے۔

یہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک صحرا نشین بدو (دیہاتی) عرب کبھی کبھی پیغمبر ﷺ کی خدمت میں کوئی ہدیہ لیکر آتا تھا لیکن اسی جگہ اس کے بدلے آپ سے کچھ نہ کچھ ضرور طلب کر لیتا تھا جس سے آپ کو ہنسی آجاتی تھی، لہٰذا جب کبھی آپ محزون اور غمزدہ ہوتے تھے تو فرماتے تھے کہ کاش آج وہ عرب ہمارے پاس آجاتا۔

ایک اور واقعہ یوں نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرم ﷺ سے کہا کہ مجھے اونٹ پر سوار کرا دیجئے. تو آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا تو اس نے کہا کہ اونٹ کا بچہ تو میرا وزن سنبھال بھی نہیں سکتا تو حضرت نے فرمایا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹ کا ہی بچہ ہوتا ہے اس قسم کے متعدد لطائف اور مزاح معصومین علیہم السلام کی سیرت میں نقل ہوئے ہیں جنھیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کی زندگی میں مذاق بہت محدود پیمانے پر نظر آتا ہے اور اس میں مذاق کے تمام حدود کی رعایت موجود ہے اور دوسرے یہ کہ اس میں کسی قسم کی جھوٹی اور بیہودہ بات کہیں دور دور تک نظر نہیں آتی۔

اور یہی چیزیں ہمارے سامنے ایک صاف ستھرا معیار ہیں جن کے اوپر ہم بھی اپنے مذاق اور لطائف کو پرکھ سکتے ہیں۔

خلاصہ:

خندہ پیشانی بھی اسلام کے اخلاقی اقدار کا اہم جزء ہے۔

اس سے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور میل محبت کا پتہ چلتا ہے'ان کے دلوں کے کینے دور ہوتے ہیں اور آپسی الفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہنسی مذاق کرنا بھی خوشروئی کا ہی ایک حصہ ہے. لیکن یہ اس وقت تک درست ہے جب تک اس میں افراط نہ ہو اور انسان شرافت کے دائرے سے خارج نہ ہو۔

سوالات:

۱۔معصومین علیہم السلام کی نگاہ میں معاشرہ پر کشادہ روئی کے کیا اثرات ہوتے ہیں؟

۲۔ہنسی، مذاق کس صورت میں جائز ہے؟

۳۔حضرت علی علیہ السلام نے خوش روئی کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

۴۔خوشروئی کے اخروی نتائج کے بارے میں ایک حدیث بیان فرمایئے؟

چودہواں سبق

تعاون

دوسرے سبق میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مومنین کو آپس میں سگے بھائیوں کی طرح رہنا چاہئے. ایک دوسرے کی مشکلات میں سب کا ہاتھ بٹانا چاہئے کیونکہ جب مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں تو پھر وہ ایک خاندان کی طرح ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی مشکل پورے خاندان کی مشکل اور کسی ایک کا غم سب کا غم ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک دوسروں کی مشکلات میں خود کو شریک سمجھے اور اس کی یہ خواہش اور تمنا کہ جس طرح راحت وآرام اور خوشیوں میں سب اس کے شریک حال رہے ہیں مشکل اور پریشانی کے اوقات میں بھی وہ ان کی مدد کریں، ایک دوسرے کی مدد کرنا مومنین کی ذمہ داری ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ بِمَنْزِلَةِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ اِذَا اشْتَکیٰ مِنْهُ عُضْوٌ وَاحِدٌ تَدَاعیٰ لَهُ سَایِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمّیٰ وَالسَّهَرِ" "تمام مومنین آپسی میل محبت میں ایک بدن کی طرح ہیں کہ جب جسم کے کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے اعضاء بھی اس کی تکلیف میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔"(۱)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۲۳۴

مومنین کے درمیان اتحاد و برادری کے لئے یقیناً اس سے بہتر کوئی تعبیر اور تشبیہ بیان نہیں کی جاسکتی ہے. لہٰذا اگر تمام مومنین برادران ایمانی کو بھی اپنے بدن کا ایک حصہ یا اپنے خاندان کا ایک فرد تصور کرنے لگیں تو پھر دوسرے بھی اس کو مشکلات میں تنہا نہیں چھوڑیں گے اور مشکل مرحلہ پر اس کے کام آئیں گے اور یہی نہیں بلکہ اپنی ضرورت بیان کرنے سے پہلے ہی وہ خود ہی اس کی مدد کے لئے پہونچ جائیں گے اور اپنی طاقت بھر یہ کوشش کریں گے کہ اس کو کسی طرح اس مصیبت میں مبتلا نہ ہونے دیں۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہر انسان کی زندگی میں مختلف ضرورتیں سامنے آتی ہیں اور وہ ایسے حالات میں دوسروں سے مدد کی توقع رکھتا ہے لہٰذا کوئی باضمیر اور غیرت دار انسان یہ گوارہ نہیں کرے گا کہ اپنی مشکلات میں تو وہ دوسروں کی مدد حاصل کرے لیکن جب دوسروں کو ضرورت درپیش ہو تو وہ ان کی مدد کو نہ پہونچے یا ان کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھے. مومنین کے درمیان میل محبت اور بھائی چارہ کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب دونوں کا سلوک ایک ہی جیسا ہو جس کو قرآن مجید نے تعاون کا نام دیا ہے۔

﴿وَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوَىٰ﴾ ''نیکیوں اور تقوی پر ایک دوسرے کا تعاون (امداد) کرو۔''(۱)

تعاون کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہر ایک کے اندر دوسرے کی مدد کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہو لہٰذا جس سماج اور معاشرے میں تعاون اور مدد کا جذبہ نہ ہو اور دوسروں کے لئے دلوں میں کسی قربت اور محبت کا گذر نہ ہو تو پھر انہیں کوئی فکر بھی نہیں رہتی کہ دوسرے لوگوں پر کیا گذر رہی ہے۔

---

(۱) سورۂ مائدہ: آیت ۲

اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''مَنْ اَصْبَحَ وَ لَا يَهْتَمُّ بِاُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَ مَنْ سَمِعَ رَجُلاً يُنَادِي يَالَلْمُسْلِمِيْنَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ''

''سویرا ہونے کے بعد جسے مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ ہو تو وہ ان میں سے نہیں ہے اور اگر کوئی مسلمانوں کو اپنی مدد کے لئے پکار رہا ہو تو اس کی آواز سننے کے بعد اس کی مدد نہ کرنے والا مسلمان نہیں ہے۔''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ''مَا آمَنَ بِاللهِ وَ لَا بِمُحَمَّدٍ وَ لَا بِعَلِيٍّ مَنْ اِذَا اَتَاهُ أَخُوْهُ الْمُؤْمِنُ فِيْ حَاجَةٍ لَمْ يَضْحَكْ فِيْ وَجْهِهِ فَاِنْ كَانَتْ حَاجَتُهُ عِنْدَهُ سَارَعَ اِلَى قَضَائِهَا وَ اِنْ لَمْ تَكُنْ عِنْدَهُ تَكَلَّفَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِهِ حَتّٰى يَقْضِيَهَا لَهُ فَاِذَا كَانَ بِخِلَافِ مَا وَصَفْتُهُ فَلَا وِلَايَةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُ''

''اللہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام پر وہ شخص ایمان نہیں لایا ہے کہ جس کے پاس اس کا کوئی مومن بھائی کسی ضرورت کے تحت آئے اور وہ خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا استقبال نہ کرے اور اگر وہ خود اس کی ضرورت پوری کرسکتا ہو تو فوراً اسے حل کردے اور اگر خود حل نہیں کرسکتا ہے تو پھر زحمت اٹھا کر اسے کسی ایسے شخص کے پاس پہونچادے جو اس کی حاجت پوری کردے اور اگر اس کے اندر یہ صفات نہیں ہیں تو پھر اس سے ہماری کوئی قرابت نہیں ہے۔''(۲)

اگر کوئی آدمی اپنے مومن بھائیوں کی مشکل میں ان کے کام نہ آئے اور اپنے اموال سے ان کی حاجت پوری نہ کرے تو احادیث کے مطابق اس کو یہ خدائی سزا ملتی ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۲۰

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۱۲

اپنا وہی مال خدا کے دشمنوں کے لئے اور غلط راستے میں خرچ کرتا ہے اور اس طرح عذاب آخرت کا مستحق بن جاتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''مَنْ بَخِلَ بِمَعُوْنَةِ أخِيْهِ الْمُسْلِمِ وَ الْقِيَامِ لَهُ فِيْ حَاجَتِهِ ابْتَلىٰ بِمَعُوْنَةِ مَنْ يَأثِمُ عَلَيْهِ وَ لَا يُؤجَرُ'' ''جو شخص اپنے برادر مومن کی امداد کرنے میں بخل کرے اور اس کی ضرورت کے لئے قیام نہ کرے تو وہ ان لوگوں کی مدد میں مبتلا کردیا جائے گا جو اس کے مال سے گناہ کریں گے اور اسے اپنی بخشش کا کوئی اجر بھی نہیں ملے گا۔''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام: ''أيُّمَا رَجُلٍ مِنْ شِيْعَتِنَا أتىٰ رَجُلاً مِنْ إخْوَانِهِ فَاسْتَعَانَ بِهِ فِيْ حَاجَتِهِ فَلَمْ يُعِنْهُ وَ هُوَ يَقْدِرُ إلَّا ابْتَلاهُ اللهُ بِأنْ يَقْضِيَ حَوَائِجَ غَيْرِهِ مِنْ أعْدَائِنَا يُعَذِّبُهُ اللهُ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ''

''ہمارے چاہنے والوں میں اگر کوئی شخص اپنے مومن بھائی کے پاس آکر کوئی مشکل بیان کرے اور اس سے مدد چاہے اور وہ اس کی امداد نہ کرے جب کہ اس پر قدرت رکھتا ہو تو خداوند عالم اسے ہمارے دشمنوں کی مدد میں مبتلا کردے گا اور پھر اللہ اسی وجہ سے روز قیامت اس پر عذاب کرے گا۔''(۲)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''مَنْ قَصَدَ إلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ اخْوَانِهِ مُسْتَجِيْراً بِهِ فِيْ بَعْضِ أحْوَالِهِ فَلَمْ يُجِرْهُ بَعْدَ أنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ فَقَدْ قَطَعَ وِلَايَةَ اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالىٰ'' ''جس کے پاس اس کا کوئی مومن بھائی اپنی کسی ضرورت کے تحت جائے اور وہ طاقت اور امکان رکھنے کے باوجود اس کی ضرورت پوری نہ کرے تو اس نے خداوند عالم سے اپنا

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۸

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۲۱

رابطہ توڑلیا۔''(۱)

اور یہی نہیں بلکہ امام صادق علیہ السلام کی ایک روایت میں مومنین کی امداد میں کوتاہی کو ہی خدا اور رسول سے خیانت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں: ''أيُّمَا مُؤْمِنٍ مَنَعَ مُؤْمِناً شَيْئاً مِمَّا يَحْتَاجُ إلَيْهِ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ مِنْ عِنْدِهِ أوْ مِنْ عِنْدِ غَيْرِهِ أقَامَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُسْوَدّاً وَجْهُهُ مِنْ رِقَّةِ عَيْنَاهُ مَغْلُوْلَةً يَدَاهُ إلىٰ عُنُقِهِ فَيُقَالُ هٰذَا الْخَائِنُ الَّذِيْ خَانَ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ ثُمَّ يُؤْمَرُ بِهِ إلَى النَّارِ'' ''جو مومن اپنے کسی مومن بھائی کی ضرورت پوری کرنے سے منع کردے جب کہ وہ خود یا کسی اور ذریعہ سے اسے حل کرسکتا ہو تو خداوند عالم جب اسے قیامت کے دن محشور کرے گا تو اس کا چہرہ سیاہ، آنکھیں نیلی اور دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے بندھے ہوں گے اور یہ کہا جائے گا کہ یہ وہ خائن ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے پھر اسے جہنم میں لے جانے کا حکم دیدیا جائے گا۔''(۲)

اس حدیث میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ مومنین کی امداد کے موقع پر صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ اگر مشکل کا حل کرنا ہمارے امکان سے باہر ہو تو ہماری ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے ایسا نہیں ہے بلکہ جب تک ہم کسی بھی ذریعہ سے اس کی مشکل حل کراسکتے ہیں ہمارے اوپر کوشش کرنا ضروری ہے ورنہ ہمارا شمار بھی انہیں لوگوں میں ہوگا جو مومنین کی مدد نہیں کرتے ہیں۔

جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مذکورہ حدیث میں فرمایا ہے کہ: ''وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ مِنْ عِنْدِهِ أوْ مِنْ غَيْرِهِ'' ''وہ خود اس کی مشکل حل کرسکتا ہو یا کسی دوسرے سے حل کراسکتا ہو۔''

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۹، حدیث ۲۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷، باب ۸، حدیث ۸۳

مشہور و معروف اسلامی دانشمند واقدی کا بیان ہے کہ میرے دو دوست تھے ان میں سے ایک ہاشمی تھا۔ ہماری دوستی اتنی مستحکم تھی کہ ہم تینوں ایک جان سمجھے جاتے تھے ایک سال اتفاق سے میرے مالی حالات کچھ اچھے نہ تھے اور میں تنگدستی کا شکار ہو گیا اسی دوران عید آ گئی تو میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ ہم تو اس غربت کے اوپر صبر کر سکتے ہیں مگر جب ہمارے بچے پڑوسیوں کے بچوں کو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے دل کو ٹھیس پہونچے گی لہٰذا اگر ممکن ہو تو کہیں سے کچھ انتظام کر لو تا کہ بچے تو عید کے دن خوش رہیں اور ان کے لئے کپڑے بنا لئے جائیں۔

لہٰذا میں نے اپنے ہاشمی بھائی کے نام یہ لکھ کر بھیجا کہ میرے لئے کچھ دینار یا درہم بھیج دو اس نے ایک مہر بند تھیلی میرے پاس بھیج دی اور لکھا کہ اس کے اندر ایک ہزار درہم ہیں ابھی میں نے وہ تھیلی کھولی بھی نہیں تھی کہ میرے تیسرے دوست کا ایک پرچہ مجھے ملا جس میں اس نے مجھ سے مدد چاہی تھی چنانچہ میں نے وہی تھیلی اٹھا کر اس کے پاس بھیج دی اور اس خیال سے کہ بیوی کے سامنے شرمندگی نہ ہو میں مسجد کی طرف چل دیا، راستہ میں مجھے میرا ہاشمی دوست ملا میں نے کیا دیکھا کہ وہی تھیلی اس کے ہاتھ میں موجود ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ جو درہم میں نے تمہیں بھیجے تھے ان کا تم نے کیا کیا؟ میں نے پورا ماجرا بیان کر دیا! اس نے تعجب سے کہا گویا تم نے میرا مال مجھے واپس لوٹا دیا ہے کیونکہ میرے پاس صرف یہی مال تھا جو میں نے تمہارے پاس بھیجا تھا لہٰذا جب میں نے یہ تھیلی تمہارے پاس بھیج دی اور خود مجھے ضرورت پیش آئی تو میں نے خط لکھ کر اپنے دوست سے امداد کا مطالبہ کیا اور چونکہ یہ اس کے امکان سے باہر تھا اس نے تم سے مدد کی درخواست کر لی اور اس طرح میری یہ تھیلی میرے ہی پاس واپس لوٹ آئی، اب جبکہ ہماری یہ صورتحال ہے تو اس کے تین حصے کر لئے جائیں تا کہ تینوں کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

اس قصہ سے ہمیں واقعی دوستی کا پتہ چلتا ہے کہ دوستوں کے درمیان ایثار و قربانی کا کیسا

جذبہ ہونا چاہئے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: "لَایَکُوْنُ الصَّدِیْقُ صَدِیْقاً حَتّٰی یَحْفَظَ اَخَاهُ فِیْ ثَلَاثٍ: فِیْ نَکْبَتِهِ وَ غَیْبَتِهِ وَ وَفَاتِهِ" "کوئی دوست اس وقت تک سچا دوست نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے بارے میں تین باتوں کا خیال نہ رکھے۔

۱۔ اس کی مشکلات اور پریشانیوں میں [اس کی مدد کرے۔

۲۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہل خانہ کا خیال رکھے۔

۳۔ اس کی موت پر تدفین وغیرہ میں شرکت کرے۔" (۱)

قرآن کریم نے مومنین کے آپسی روابط کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

﴿وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ "اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں کتنی ضرورت کیوں نہ ہو۔" (۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِنَّ الرَّجُلَ لَیَسْاَلُنِیْ الْحَاجَةَ فَاُبَادِرُ بِقَضَائِهَا مَخَافَةَ اَنْ یَسْتَغْنِیَ عَنْهَا فَلَا یَجِدَ لَهَا مَوْقِعاً اِذَا جَائَتْهُ"

"اگر کوئی شخص مجھ سے کوئی خواہش کرتا ہے تو میں اس کی اس حاجت اور خواہش کو فوراً پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ اگر اس کی وہ حاجت کسی اور ذریعہ سے پوری ہو گئی تو اس کی مدد کرنے کا یہ موقع میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔" (۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۰، حدیث ۲۸

(۲) سورۂ حشر: آیت ۹

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۲۲

مومنین کرام کی مدد کرنے کے بارے میں معصومین علیہم السلام کی روایات میں بہت حسین تعبیرات موجود ہیں اور اس کے لئے تصورات سے بالاتر ثواب اور اجر بیان کیا گیا ہے نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: "مُوَاسَاةُ الْأَخِ فِيْ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ تَزِيْدُ فِيْ الرِّزْقِ" "خدا کی خوشنودی کے لئے برادر مومن کی مدد کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "تَقَرَّبُوْا اِلَى اللهِ تَعَالَى بِمُوَاسَاةِ اِخْوَانِكُمْ" "اپنے بھائیوں کی مدد کر کے قربت خدا حاصل کرو۔"(۲)

اسی طرح آپ کا یہ ارشاد ہے:

"مَنْ قَضَى لِاَخِيْهِ الْمُؤْمِنِ حَاجَةً قَضَى اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِائَةَ اَلْفِ حَاجَةٍ مِنْ ذٰلِكَ اَوَّلُهَا الْجَنَّةُ وَ مِنْ ذٰلِكَ اَنْ يُدْخِلَ قَرَابَتَهُ وَ مَعَارِفَهُ وَ اِخْوَانَهُ الْجَنَّةَ بَعْدَ اَنْ لَا يَكُوْنُوْا نُصَّاباً"

"جو شخص کسی برادر مومن کی کوئی ایک حاجت پوری کرے گا تو خداوند عالم روز قیامت اس کی ایک لاکھ حاجتیں پوری کرے گا جن میں سب سے پہلی حاجت جنت ہے اور یہ کہ اس کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا بشرطیکہ وہ ناصبی نہ ہوں۔"(۳)

آپ کا یہ ارشاد بھی ہے:

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۲۲

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۸، حدیث ۵

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۹۰

"مَا قَضَى مُسْلِمٌ لِمُسْلِمٍ حَاجَةً اِلَّا نَادَاهُ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى عَلَيَّ ثَوَابُكَ وَ لَا اَرْضَى لَكَ بِدُوْنِ الْجَنَّةِ"

"کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی کوئی ضرورت پوری نہیں کرتا مگر یہ کہ خداوند عالم اس کو یہ آواز دیتا ہے کہ تیرا ثواب میرے ذمہ ہے. اور میں تیرے لئے جنت سے کمتر پر راضی نہ ہوں گا۔"(۱)

آپ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے:

"وَاللهِ لَقَضَاءُ حَاجَةِ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَ اِعْتِكَافِهِ" "خدا کی قسم مومن کی حاجت پوری کرنا ایک مہینہ کے روزوں اور اعتکاف سے بہتر ہے۔"(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی کہتے ہیں کہ ایک سال میں حج کرنے گیا تھا حج سے واپسی پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہونچا آپ نے فرمایا: کہاں تھے؟ عرض کی مولا حج کرنے گیا تھا! فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایک حاجی کو کتنا ثواب ملتا ہے؟ عرض کی! جب تک آپ نہ فرمائیں مجھے کیا معلوم؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ حج بیت اللہ کے لئے جائے اور خانہ کعبہ کا طواف کرے اور نماز طواف پڑھے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے تو خداوند عالم اس کے لئے چھ ہزار حسنات لکھتا ہے اور اس کے چھ ہزار گناہ معاف کر دیتا ہے نیز اس کو چھ ہزار درجہ بلندی عنایت فرماتا ہے اور اسی طرح اس کی چھ ہزار دنیاوی حاجات پوری کرتا ہے اور مزید چھ ہزار حاجتیں آخرت کے لئے محفوظ کر دیتا ہے۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۸

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۶

میں نے عرض کیا یہ تو بہت عظیم ثواب ہے! تو آپ نے فرمایا کہ: کیا اس سے بڑا ثواب بھی جاننا چاہتے ہو؟

میں نے کہا کیوں نہیں! تو آپؑ اس طرح گویا ہوئے۔

"لَقَضَاءُ حَاجَةِ امْرِیءٍ مُؤْمِنٍ اَفْضَلُ مِنْ حَجَّةٍ وَ حَجَّةٍ وَ حَجَّةٍ حَتَّی عَدَّ عَشْرَ حِجَجٍ" (۱)

''مومن کی ایک حاجت پوری کرنا بہتر ہے حج سے، حج سے، حج سے، یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے دس بار اسی کو دہرایا۔ یعنی دس حج کرنے سے بہتر ہے۔''

مومنین کی حاجت روائی کے سلسلہ میں آپ معصومین علیہم السلام کی احادیث ملاحظہ فرما چکے ہیں انشاء اللہ آئندہ درس میں اس کے دوسرے جزئیات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۲ حدیث ۴

خلاصہ:

تمام انسان بالکل ایک جسم اور بدن کی طرح ہیں۔

مومنین کی مشکلات کو حل کرنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے اور اس کا بے حساب ثواب ہے۔

اور اگر کوئی شخص کسی مرد مومن کی مدد نہ کرے تو اس کا عذاب بہت سخت ہے۔

سوالات:

۱۔ جس شخص کو مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ ہو اسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں مسلمان قرار نہیں دیتے؟

۲۔ قرآن کریم مومنین کے آپسی روابط کے بارے میں کیا ارشاد فرماتا ہے؟

۳۔ مومن کی حاجت روائی اور مدد کرنے کے کیا فوائد ہیں، احادیث کی روشنی میں چند نمونے بیان کیجئے؟

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مومن کی حاجت روائی کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

پندرہواں سبق

مومنین کے درمیان صلح وصفائی

گذشتہ سبق میں ہم نے مومنین کی امداد، ان کے مشکلات کو برطرف کرنے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے سلسلہ میں معصومین علیہم السلام کے ارشادات بیان کئے ہیں کیونکہ مومنین کی مدد اوران کے کام آنا اسلامی اعتبار سے مومن کے دل کوخوش کرنے کا ذریعہ ہے لہٰذا ہر مومن کو کسی نہ کسی طرح اپنے برادر مومن کی خوشیوں کا لحاظ کرتے رہنا چاہئے. اس درس میں بھی ''ہم مومن کو خوش کرنے'' کے مزید طریقے بتائے جارہے ہیں اس بارے میں چند احادیث ملاحظہ فرمایئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا: ''اَیُّ الأَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللهِ'''' خداوندعالم کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا: ''اِتِّبَاعُ سُرُوْرِ الْمُؤمِنِ'' ''مومن کو خوش کرنے کی فکر میں رہنا۔''

پھر سوال کیا گیا! کہ مسلمان کو کس طرح خوش کیا جائے؟ فرمایا: ''شَبْعَةُ جُوْعِهِ وَ تَنْفِیْسُ کَرْبِهِ وَ قَضَاءُ دَیْنِهِ'' ''بھوکا ہو تو شکم سیر کر کے نیز اسکے غموں کو دور کر کے اور اس کے قرض کی

ادائیگی کے ذریعہ۔''(۱)

حضرت علی علیہ السلام نے جناب کمیل '' سے فرمایا: ''یَا کُمَیْلُ مُرْ اَهْلَکَ اَنْ یَرُوْحُوْا فِیْ کَسْبِ الْمَکَارِمِ وَ یُدَاجُوْا فِیْ حَاجَةِ مَنْ هُوَ نَائِمٌ فَوَالَّذِیْ وَسِعَ سَمْعُهُ الأَصْوَاتَ مَامِنْ اَحَدٍ اَوْدَعَ قَلْباً سُرُوْراً اِلَّا وَ خَلَقَ اللهُ لَهُ مِنْ ذٰلِکَ السُّرُوْرِ لُطْفاً فَاِذَا نَزَلَتْ بِهِ نَائِبَةٌ جَرَیٰ اِلَیْهَا کَالْمَاءِ فِیْ اِنْحِدَارِهِ حَتّٰی یَطْرُدَهَا عَنْهُ کَمَا تُطْرَدُ غَرِیْبَةُ الْاِبِلِ''

''اے کمیل! اپنے گھر والوں کو حکم دو کہ اچھی خصلتوں کو تلاش کرنے کے لئے دن میں نکلیں اور سونے والوں کی حاجت روائی کے لئے رات میں قیام کریں قسم ہے اس ذات کی جو ہر آواز کی سننے والی ہے کہ کوئی شخص کسی دل میں خوشی داخل نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ پروردگار اس کے لئے اس خوشی میں ایک لطف پیدا کردیتا ہے کہ اس کے بعد اگر اس پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ لطف اس کی طرف نشیب کی جانب بہنے والے پانی کی طرح تیزی سے بڑھتا ہے اور اس مصیبت کو یوں ہنکا دیتا ہے جس طرح پرائے اونٹ ہنکائے جاتے ہیں۔''(۲)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''تَبَسُّمُ الرَّجُلِ فِیْ وَجْهِ اَخِیْهِ حَسَنَةٌ وَ صَرْفُهُ الْقَذٰی عَنْهُ حَسَنَةٌ وَ مَا عُبِدَ اللهُ بِشَیْءٍ اَحَبُّ اِلَی اللهِ مِنْ اِدْخَالِ السُّرُوْرِ عَلَی الْمُؤْمِنِ'''' مومن کے سامنے مسکرانا بھی حسنہ (نیکی) ہے اور اس کی مشکل کو حل کرنا دوسری نیکی ہے اور مومن کے قلب میں ادخال السرور سے بہتر تو خداوندعالم کی کوئی عبادت ہی نہیں ہے۔''(۳)

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''لَا یَرَیٰ اَحَدُکُمْ اِذَا اَدْخَلَ عَلَی مُؤْمِنٍ سُرُوْراً اَنَّهُ عَلَیْهِ اَدْخَلَهُ فَقَطْ بَلْ وَاللهِ عَلَیْنَا بَلْ وَاللهِ عَلَی رَسُوْلِ اللهِ''

''تم میں سے کوئی ہرگز یہ خیال نہ کرے کہ جب وہ کسی مرد مومن کے دل کو خوش کرتا ہے تو

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۲

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۸۴

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۵

صرف اسی کو خوش کرتا ہے! بلکہ خدا کی قسم اس سے ہم اہل بیت بھی خوش ہوتے ہیں بلکہ خدا کی قسم اس نے پیغمبر اکرم ﷺ کو بھی خوشی حاصل ہوتی ہے۔"(۱)

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "مَنْ سَرَّ مُؤمِناً فَقَدْ سَرَّنِیْ وَ مَنْ سَرَّنِیْ فَقَدْ سَرَّ اللہَ" "جس نے کسی مومن کو مسرور کیا اس نے مجھے خوش کیا ہے اور جس نے مجھے خوش کیا ہے اس نے خدا کو راضی اور خوشنود کیا۔"(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "اَوْحَی اللہُ عَزَّ وَ جَلَّ اِلٰی دَاوٗدَ علیہ السلام: اِنَّ الْعَبْدَ مِنْ عِبَادِیْ لَیَاتِیْنِیْ بِالْحَسَنَةِ فَاُبِیْحُهٗ جَنَّتِیْ. فَقَالَ دَاوٗدُ علیہ السلام: یَا رَبِّ وَ مَا تِلْکَ الْحَسَنَةُ؟ قَالَ: یُدْخِلُ عَلٰی عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ سُرُوْراً وَ لَوْ بِتَمْرَةٍ. فَقَالَ دَاوٗدُ علیہ السلام: حَقٌّ لِمَنْ عَرَفَکَ اَنْ لَا یَقْطَعَ رَجَائَهٗ مِنْکَ" "پروردگار عالم نے جناب داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ جب کوئی بندہ میری بارگاہ میں ایک نیکی پیش کرتا ہے تو میں اس کے لئے جنت کو مباح کر دیتا ہوں تو جناب داؤد علیہ السلام نے عرض کی! پروردگارا! وہ نیکی کیا ہے؟ ارشاد ہوا! کہ مومن کے دل کو خوش کرنا، چاہے ایک کھجور کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ تو جناب داؤد علیہ السلام نے یہ عرض کی! کہ جو تیری معرفت رکھتا ہے اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی امید تجھ سے قطع نہ کرے۔"(۳)

پیغمبر اکرم ؐ کا ارشاد ہے: "مَنْ اَکْرَمَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ بِکَلِمَةٍ یُلْطِفُهٗ بِهَا وَ فَرَّجَ عَنْهُ کُرْبَتَهٗ لَمْ یَزَلْ فِیْ ظِلِّ اللہِ الْمَمْدُوْدِ عَلَیْهِ الرَّحْمَةُ مَا کَانَ فِیْ ذٰلِکَ"

"جو شخص کسی ایک محبت بھرے کلمہ سے اپنے برادر مومن کا احترام کرے اور اس کی کوئی

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۱۴

(۳) بحار الانوار: ج ۱۴، باب ۳، حدیث ۵

مشکل دور کر دے تو جب تک وہ اس طرح مصروف رہے مسلسل رحمت الٰہی کے زیر سایہ رہے گا۔"(۱)

مذکورہ احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ خداوند عالم کے نزدیک "مومن کو خوش کرنے" کی کتنی زیادہ اہمیت ہے اور یہ خدا کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ترین اعمال میں سے ہے اور اتنی عظمت اور اہمیت کے باوجود اتنا آسان کام بھی ہے کہ ہر شخص، ہر حالت میں مومن کو خوش کر سکتا ہے کیونکہ اس کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے بلکہ اس کے بے شمار راستے پائے جاتے ہیں لہٰذا اگر کسی کے پاس مال و دولت نہیں ہے تو وہ اپنی غربت کا بہانہ بنا کر مومن کو خوش نہ کر پانے کا عذر پیش نہ کرے کیونکہ معصومین علیہم السلام نے صاف طور پر فرمادیا ہے کہ مسکرا کر یا مومن کے اوپر سے کوئی تنکا یا دھاگہ ہٹا کر یا ایک کھجور پیش کر کے بھی اسے خوش کیا جا سکتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ ایک اچھی بات یا محبت سے لبریز جملہ بھی مومن کے دل کو مسرور کر سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ مومن کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے ایک قدم اٹھانا بھی ادخال سرور کا مصداق ہے اور جو ایسا کرے گا خداوند عالم اور پیغمبر اکرم ﷺ کے نزدیک اس کا اجر و ثواب محفوظ رہے گا۔

"مومن کے دل کو خوش کرنے" کی اس درجہ اہمیت اور فضیلت کے پیش نظر اب ہم "مومن کو خوش کرنے" کا دوسرا طریقہ بیان کر رہے ہیں۔

مومنین کے درمیان مصالحت کرانا

ہر معاشرے اور سماج کو نفسیاتی بیماریوں سے نجات دینے کے لئے تمام مومنین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے مومن بھائیوں کے اختلافات دور کرائیں اور ان کے دلوں سے ایک دوسرے کی

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۲۰، حدیث ۳۴

کدورتیں ختم کرادیں اس بارے میں کسی گفتگو سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں ایک دوسرے سے ناراض رہنا اور آپسی روابط اور تعلقات کو توڑ دینا بہت ہی بری چیز ہے اور یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ دو مومن بھائی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے ناراض ہو کر جھگڑا کرنے لگیں اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے کدورت اور آپسی رنجش پیدا ہو جائے جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''أَيُّمَا مُسْلِمَيْنِ تَهَاجَرَا فَمَكَثَا ثَلَاثاً لَا يَصْطَلِحَانِ إِلَّا كَانَا خَارِجَيْنِ مِنَ الْإِسْلَامِ وَ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا وَلَايَةٌ فَأَيُّهُمَا سَبَقَ إِلَى كَلَامِ أَخِيهِ كَانَ السَّابِقَ إِلَى الْجَنَّةِ يَوْمَ الْحِسَابِ''

''اگر دو مسلمان ایک دوسرے سے تعلقات توڑ لیں اور اسی طرح ایک دوسرے سے الگ رہتے ہوئے تین دن گذر جائیں اور وہ مصالحت نہ کریں تو دونوں اسلام سے خارج ہیں اور اگر ان کے درمیان دوستی نہ ہو تو ان میں جو کوئی دوسرے سے پہلے بولنا شروع کرے گا روز قیامت وہی جنت میں پہلے جائے گا۔''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''لَا يَفْتَرِقُ رَجُلَانِ عَلَى الْهِجْرَانِ إِلَّا اسْتَوْجَبَ أَحَدُهُمَا الْبَرَاءَةَ وَ اللَّعْنَةَ وَ رُبَّمَا اسْتَحَقَّ ذَلِكَ كِلَاهُمَا'' کبھی بھی دو مومنین ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے مگر یہ کہ ان میں سے ایک (جو خطاوار ہے) بیزاری اور لعنت کا مستحق ہوتا ہے اور بسا اوقات دونوں ہی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔''(۲)

روایات میں مومنین کے درمیان اختلاف پیدا کرنے اور عداوت کے بیج بونے کو شیطانی

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۵

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۱

عمل کہا گیا ہے اور مومنین کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ شیطان کے وسوسوں میں نہ پڑیں اور اس کے فریب میں نہ آئیں قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ﴾ ''شیطان تمہارے درمیان بغض وعداوت پیدا کرنا چاہتا ہے۔''(۱)

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''إِنَّ الشَّيْطَانَ يُغْرِي بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ مَا لَمْ يَرْجِعْ أَحَدُهُمْ عَنْ دِينِهِ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ اسْتَلْقَى عَلَى قَفَاهُ وَتَمَدَّدَ ثُمَّ قَالَ: فُزْتُ. فَرَحِمَ اللَّهُ امْرَءاً أَلَّفَ بَيْنَ وَلِيَّيْنِ لَنَا، يَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِينَ تَأَلَّفُوا وَ تَعَاطَفُوا'' شیطان مومنین کے درمیان اس وقت تک عداوت اور دشمنی پیدا کرتا رہتا ہے جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک اپنے دین سے خارج نہ ہو جائے اور اس کے بعد آرام سے لیٹ کر چین کی سانس لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا ہوں، لہٰذا خداوند عالم اس شخص پر رحمت نازل کرے جو ہمارے چاہنے والوں کے درمیان دوستی کرادے۔ اے مومنو! آپس میں پیار ومحبت کے ساتھ شیر وشکر بن کر رہو۔''(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''لَا يَزَالُ إِبْلِيسُ فَرِحاً مَا اهْتَجَرَ الْمُسْلِمَانِ فَإِذَا الْتَقَيَا اصْطَكَّتْ رُكْبَتَاهُ وَ تَخَلَّعَتْ أَوْصَالُهُ وَ نَادَى يَا وَيْلَهُ مَا لَقِيَ مِنَ الثُّبُورِ'' جب تک دو مسلمانوں کے درمیان اختلاف باقی رہتا ہے شیطان مسلسل مسکراتا رہتا ہے لیکن جب ان دونوں کے تعلقات استوار ہوتے ہیں تو اس کے پیر لڑکھڑا جاتے ہیں اور اس کا جوڑ جوڑ کھل جاتا ہے اور وہ چیخ کر کہتا ہے ہائے میں تباہ وبرباد ہو گیا۔''(۳)

ان روایات کے مطابق مومنین کے درمیان میل محبت اور بھائی چارہ ہی اصل ایمان ہے

---

(۱) سورۂ مائدہ: آیت ۹۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۶

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۰، حدیث ۷

اور ایک دوسرے سے اختلاف اور جھگڑا کے ذریعہ قطع تعلق شیطانی عمل ہیں۔ لہٰذا جس قدر ممکن ہو اختلافات سے دو[illegible]رہیں لڑائی جھگڑا کرنا اور آپسی اختلافات جتنا برا اور قبیح ہے، مومنین کے درمیان میل ومحبت اور بھائی چارہ کا رشتہ قائم کرنے کی اتنی ہی اہمیت اور عظمت ہے اور خدا کے نزدیک اس کا اتنا ہی بلند مرتبہ ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ﴾ "مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح وصفائی قائم رکھو۔" (۱)

دوسری آیت میں یہ حکم موجود ہے: ﴿فَاتَّقُوْا اللّٰہَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ﴾ "لہٰذا تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرو۔" (۲)

تیسری آیت بھی ملاحظہ فرمایئے:

﴿لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِنْ نَجْوَاھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْراً عَظِیْماً﴾

"ان لوگوں کی اکثر راز کی باتوں میں کوئی خیر نہیں ہے مگر وہ شخص جو کسی صدقہ، کار خیر یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے اور جو بھی یہ سارے کام رضائے الٰہی کے لئے انجام دے گا ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے۔" (۳)

---

(۱) سورۂ حجرات: آیت ۱۰

(۲) سورۂ انفال: آیت ۱

(۳) سورۂ نساء: آیت ۱۱۴

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اَلَا اُخْبِرُکَ وَ اُدُلُّکَ عَلٰی صَدَقَۃٍ یُحِبُّھَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہُ؟ تُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ اِذَا تَفَاسَدُوْا وَ تَبَاعَدُوْا"

"کیا تمہیں اس صدقہ کی خبر نہ دوں اور اس صدقہ کی طرف رہنمائی نہ کروں جسے خدا ورسول پسند کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر لوگوں میں اختلاف اور دوری پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان مصالحت (صلح وصفائی) کرا دو۔" (۱)

اس کے مثل ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے:

"صَدَقَۃٌ یُحِبُّھَا اللّٰہُ اِصْلَاحٌ بَیْنَ النَّاسِ اِذَا تَفَاسَدُوْا وَ تَقَارُبٌ بَیْنَھُمْ اِذَا تَبَاعَدُوْا"

"جو صدقہ خدا کو پسند ہے وہ یہ ہے کہ جب لوگوں میں جھگڑا ہو جائے تو صلح کرا دی جائے اور جب ان کے درمیان دوریاں پیدا ہو جائیں تو قربت پیدا کر دی جائے۔" (۲)

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی شہادت سے پہلے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام اپنی دیگر اولاد حتی اپنے چاہنے والوں سے یہ وصیت فرمائی تھی:

"اُوْصِیْکُمَا وَ جَمِیْعَ وُلْدِیْ وَ اَھْلِیْ وَ مَنْ بَلَغَہُ کِتَابِیْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَ نَظْمِ اَمْرِکُمْ وَ صَلَاحِ ذَاتِ بَیْنِکُمْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ جَدَّکُمَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ: صَلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّۃِ الصَّلَاۃِ وَ الصِّیَامِ"

---

(۱) کنز العمال: ج ۳، ص ۵۹، حدیث ۵۴۸۸

(۲) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۶

’’تم دونوں اور اپنی تمام اولاد، اہل خانہ، اور جس تک میری یہ تحریر پہونچے ان سب سے میری یہ وصیت ہے کہ تقوائے الٰہی اختیار کریں اپنے کاموں میں نظم وضبط اور آپس میں اچھے تعلقات قائم رکھیں. کیونکہ میں نے تمہارے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ مومنین کے درمیان مصالحت کرانا عام نماز اور روزوں سے بھی بہتر ہے۔‘‘(۱)

اس درس میں مذکور آیات وروایات سے بخوبی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا، ان کی غلط فہمیوں کو دور کر کے ان کی دشمنیوں کو ختم کرنا اور ان کے برادرانہ روابط کو مستحکم سے مستحکم بنانا اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ومحبت بھر دینے کی اہمیت کتنی زیادہ ہے لیکن اس کی بہتر وضاحت کے لئے دو مزید چیزوں کی طرف مزید توجہ ضروری ہے۔

۱۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے نزدیک مومنین کے درمیان مصالحت کرانے کی اس قدر اہمیت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے چاہنے والوں کے اختلافات دور کرانے کی خاطر ایک رقم مخصوص کر رکھی تھی اور جناب مفضل ” کو یہ تاکید کی تھی. ”اِذَا رَاَیْتَ بَیْنَ اِثْنَیْنِ مِنِ شِیْعَتِنَا مُنَازَعَةً فَافْتَدِھَا مِنْ مَالِیْ “ جب تم ہمارے شیعوں کے درمیان کوئی اختلاف دیکھنا تو میرے مال کے ذریعہ اس کو رفع دفع کرا دینا۔‘‘(۲)

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یوں نقل ہوا ہے:

ابو حنیفہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے چاہنے والے تھے اور ان کا مشغلہ حاجیوں کے کاروان کی ساربانی تھا. وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میرے برادر نسبتی سے میراث کے معاملہ میں میری کچھ اَن بن ہو گئی اسی وقت وہاں مفضل پہونچ گئے اور کچھ دیر رکے رہے تا کہ انھیں یہ اندازہ ہو جائے کہ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۴۲، باب ۱۲۷، حدیث ۵۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۸

ہمارے درمیان اختلاف کس بات پر ہوا ہے. پھر انہوں نے ہم دونوں سے کہا کہ آپ حضرات میرے گھر چلیں! جب ہم ان کے گھر پہونچے تو انہوں نے چار سو درہم دیکر ہمارے درمیان صلح کرادی اور ہم نے ایک دوسرے سے رضایت کا اعلان کر دیا تو مفضل نے کہا۔ کہ یہ میرا مال نہیں ہے بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے میرے حوالہ کیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ جب دو مومنوں کے درمیان کوئی اختلاف دیکھوں تو ان کے درمیان صلح کرادیا کروں۔(۱)

۲۔ سب کو بخوبی معلوم ہے کہ جھوٹ کتنا بڑا گناہ ہے اور قرآن کریم اور روایات میں اس کی کتنی سخت مذمت کی گئی ہے لیکن اگر اس غلط بیانی سے دو مومنین کے بگڑے ہوئے تعلقات بحال ہو جائیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے لہٰذا جن جگہوں پر غلط بیانی سے کام لینا صحیح ہے ان میں سے ایک جگہ مومنین کے درمیان صلح بھی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اِنَّ الْمُصْلِحَ لَیْسَ بِکَذَّابٍ“ ”مصالحت کرانے والا جھوٹا نہیں ہوتا ہے۔‘‘(۲)

آپ نے اپنے ایک چاہنے والے سے یہ جملہ اس وقت کہا تھا جب اسے اپنے دو شیعوں کے درمیان صلح کرانے بھیجا تھا اور یہ نصیحت کی تھی کہ ان دونوں سے میری طرف سے اس طرح کہنا تو انہوں نے کہا کہ میں آپ کا پیغام تو ان تک پہونچا ہی دونگا اور کچھ اپنی طرف سے بھی اضافہ کر دونگا یہ جھوٹ تو نہ ہوگا؟ تو آپؑ نے فرمایا تھا: ”نَعَمْ، اِنَّ الْمُصْلِحَ لَیْسَ بِکَذَّابٍ اِنَّمَا ھُوَ الصُّلْحُ لَیْسَ بِکِذْبٍ“ ”ہاں! تمہارا یہ کام اصلاح ہے نہ کہ جھوٹ اور صلح کرانے والا جھوٹا نہیں ہوتا ہے۔‘‘(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۳، ص ۴۸

(۳) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۱، حدیث ۱۲

خلاصہ:

مومنین کو خوش کرنا بھی اسلامی اخلاقیات کا حصہ ہے. جس کے مختلف طریقے ہیں۔

ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ مومنین کے دلوں سے ایک دوسرے کی کدورت ختم کر کے ان کے درمیان محبت اور بھائی چارہ پیدا کیا جائے۔

اسلام میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اس کا بیحد ثواب بیان کیا گیا ہے اور معصومین علیہم السلام نے بھی اس کی خصوصی تاکید فرمائی ہے۔

سوالات:

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نظر میں خدا کا سب سے محبوب کام کیا ہے؟

۲۔ کیا صرف مالی مدد کے ذریعہ ہی مومنین کو خوش کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ روایات کی روشنی میں بتایئے کہ مومنین کے درمیان صلح ہو جانے سے شیطان کیوں افسردہ رہتا ہے؟

۴۔ امام صادق علیہ السلام نے اپنے شیعوں کے اختلافات دور کرنے کے لئے رقم کیوں مخصوص کر رکھی تھی؟

۵۔ مومنین کے درمیان صلح کرانے کے لئے غلط بیانی کیوں درست ہے؟

سولہواں سبق

یتیموں اور غریبوں کی سرپرستی

مومنین کو خوش کرنے کے متعدد طریقوں میں سے ایک طریقہ یتیم اور غریب بچوں کی سرپرستی اور کفالت بھی ہے۔ اسلام، پیار و محبت کا مذہب ہے اسلام ان بچوں کے سرپرست شفقت رکھنا چاہتا ہے جن کے ماں باپ، دونوں یا ان میں سے کوئی ایک دنیا سے چلا گیا ہو اور ان کا کوئی بھی سرپرست نہ ہو. اسلام نے ان بچوں کے راحت و آرام کے انتظام کو بے حد اہمیت دیتا ہے چنانچہ اسے تمام مومنین کا مشترکہ فریضہ قرار دیا ہے جیسا کہ رب کریم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْماً فَآوٰی﴾ "کیا اس نے تم کو یتیم پا کر پناہ نہیں دی؟۔"(۱)

اس کے بعد آپ کو یہ تاکید کی گئی. ﴿فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ "لہذا اب تم یتیم پر سختی نہ کرنا۔"(۲)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وقت ولادت اپنے والد گرامی کے سایہ سے تو محروم تھے ہی، بچپن میں اپنی والدہ گرامی کی شفقتوں سے بھی محروم ہو گئے تھے اور آپ نے یتیمی کی مشکلات اور زحمتوں کی تلخیوں

---

(۱) سورۂ ضحیٰ: آیت ۶

(۲) سورۂ ضحیٰ: آیت ۹

بھی مومنین کا ایک فریضہ ہے جس کی تاکید متعدد آیات اور روایات میں موجود ہے جیسا کہ پہلے بھی یہ آیت گذر چکی ہے۔ ﴿وَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ یعنی خدا نے پیغمبر ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ یتیموں پرسختی نہ کریں انہیں اپنے سے دور نہ کریں اور ان سے غصہ سے بات نہ کریں اس سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ ان کے کھانے اور کپڑے وغیرہ کا انتظام کردیا جائے بلکہ ان کے سر پر دست شفقت پھیرنا اور اپنے بچوں کی طرح ان سے برتاؤ کرنا بھی شامل ہے۔

قرآن مجید میں ہی دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ﴾ "ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ تم یتیموں کا احترام نہیں کرتے ہو اور لوگوں کو مسکینوں کے کھانوں پر آمادہ نہیں کرتے ہو۔"(۱)

مذکورہ آیت میں صاف طور پر یتیم کے اکرام واحترام اور اس کی عزت کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ اس کی عزت افزائی اور اس کا احترام کا مرتبہ کھانا کھلانے سے ایک درجہ بلند ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ کسی یتیم کو کسی قسم کی مالی ضرورت نہ ہو مثلاً اسے باپ کی میراث میں دولت ملی ہو لیکن پھر بھی اسے دوسروں کے پیار ومحبت کی ضرورت کا احساس رہے گا اور معاشرے کے دوسرے افراد کی طرح اس کے دل میں بھی یہ تمنا رہے گی کہ اس کا احترام کیا جائے اور اسے کسی موقع پر فراموش نہ کیا جائے، لیکن ہم نے جو آیت ذکر کی ہے اس میں جب مسکین کا ذکر کیا گیا تو اسے کھانا کھلانے اور سیر کرنے کا تذکرہ ہے کیونکہ وہ ضرورت مند ہوتا ہے لہٰذا اسکو زبانی پیار ومحبت سے کچھ حاصل نہ ہوگا اس بات کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ☆ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ☆ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ﴾ "کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو قیامت کو جھٹلاتا ہے یہ وہی ہے جو

(۱) سورۂ فجر: آیت ۱۸/۱۷

یتیم کو دھکے دیتا ہے اور کسی کو مسکین کے کھانے کے لئے تیار نہیں کرتا۔"(۱)

ان آیات میں یتیم کی طرف سے بے توجہی اور اسے جھڑکنے کے ساتھ ساتھ مسکین کی مالی امداد کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح رہے کہ یتیم کو جھڑکنا اور مسکین کی امداد نہ کرنا دین کی تکذیب اور کفر کے برابر ہے۔

روایات میں یتیموں کے قلبی جذبات اور احساسات پر بیحد توجہ دی گئی ہے اور مومنین کرام کو حتی الامکان اس بارے میں ان کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "مَنْ وَضَعَ يَدَهُ عَلَىٰ رَأْسِ يَتِيمٍ تَرَحُّماً كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ تَمُرُّ يَدُهُ عَلَيْهَا حَسَنَةٌ" "جو شخص یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ لگا ہوگا خداوند عالم ان تمام بالوں کی تعداد کے برابر اسے نیکیاں عنایت فرمائے گا۔"(۲)

پیغمبر اکرم ﷺ کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں موجود تھا اسی وقت ایک بچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی! میں یتیم ہوں میری ایک بہن اور بیوہ ماں بھی ہے خداوند عالم نے آپ کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے ہمیں بھی عنایت فرما دیجئے تاکہ رب کریم اپنے خزانہ سے آپ کو اتنا عطا فرمائے کہ آپ خوش ہو جائیں آپ نے اس کی طرف رخ کرکے فرمایا بیٹا تم نے کتنی حسین بات کہی ہے پھر جناب بلال سے فرمایا کہ جاؤ ہمارے یہاں جو کچھ ہے وہ لے آؤ جناب بلال گئے اور ۲۱ عدد کھجوریں لے آئے وہ کھجوریں آپ نے اس یتیم بچہ کو دیدیں اور فرمایا کہ ۷ عدد تمہارے لئے اور ۷ تمہاری بہن کے لئے اور ۷ عدد تمہاری والدہ کیلئے ہیں۔

(۱) سورہ ماعون: آیت ۱/۳

(۲) کنز العمال: ج ۳، ص ۱۷۷

اسوقت جناب معاذ بن جبل کھڑے ہوئے انھوں نے اس یتیم بچے کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے اسے یہ دعا دی کہ خداوند عالم تمہاری یتیمی کا ازالہ فرمائے اور تمہیں اپنے والد کا بہترین وارث قرار دے (اس کا باپ ایک مسلمان مہاجر تھا)

پیغمبر اکرم ﷺ نے معاذ بن جبل سے پوچھا تم نے کس نیت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے تو صرف شفقت کی خاطر ایسا کیا تھا! تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"لَا یَلِیْ أَحَدٌ مِنْکُمْ یَتِیماً فَیُحْسِنُ وِلَایَتَهُ وَ وَضَعَ یَدَهُ عَلیٰ رَاسِهِ اِلَّا کَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِکُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةً وَ مَحَا عَنْهُ بِکُلِّ شَعْرَةٍ سَیِّئَةً وَ رَفَعَ لَهُ بِکُلِّ شَعْرَةٍ دَرَجَةً" "تم میں سے جو کوئی بھی کسی یتیم کی اچھی طرح کفالت کرے اور اس کے سر پر دست شفقت رکھے گا تو خداوند عالم اس کے سر کے تمام بالوں کے برابر اسے حسنات عطا کرے گا اور تمام بالوں کے برابر اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور تمام بالوں کے برابر جنت میں اس کے درجات کو بلند فرمادے گا۔"

دوسری روایت میں پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ نقل ہوا ہے:

"إِنَّ الْیَتِیْمَ اِذَا بَکیٰ اِهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ فَیَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ: مَنْ هَذَا الَّذِی أَبْکیٰ عَبْدِی الَّذِی سَلَبْتُهُ أَبَوَیْهِ فِی صِغَرِهِ. فَبِعِزَّتِی وَ جَلَالِی لَا یُسْکِتُهُ أَحَدٌ اِلَّا أَوْجَبْتُ لَهُ الْجَنَّةَ"

"جب کوئی یتیم روتا ہے تو اس کے لئے عرش الٰہی ہل جاتا ہے اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ کون ہے جس نے میرے اس بندے کو رلایا ہے جس سے میں نے اس کے بچپنے میں اس کے ماں باپ کو واپس لے لیا ہے؟ لہٰذا میری عزت و جلالت کی قسم جو اس کو خاموش کرے گا مگر میں اس

کے لئے جنت واجب کردوں گا۔"(۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

"أَتُحِبُّ أَنْ یَلِیْنَ قَلْبُکَ وَ تُدْرِکَ حَاجَتَکَ؟ اِرْحَمِ الْیَتِیْمَ وَ امْسَحْ رَأْسَهُ وَ أَطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِکَ یَلِنْ قَلْبُکَ وَ تُدْرِکْ حَاجَتَکَ"

"کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہوجائے اور تمہاری حاجت پوری ہوجائے اس کے لئے یتیم کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اس کے سر پر دست شفقت پھیرو اور اسے اپنے کھانے میں سے کھلاؤ تو تمہارا دل نرم ہوجائے گا اور تمہاری حاجت پوری ہوجائے گی۔"

ائمہ معصومین علیہم السلام کی یتیم نوازیوں کے بے شمار زرین واقعات دامن تاریخ میں محفوظ ہیں۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ تو مومنین کے اوپر یتیموں کے حقوق تھے لیکن بالکل اسی طرح کے حقوق غریبوں اور حاجت مندوں کے بھی ہیں جو سماج کے سرمایہ دار طبقہ کے اوپر ہیں کیونکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی فقیر اور غریب باقی نہ رہے لہٰذا اس نے صاحبان مال و دولت کے کاندھوں پر اس کی ذمہ داری رکھی ہے اور اس کے لئے انہیں زکات خرچ کرنے کی اجازت دی ہے. پروردگار عالم نے قرآن کریم میں دو مقامات پر سچے متقیوں اور پرہیزگاروں کی یہ صفت قرار دی ہے کہ وہ اپنے اموال میں فقیروں اور غریبوں کا ایک حق محفوظ رکھتے ہیں جیسا کہ سورۂ ذاریات میں ارشاد ہے:

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۱، حدیث ۱۲

﴿وَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ﴾

"اوران کے اموال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محروم افراد کے لئے ایک حق تھا۔"(۱)

سورۂ معارج میں سچے نمازیوں کی تعریف کرتے ہوئے پروردگار عالم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُوْمٌ لِلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ﴾"اورجن کے اموال میں ایک مقررہ حق معین ہے مانگنے والے کے لئے اور نہ مانگنے والے کے لئے۔"(۲)

ان دونوں آیتوں میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ہم اگر غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں تو ہمیں یہ خیال رہتا ہے کہ ہم اپنے مال سے انہیں دے رہے ہیں اور ان پر یہ ہمارا احسان ہے لیکن ان دونوں آیات میں لفظ حق کے ذریعہ یہ صاف واضح کردیا گیا ہے کہ سچے مومنین وہ ہیں جن کے مال میں ایک حصہ غریبوں کا بھی ہوتا ہے اور وہ حصہ غریبوں کا حق ہے نہ کہ صاحب مال کا سرمایہ۔ کیونکہ خداوند عالم کی نظر میں اتنا حصہ ان کا مال نہیں ہے کہ انہیں اس میں تصرف کا حق حاصل ہو لہٰذا جب وہ اسے فقراء کو دیتے ہیں تو درحقیقت یہ ان کا وہ حق اور قرض ہے جوانہوں نے واپس کیا ہے نہ کہ اپنے پاس سے کوئی اور چیز دی ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا حق، قرض یا اس کی امانت واپس کرے تو پھر واپس کرنے والے کو احسان جتانے کا حق نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے متعدد بار لوگوں کو غریبوں کی امداد کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا ہے کہ خبردار ان کے اوپر احسان نہ جتانا سورۂ بقرہ کی ۲۶۴ ویں آیت ملاحظہ فرمائیے۔

﴿یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی﴾

"اے ایمان لانے والو اپنے صدقات (خیرات) کو غریبوں پر احسان جتا کر اور ان کو اذیت دیکر ضائع نہ کرو۔"(۳)

---

(۱) سورۂ ذاریات: آیت ۱۹

(۲) سورۂ معارج: آیت ۲۴/۲۵

(۳) سورۂ بقرہ: آیت ۲۶۴

خلاصہ:

مومنین کو خوش کرنے کا ایک طریقہ یتیموں اور غریبوں کی امداد بھی ہے۔

یتیموں کی سرپرستی اوران کی مالی، روحانی اور دیگر ضروریات پوری کرنا تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

مالی امداد سے مراد یہ ہے کہ ان کی غذا، کپڑے، گھر اور تعلیمی ضروریات کو پورا کیا جائے اور روحانی ضروریات کو پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے پیار ومحبت اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے اوران کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

البتہ یتیموں کے برخلاف حاجت مندوں کو عام طور سے صرف مالی امداد کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔

کیونکہ ان حقوق کی ادائیگی مومنین کی ذمہ داری ہے لہٰذا کسی قسم کا احسان جتانے کا حق نہیں ہے۔

سوالات:

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیموں کے بارے میں کیا تاکید فرمائی ہے؟

۲۔ مختصر طور سے بیان کیجئے کہ یتیموں کی سرپرستی کرنے والوں کا انعام اور جزا کیا ہے؟

۳۔ یتیموں کی ضروریات کس طرح پوری ہوتی ہیں؟

۴۔ یتیم کو خوش کرنے والے سے پروردگار عالم نے کیا وعدہ فرمایا ہے؟

۵۔ غریبوں اور یتیموں کی ضروریات کے درمیان کیا فرق ہے؟

۶۔ غریبوں کی مدد کرنے کے بعد منت اور احسان جتانا کیوں صحیح نہیں ہے؟

ستر ہواں سبق

عیادت

مریضوں کی عیادت اور مزاج پرسی بھی مومنین کو خوش کرنے کا ایک طریقہ اور اسلامی اخلاقیات کا جزء ہے بیماروں سے ملاقات کر کے ان کی مزاج پرسی کرنا ضروری ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور اس سے مومنین خوش ہوتے ہیں اس میں بھی کوئی دورائے نہیں ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلام نے اس بارے میں کیا کہا ہے؟ اور مومنین کو اس سلسلے میں کیا تاکیدات کی گئی ہیں اور تیسرے یہ کہ کسی مریض کی عیادت کے وقت کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے؟ اسلام میں عیادت کے آداب اور طریقے کیا ہیں؟

اس درس میں ہم انہیں تینوں عنوانات کی وضاحت پیش کریں گے۔

الف: عیادت

ایک دوسرے پر مومنین کے جو حقوق ہیں ان میں سے ایک حق مریضوں کی عیادت بھی ہے اور گذشتہ سبق میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ اگر کوئی چیز حق ہونے کے لحاظ سے ضروری ہو تو پھر وہ ایک فریضہ ہے اور اس کا ادا کرنا ضروری ہے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی کرنا خیانت ہے اور چونکہ یہ حق ہے لہٰذا اس کو ادا کرنے کے بعد اس کے بدلے شکریہ کی تمنا، یا احسان جتانا بھی صحیح نہیں ہے اس سلسلہ میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے: "مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ اِذَا لَقِيَهُ اَنْ

يُسَلِّمَ عَلَيْهِ وَ اِذَا مَرِضَ اَنْ يَعُوْدَهُ وَ اِذَا مَاتَ اَنْ يُشَيِّعَ جَنَازَتَهُ" "ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب اس سے ملاقات کرے تو اسے سلام کرے اور اگر مریض ہو جائے تو اس کی عیادت کرے اور اگر دنیا سے رحلت کر جائے تو اس کی تشییع جنازہ میں شریک ہو۔"(۱)

حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"لِلْمُسْلِمِ عَلٰى اَخِيْهِ ثَلَاثُوْنَ حَقًّا لَا بَرَائَةَ لَهُ مِنْهَا اِلَّا بِالْأَدَاءِ أَوِ الْعَفْوِ... يُعَوِّدَهُ مَرْضَتَهُ" "ایک مسلمان کے اوپر دوسرے مسلمان کے تیس حق ہیں جن سے ہرگز چھٹکارہ ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ ان کو ادا کرے یا وہ خود معاف کر دے. ان حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ مریض ہو جائے تو اس کی عیادت اور مزاج پرسی کرے۔"(۲)

جناب معلّٰی بن خنیس کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ مولا یہ فرمایئے کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا کیا حق ہے؟

"قَالَ علیہ السلام سَبْعُ حُقُوْقٍ وَاجِبَاتٍ مَا مِنْهُنَّ حَقٌّ اِلَّا وَ هُوَ عَلَيْهِ وَاجِبٌ، اِنْ ضَيَّعَ مِنْهَا شَيْئاً خَرَجَ مِنْ وِلَايَةِ اللّٰهِ وَ طَاعَتِهِ وَ لَمْ يَكُنْ لِلّٰهِ فِيْهِ مِنْ نَصِيْبٍ. قُلْتُ لَهُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ وَ مَا هِيَ؟ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا مُعَلَّى اِنِّي عَلَيْكَ شَفِيْقٌ أَخَافُ أَنْ تُضَيِّعَ وَ لَا تَحْفَظَ وَتَعْلَمَ وَلَاتَعْمَلَ. فَقُلْتُ لَهُ: لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَيْسَرُ حَقٍّ مِنْهَا أَنْ تُحِبَّ لَهُ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ.... وَ الْحَقُّ السَّابِعُ أَنْ تَبَرَّ قَسَمَهُ وَ تُجِيْبَ دَعْوَتَهُ وَ تَعُوْدَ مَرِيْضَهُ وَ تَشْهَدَ جَنَازَتَهُ وَ اِذَا عَلِمْتَ أَنَّ لَهُ حَاجَةً

---

(۱) مکارم الاخلاق: ص ۳۵۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۵، حدیث ۳۶

تُبَادِرُهُ اِلٰی قَضَائِهَا لَا تُلْجِئَهُ اَنْ......"

(" آپؐ نے فرمایا: ایک مسلمان کی گردن پر دوسرے مسلمان کے سات واجب حقوق ہیں جوسب کے سب واجب ہیں اگر ان کی ادائیگی میں تھوڑی بھی کوتاہی کی تو وہ خداوند عالم کی دوستی اور اطاعت سے خارج ہو جائے گا. اور خدا کو اس کی بندگی سے کچھ حاصل نہیں ہے (گویا اس نے خدا کی بندگی ہی نہیں کی ہے) میں نے عرض کی ذرا فرمائیں کہ وہ حقوق کیا ہیں؟ فرمایا: اے معلی مجھے ڈر ہے کہ تم ان کو ضائع کردو اور ان کی حفاظت نہ کرسکو اور جاننے کے باوجود انہیں ادا نہ کرو۔ میں نے عرض کی "لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" اللہ کے علاوہ کوئی قوت وطاقت نہیں ہے آپؐ نے فرمایا کہ ان میں سب سے آسان حق یہ ہے کہ اس کے لئے وہی سب کچھ پسند کرو جو تمہیں اپنے لئے پسند ہے اور اس کے لئے ہر اس چیز کو ناپسند رکھو جو خود تمہیں پسند نہیں ہے. اور اس کا ساتواں حق یہ ہے کہ اس کی قسم اور اس کی دعوت کو قبول کرلو، مریض ہو جائے تو اس کی عیادت کرو، مر جائے تو اس کی میت میں شریک ہو اور جیسے ہی تمہیں یہ اطلاع ملے کہ اس کو کوئی ضرورت درپیش ہے تو اس کے سوال کرنے سے پہلے ہی اسے پورا کردو۔"(۱))

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہی ایک صحابی جناب معاویہ بن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی:

یہ فرمایئے کہ اپنے اعزاء واقرباء سے اور جن لوگوں سے ہمارے تعلقات ہیں ان کے ساتھ ہمیں کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ: قال علیہ السلام تُؤَدُّوْنَ الْأَمَانَةَ اِلَيْهِمْ وَ تُقِيْمُوْنَ الشَّهَادَةَ لَهُمْ وَعَلَيْهِمْ وَتَعُوْدُوْنَ مَرْضَاهُمْ وَ تَشْهَدُوْنَ جَنَائِزَهُمْ" "ان کی امانتوں کو

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴ باب ۱۵ حدیث ۴۰

واپس کرو ان کے بارے میں گواہی دو چاہے وہ ان کے حق میں ہو یا ان کے خلاف اور ان کے بیماروں کی مزاج پرسی کرو اور ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔"(۱)

اس قسم کی تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو گویا اس کا وہ حق ادا کرتا ہے جو اس کے ذمہ تھا اور اس طرح اس کی امانت واپس کی ہے. لہٰذا اس عمل سے جس طرح دوسرا مومن خوش ہوتا ہے اسی طرح وہ خود بھی خوشی محسوس کرتا ہے کہ اس نے اپنا فریضہ اچھی طرح انجام دے دیا ہے اور خدا بھی اس سے خوش ہوتا ہے اور اس طرح عیادت کرنے والے کو دوہری خوشی حاصل ہو جاتی ہے. اور خداوند عالم بھی اس کی طرف نظر کرم کرتا ہے اور اس کا بے حد ثواب ہے جس کا تذکرہ ہم آئندہ کریں گے۔

ب: عیادت کی تاکید

اسلام نے اگرچہ مریضوں کی عیادت کو برادران اسلامی کا واجب حق قرار دیا ہے اور اس کو ایک شرعی اور دینی فریضہ کہا ہے اس کے باوجود اس نے اس کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کے لئے مختلف طریقے اپنائے ہیں انہیں طریقوں میں ایک طریقہ وہ بھی ہے جس میں معصومین علیہم السلام نے عیادت کے بے شمار فوائد اور اس کی جزا بیان کی ہے۔

چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱. "اِذَا عَادَ الْمُسْلِمُ أَخَاهُ وَ زَارَهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: طِبْتَ وَ طَابَ مَمْشَاكَ وَ تَبَوَّأْتَ مَنْزِلًا فِي الْجَنَّةِ"

"جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لئے اس سے ملاقات کرتا ہے

(۱) اصول کافی: ج ۲، ص ۶۳۵

تو خداوند عالم فرماتا ہے تم پاک و پاکیزہ رہو اور تمہارا راستہ بھی صاف ستھرا رہے تم نے جنت میں اپنے لئے ایک گھر بنالیا ہے۔"(۱)

۲۔ اسی طرح آپ نے فرمایا: "أَيُّمَا مُؤْمِنٍ عَادَ مُؤْمِناً مَرِيْضاً فِيْ مَرَضِهِ حِيْنَ يُصْبِحُ شَيَّعَهُ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ فَإِذَا قَعَدَ غَمَرَتْهُ الرَّحْمَةُ وَ اسْتَغْفَرُوْا لَهُ حَتّٰى يُمْسِيَ وَ إِنْ كَانَ مَسَاءً كَانَ لَهُ مِثْلُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُصْبِحَ" "جب کوئی مرد مومن کسی مریض کی عیادت کے لئے صبح کو جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ چلتے ہیں اور جب وہ اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتا ہے تو رحمت الٰہی اسے گھیر لیتی ہے اور یہ فرشتے اس کے لئے شام تک استغفار کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت وہ عیادت کرتا ہے تو صبح تک یہی صورت حال رہتی ہے۔"(۲)

۳۔ آپ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے:

"يُعَيِّرُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَبْداً مِنْ عِبَادِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ: عَبْدِيْ! مَا مَنَعَكَ إِذَا مَرِضْتُ أَنْ تَعُوْدَنِيْ فَيَقُوْلُ: سُبْحَانَكَ! أَنْتَ رَبُّ الْعِبَادِ لَا تَأْلَمُ وَ لَا تَمْرَضُ. فَيَقُوْلُ: مَرِضَ أَخُوْكَ الْمُؤْمِنُ فَلَمْ تَعُدْهُ وَ عِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهُ ثُمَّ لَتَكَفَّلْتُ لِحَوائِجِكَ فَقَضَيْتُهَا لَكَ وَ ذٰلِكَ مِنْ كَرَامَةِ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ وَ أَنَا الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ"

"خداوند عالم روز قیامت اپنے ایک بندہ کی ملامت کرتے ہوئے اس سے کہے گا کہ اے میرے بندے کیا وجہ تھی کہ جب میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی تھی؟ تو وہ (گھبرا کر) جواب دے گا: تو پاک و منزہ ہے تو تمام بندوں کا رب ہے تجھے کبھی نہ درد ہوتا ہے اور نہ کوئی مرض۔ تو ارشاد رب العزت ہوگا "تیرا ایک مومن بھائی بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی

(۱،۲) اصول کافی: ج ۲، ص ۱۲۰، حدیث ۶

میرے عزت و جلال کی قسم اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے نزدیک ہی پاتا اور میں تیری حاجات کا ضامن ہوتا اور تیرے لئے ان کو پورا کر دیتا اور یہ سب اپنے اس مومن بندے کے احترام کے باعث کرتا میں رحمٰن و رحیم ہوں۔"(۱)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے: "كَانَ فِيْمَا نَاجٰى بِهِ مُوْسَى بْنِ عِمْرَانَ رَبَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَنْ قَالَ لَهُ: يَا رَبِّ! مَا بَلَغَ مِنْ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ مِنَ الأَجْرِ؟ قَالَ: أُوَكِّلُ بِهِ مَلَكاً يَعُوْدُهُ فِيْ قَبْرِهِ إِلٰى مَحْشَرِهِ" "حضرت موسیٰ نے اپنی مناجات میں پروردگار عالم سے یہ سوال کیا کہ پروردگار! مریض کی عیادت کرنے والے کا ثواب کیا ہے؟ تو پروردگار عالم نے جواب دیا میں اس کے لئے ایک فرشتہ معین کر دوں گا جو قبر سے محشر تک اس کی عیادت کرتا رہے گا۔"(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَنْ عَادَ مَرِيْضاً فِيْ اللّٰهِ لَمْ يَسْأَلِ الْمَرِيْضُ لِلْعَائِدِ شَيْئاً إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ" "جو شخص خدا کی خوشنودی کے لئے کسی مریض کی عیادت کرتا ہے اور مریض اس کے لئے کوئی دعا کرتا ہے تو خداوند عالم اسے ضرور قبول کرتا ہے۔"(۳)

مذکورہ روایات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مریض کی عیادت کے باعث گناہ بخش دئے جاتے ہیں حاجتیں پوری ہوتی ہیں. خداوند عالم کی نظر کرم ہوتی ہے اور فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور جنت میں جگہ ملتی ہے۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷، باب ۱۵، حدیث ۷۵

(۲) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۱۱

(۳) گذشتہ حوالہ: حدیث ۱۰

ج: عیادت کرنے کا طریقہ

جس طرح دنیا کے ہر کام اور رسم کے کچھ طور طریقہ اور آداب و قوانین ہوتے ہیں اسی طرح اسلام نے عیادت کے بھی آداب بیان کئے ہیں۔

۱۔ ہدیہ لیجانا جس چیز سے مریض کا دل خوش ہو اسی قسم کا ہدیہ پیش کرے پیغمبر اکرمؐ نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ: "مَنْ أَطْعَمَ مَرِيضاً شَهْوَتَهُ أَطْعَمَهُ اللهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ" "جو شخص کسی مومن مریض کو اس کی پسندیدہ چیز کھلائے گا تو خداوند عالم اس کو جنت کے میوے کھلائے گا۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہمارے ایک دوست مریض ہو گئے تھے اور ہم ان کی عیادت کے لئے جا رہے تھے راستہ میں امام علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ "فَقَالَ قِفُوا، فَوَقَفُوا قَالَ: مَعَ أَحَدِكُمْ تُفَّاحَةٌ أَوْ سَفَرْجَلَةٌ أَوْ أُتْرُجَةٌ أَوْ لُعْقَةٌ مِنْ طِيبٍ أَوْ قِطْعَةٌ مِنْ عُودِ بُخُورٍ؟ قَالُوا مَا مَعَنَا مِنْ هَذَا شَيْءٌ. قَالَ علیہ السلام: أَمَا عَلِمْتُمْ أَنَّ الْمَرِيضَ يَسْتَرِيحُ إِلَى كُلِّ مَا أُدْخِلَ بِهِ عَلَيْهِ" "امامؑ نے دریافت فرمایا آپ حضرات کہاں تشریف لے جا رہے ہیں ہم نے عرض کی ایک مریض کی عیادت کے لئے! فرمایا کیا اس کے لئے کوئی تحفہ جیسے پھل یا عطر وغیرہ لے جا رہے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں تو آپؑ نے فرمایا کیا آپ حضرات کو نہیں معلوم کہ مریض کو جو ہدیہ دیا جاتا ہے اس سے اسکو سکون حاصل ہوتا ہے۔"(۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۳۲

(۲) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۳۹

۲۔ عجلت سے کام لینا۔ عیادت کا دوسرا ادب یہ ہے کہ زیادہ دیر تک مریض کے پاس نہ بیٹھے. کیونکہ مریض عام طور سے درد اور مشکلات سے دوچار ہوتا ہے اسے آرام کی ضرورت ہوتی ہے اور دیر تک عیادت کرنے سے اسے تھکان ہونے لگتی ہے اور ضرورت کے مطابق آرام نہیں مل پاتا اس لئے پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "خَيْرُ الْعِيَادَةِ أَخَفُّهَا" "بہترین عیادت وہ ہے جو بالکل مختصر ہو۔"(۱)

اس طرح آپؐ نے فرمایا: "الْعِيَادَةُ قَدْرَ فُوَاقِ نَاقَةٍ" "بیمار کی عیادت صرف اتنی دیر کی ہونا چاہئے جتنی دیر میں اونٹ بیٹھتا ہے۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے: "إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْعُوَّادِ أَجْراً عِنْدَ اللهِ لَمَنْ إِذَا عَادَ أَخَاهُ خَفَّفَ الْجُلُوسَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمَرِيضُ يُحِبُّ ذَلِكَ وَ يُرِيدُهُ" "مریض کی عیادت کرنے والوں میں سب سے زیادہ ثواب اس کے لئے ہے جو مریض کے پاس کم سے کم بیٹھے مگر یہ کہ مریض کو اس کی ضرورت ہو اور وہ خود اسے اپنے پاس رہنے کے لئے کہے۔"(۳)

۳۔ مریض کی مزاج پرسی اور اس کے لئے دعا کرنا۔

اس بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "تَمَامُ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ أَنْ يَضَعَ أَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلَيْهِ وَ يَسْأَلُهُ كَيْفَ هُوَ: كَيْفَ أَصْبَحْتَ وَ كَيْفَ أَمْسَيْتَ؟ وَ تَمَامُ تَحِيَّتِكُمُ الْمُصَافَحَةُ" "عیادت کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ مریض کے اوپر ہاتھ رکھ کر اس کا مزاج دریافت کرے کہ آپ کیسے ہیں دن کیسا گذرا، رات کیسی گذری اور سلام کی تکمیل یہ ہے کہ مصافحہ

---

(۱) کنز العمال: ج ۹، ص ۹۴، حدیث ۲۵۱۳۹

(۲) اصول کافی: ج ۳، ص ۱۱۸

(۳) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۱

کرے۔"(۱)

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: "عُوْدُوْا الْمَرْضىٰ .... وَ تَدْعُوْا لِلْمَرِيْضِ، فَتَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اشْفِهِ بِشِفَائِکَ وَ دَاوِهِ بِدَوَائِکَ وَ عَافِهِ مِنْ بَلَائِکَ" "مریضوں کی عیادت کرو اوران کے لئے یہ دعا کرو اَللّٰهُمَّ... بارالٰہا! اسے اپنی شفا کے ذریعہ شفا عطا فرما اپنی دوا کے ذریعہ اس کا علاج فرما اور اسے اپنی بلا سے محفوظ رکھنا۔"(۲)

۴۔ مریض کو تسلی دینا اور اس کے ارادہ اور نفسیات کو مضبوط کرنا بھی عیادت کا ایک حصہ ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں فرمایا ہے: "اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوْا لَهُ فِي الْاَجَلِ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَا يَرُدُّ شَيْئاً وَ هُوَ يُطَيِّبُ النَّفْسَ" "جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اسے زندگی کی امید دلاؤ اس سے اگرچہ کوئی فرق بھی نہ پڑے لیکن اس کا دل ضرور مطمئن ہوجاتا ہے۔"(۳)

۵۔ عیادت کرتے وقت مریض یا اس کے اہل خانہ سے اپنی مہمانداری اور پذیرائی کی امید نہ رکھے اور جہاں تک ممکن ہو انہیں اس سے منع کردے. کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو اس سے منع فرمایا ہے۔ "نَهىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أَنْ يَاْكُلَ الْعَائِدُ عِنْدَ الْعَلِيْلِ فَيُحْبِطَ اللّٰهُ أَجْرَ عِيَادَتِهِ" "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مریض کے پاس کچھ کھانے سے منع فرمایا ہے کہ اگر وہ اس کے پاس کچھ کھائے گا تو اس کی عیادت کا ثواب ختم ہوجائے گا۔"(۴)

---

(۱) بحارالانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۳۲

(۲) گذشتہ حوالہ

(۳) بحارالانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۳۳

(۴) بحارالانوار: ج ۸۱، باب ۴، حدیث ۴۱

خلاصہ:

اسلامی آداب کا ایک حصہ نیز مومنین کو خوش کرنے کا ایک طریقہ مریضوں کی عیادت بھی ہے۔

اسلام نے اس کو مومنین کا ایک حق قرار دیا ہے اور اسکی ترغیب کے لئے اس کا بیحد ثواب ذکر کیا ہے۔

بیماروں کی عیادت کرنے کے کچھ آداب ہیں جیسے مریض کے پاس کم بیٹھنا، ہدیہ لیجانا، مزاج پرسی کرنا، ان کے لئے دعا کرنا اور ان کی ہمت افزائی کرنا نیز ان سے مہمانداری اور پذیرائی کی توقع نہ رکھنا۔

سوالات:

۱۔ مریض کی عیادت مومنین کو خوش کرنے کا مصداق کیوں ہے؟

۲۔ اگر عیادت ایک حق ہو تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟

۳۔ خدا کی عیادت سے کیا مراد ہے؟

۵۔ عیادت کے آداب مختصر طور سے بیان کیجئے؟

۶۔ عیادت کے چند فوائد بیان فرمایئے؟

اٹھارہواں سبق

غم اور خوشی کے مواقع پر شرکت

مومنین کے لئے ضروری ہے کہ وہ پریشانیوں اور مشکلات میں پریشان حال لوگوں کے کام آئیں اور اس کے علاوہ اپنے برادران ایمانی کی خوشی اور غم میں بھی ضرور شریک رہیں کیونکہ رشتہ داری اور دوستی ایسے ہی مواقع پر پرکھی جاتی ہے نیز دوسرے کی خوشی یا غم میں شرکت کرنا ''مومن کو خوش کرنے'' کا ایک اہم مصداق ہے جس کا تذکرہ ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔

کیونکہ ہر شخص کی زندگی میں خوشی یا غم کے ایسے بے شمار لمحات آتے ہیں جب وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے افراد بھی اس کی خوشیوں میں شریک ہوں یا اس کے غم میں شریک ہو کر اس کا غم ہلکا کریں جس سے اس کے دل کو بھی سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے. لہٰذا ایسے موقع پر کہ جب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے رشتہ دار یا دوست اور احباب ہمارے شریک حال رہیں ہمیں بھی ان کے غم اور خوشی میں اسی گرم جوشی سے شرکت کرنا چاہئے جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم کسی کے کام نہ آئیں اور سب لوگ ہمارے کام آتے رہیں۔

روایات میں مومنین کے درمیان اخوت اور بھائی چارہ کو ''تآخی'' قرار دیا گیا ہے جو باب تفاعل سے ہے جس کے معنی میں ''دوطرفہ شرکت'' پائی جاتی ہے. یا ایک دوسرے سے ملاقات کو ''تزاوُر'' کہا گیا ہے اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ جب ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرے تو دوسرا بھی اسی طرح اس سے ملاقات کرنے جائے. لہٰذا اخوت اور دوستی، اسی وقت کامیاب کہلائے گی

جب اس میں دوطرفہ رابطہ پایا جائے۔

زندگی میں خوشی اور غم کے جو مختلف مواقع آتے ہیں ہم روایات کی روشنی میں ان میں سے صرف دو اہم مواقع کا تذکرہ کر رہے ہیں:

ا۔ دعوت قبول کرنا

برادران ایمانی کے جو حقوق ایک دوسرے کے ذمہ ہیں ان میں سے ایک حق ''مومنین کی دعوت کو قبول کرنا'' بھی ہے اور اس کو روایات میں باقاعدہ حق قرار دیا گیا ہے. جیسا کہ امام جعفر صادق کا ارشاد ہے:

''مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ أَنْ يُجِيبَهُ إِذَا دَعَاهُ'' ''ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب وہ اسے دعوت دے تو اسے قبول کرلے۔''(۱)

دوسری روایت میں مومن کی دعوت کو قبول نہ کرنے کو مومن کے اوپر ظلم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اجداد طاہرین کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ: ''ثَلَاثَةٌ مِنَ الْجَفَاءِ... أَنْ يُدْعَى الرَّجُلُ إِلَى طَعَامٍ فَلَا يُجِيبُ أَوْ يُجِيبُ فَلَا يَأْكُلُ...'' ''تین کام ظلم ہیں. ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی مومن کھانے پر مدعو کرے تو اسے قبول نہ کرے یا قبول تو کرلے مگر کھانا نہ کھائے۔''(۲)

امام صادق کا ارشاد ہے علیہ السلام: ''مِنَ الْحُقُوقِ الْوَاجِبَاتِ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ أَنْ يُجِيبَ دَعْوَتَهُ'' ''ایک مومن کے اوپر دوسرے مومن کے واجب حقوق میں سے ایک یہ حق بھی ہے کہ اس کی دعوت کو قبول کرے۔''(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۹، حدیث ۵

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۱، حدیث ۵

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۸۹، حدیث ۶

مذکورہ روایت میں اس حق کو صریحاً واجب قرار دیا گیا ہے۔ جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے. کیونکہ جب کوئی آدمی کسی کو دعوت دیتا ہے تو اس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں البتہ عام طور سے ولیمہ یا کھانے کی دعوت کو ہی اصل دعوت کہا جاتا ہے. اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی دعوت کرتا ہے تو پھر مہمان کے شایان شان اہتمام بھی کرتا ہے اور اس پر رقم خرچ کرتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے تمام مہمان اس کی دعوت میں شریک ہوں چنانچہ اس دعوت میں شرکت سے ایک طرف تو میزبان کا دل خوش ہوتا ہے. جس سے مومن کو خوش کرنے کا ثواب ملتا ہے اور دوسری طرف مہمان کے احترام سے "احترام مومن" کا ثواب حاصل ہوتا ہے لہٰذا کسی بھی مومن کو عذر کے بغیر اپنے برادر مومن کی دعوت ٹھکرانا نہیں چاہئے اسی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کی دعوت قبول کرنے کو دین کا حصہ قرار دیا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:

"اُوْصِی الشَّاهِدَ مِنْ اُمَّتِی وَ الغَائِبَ اَنْ یُجِیْبَ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِ وَ لَوْ عَلٰی خَمْسَةِ اَمْیَالٍ فَاِنَّ ذَالِکَ مِنَ الدِّیْنِ" "اپنی امت کے ہر موجود اور غائب شخص سے میری وصیت ہے کہ مسلمان کی دعوت کو ضرور قبول کرے چاہے پانچ میل دور ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ یہ دین کا حصہ ہے۔"(۱)

دوسری حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "مَنْ لَمْ یُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ یُکْرَهُ اِجَابَةُ مَنْ یَشْهَدُ وَلِیْمَةَ الأَغْنِیَاءِ دُوْنَ الْفُقَرَاءِ" "جو شخص کسی کی دعوت قبول نہ کرے اس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے البتہ جس دعوت میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے اسمیں شرکت کرنا مکروہ ہے۔"(۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۹، حدیث ۷

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۹، حدیث ۱۱

اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان کی دعوت رد کرنے کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی دعوت کو قبول کرنا مومنین کے حق کے علاوہ خدا کے حکم کی اطاعت بھی ہے. ہاں اگر اس دعوت میں صرف مالداروں کو ہی مدعو کیا جائے تو پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق اس میں شرکت نہیں کرنا چاہئے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے مادی برتری کے تمام معیاروں کو ختم کر دیا ہے اور اسے یہ ہرگز پسند نہیں ہے کہ صرف مال و دولت کی بنا پر کسی کو فضیلت دی جائے اور غربت کی بنا پر دوسرے لوگوں کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اسلام کی نظر میں فضیلت اور برتری کا صرف ایک ہی معیار ہے اور وہ ہے تقویٰ۔

لہٰذا اگر کسی اندازِ احترام سے مال و دولت یا قومیت کی بو آتی ہو تو وہ اسلام کی نگاہ میں لائق مذمت ہے یہی وجہ ہے کہ جس دسترخوان پر صرف اہل دولت مدعو ہوں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور یہی سبب تھا کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی کہ بصرہ میں آپ کے گورنر جناب عثمان بن حنیف نے ایک ایسی ہی دعوت میں شرکت کی ہے تو آپ نے ان کی باقاعدہ تنبیہ فرمائی جیسا کہ نہج البلاغہ میں ان کے نام آپ کا یہ خط موجود ہے: "یَابْنَ حُنَیْفٍ فَقَدْ بَلَغَنِی اَنَّ رَجُلاً مِن فِتْیَةِ اَهلِ الْبَصْرَةِ دَعَاکَ اِلٰی مَادُبَةٍ فَاَسْرَعْتَ اِلَیْهَا فَسْتَطَابُ لَکَ الْاَلْوَانُ وَ تُنْقَلُ اِلَیْکَ الْجِفَانُ وَ مَا ظَنَنْتُ اَنَّکَ تُجِیْبُ اِلٰی طَعَامِ قَوْمٍ عَائِلُهُمْ مَجْفُوٌّ وَغَنِیُّهُمْ مَدْعُوٌّ"

"اے ابن حنیف مجھے یہ خبر ملی ہے کہ بصرہ کے ایک جوان نے تمہاری دعوت کی تو تم فوراً پہونچ گئے اور تمہارے سامنے یکے بعد دیگرے رنگ برنگے کھانے اور طرح طرح کے خوان پیش کئے جا رہے تھے مجھے یہ امید نہ تھی کہ تم ایسی دعوت کو قبول کرو گے جہاں غریبوں کو نظر انداز کر کے

صرف مالداروں کو دعوت دی گئی ہے۔"(۱)

لہٰذا جب تک دعوت میں اسلامی احکام کے خلاف کوئی بات نہ ہو مومن کی دعوت کو رد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ مومن کا حق بھی ہے اور خدا و رسول کے حکم کی اطاعت بھی ہے۔

۲۔ تعزیت

ایک دوسرے کی گردن پر مومنین کا ایک اور حق یہ ہے کہ جب کوئی مومن دنیا سے گذر جائے تو اس کی تشییع جنازہ، تکفین، تدفین اور ایصال ثواب کی مجالس وغیرہ میں شرکت کریں. اس بارے میں معصومین علیہم السلام نے خاص تاکید کی ہے بلکہ مسلمان کے غسل و کفن نماز جنازہ اور تدفین کو تو اسلام نے واجب کفائی قرار دیا ہے اس بات کی مزید اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے مندرجہ ذیل روایات کو بغور ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے: "مَنْ شَيَّعَ جَنَازَةَ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ أُعْطِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَرْبَعَ شَفَاعَاتٍ وَ لَمْ يَقُلْ شَيْئاً إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَ لَكَ مِثْلُ ذٰلِكَ" "جو شخص کسی مسلمان کی تشییع جنازہ میں شرکت کرے گا اسے روز قیامت چار شفاعتیں نصیب ہونگی اور وہ مردہ کے حق میں جو بھی دعا کرے گا فرشتہ اس سے کہے گا کہ تمہیں بھی اسی کے برابر حق دیا گیا ہے۔"(۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "مَنْ شَيَّعَ جَنَازَةَ مُؤْمِنٍ حَتّٰى يُدْفَنَ فِي قَبْرِهِ وَكَّلَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ سَبْعِينَ أَلْفَ مَلَكٍ مِنَ الْمُشَيِّعِينَ يُشَيِّعُونَهُ وَ يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ إِذَا خَرَجَ مِنْ قَبْرِهِ" "جو شخص کسی مرد مومن کی تشییع جنازہ میں دفن تک ساتھ رہے

---

(۱) بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۲۹، حدیث ۶۸۶

(۲) بحار الانوار: ج ۸۰، باب ۷، حدیث ۲

تو خداوند عالم اس کے پیچھے چلنے کے لئے تشییع کرنے والے فرشتوں میں سے ستر ہزار فرشتے معین کر دیتا ہے جو اس کے قبر سے نکلنے پر اس کی تشییع کریں گے اور اس کے لیے استغفار کریں گے۔"(۱)

آپ کا ہی یہ ارشاد بھی ہے: "مَنْ شَيَّعَ جَنَازَةَ مُؤْمِنٍ حُطَّ عَنْهُ خَمْسٌ وَ عِشْرُونَ كَبِيرَةً" "مومن کی تشییع جنازہ کرنے والے کے پچیس گناہ کبیرہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔"(۲)

اس طرح آپ نے جناب خیثمہ سے خطاب کر کے یہ فرمایا: "يَا خَيْثَمَةَ أَقْرِءْ مَوَالِيَنَا السَّلَامَ وَ أَوْصِهِمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ الْعَظِيمِ ... وَ أَنْ يَشْهَدَ أَحْيَاؤُهُمْ جَنَائِزَ مَوْتَاهُمْ" "اے خیثمہ ہمارے چاہنے والوں کو ہمارا اسلام کہنا اور انہیں رب ذوالجلال کے تقویٰ اور خوف کی وصیت کرنا۔۔۔ اور یہ بھی (کہنا) کہ وہ اپنے مردوں کی تشییع جنازہ میں ضرور شرکت کیا کریں۔"(۳)

امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

"أَيُّمَا مُؤْمِنٍ غَسَّلَ مُؤْمِناً فَقَالَ إِذَا قَلَّبَهُ: اَللّٰهُمَّ هٰذَا بَدَنُ عَبْدِكَ الْمُؤْمِنِ وَ قَدْ أَخْرَجْتَ رُوحَهُ مِنْهُ وَ فَرَّقْتَ بَيْنَهُمَا فَعَفْوَكَ عَفْوَكَ. غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ ذُنُوبَ سَنَةٍ إِلَّا الْكَبَائِرَ"

"جب کوئی شخص کسی مومن کی میت کو غسل دے اور اس کو کروٹ دیتے وقت یہ کہے! بار الٰہا یہ تیرے مومن بندے کا بدن ہے تو نے اس کی روح نکال لی ہے اور ان دونوں میں جدائی ڈال دی ہے لہٰذا اسے بخش دے اسے معاف فرما دے تو خداوند عالم گناہ کبیرہ کے علاوہ اس کے ایک سال کے تمام گناہ بخش دے گا۔"(۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۷، حدیث ۱

(۲) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۷، حدیث ۶

(۳) بحار الانوار: ج ۸۱، باب ۷ حدیث ۹

(۴) بحار الانوار: ج ۸۰، باب ۹، حدیث ۵

امام صادق کا ارشاد ہے علیہ السلام: ''مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا مُؤْمِنًا فَاَدّیٰ فِيهِ الْاَمَانَةَ غُفِرَ لَهُ. قِيلَ: وَكَيْفَ يُؤَدِّی فِيهِ الْاَمَانَةَ؟ قَالَ: لَا يُخْبِرُ بِمَا يَرَیٰ'' ''جو شخص کسی مرد مومن کو غسل دے اور امانت داری سے کام لے تو اس کے گناہ معاف کر دئے جائیں گے. سوال کیا گیا کہ یہاں امانت داری سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ جو کچھ دیکھا ہے اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہے۔''(۱)

امام حسن علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ نقل کیا ہے کہ: ''مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُصَلّی عَلَی الْجَنَائِزِ اِلَّا اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ اِلَّا اَنْ يَكُونَ مُنَافِقاً اَوْ عَاقًّا'' ''کوئی مرد مومن جب کسی کی نماز جنازہ پڑھتا ہے تو خداوند کریم اس کے لئے جنت کو واجب کر دیتا ہے مگر یہ کہ وہ منافق یا عاق شدہ ہو۔''(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اجداد کرام کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ نقل کیا ہے۔ ''مَنْ صَلّیٰ عَلیٰ مَيِّتٍ صَلّیٰ عَلَيْهِ سَبْعُونَ اَلْفَ مَلَكٍ وَ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَا تَأَخَّرَ، فَاِنْ قَامَ حَتّیٰ يُدْفَنَ وَ يُحْثیٰ عَلَيْهِ التُّرَابُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ قَدَمٍ نَقَلَهَا قِيرَاطاً مِنَ الْاَجْرِ وَ الْقِيرَاطُ مِثْلُ جَبَلِ اُحُدٍ'' ''جو شخص کسی میت کی نماز جنازہ پڑھے گا تو اس کے اوپر ستر ہزار فرشتے نماز پڑھیں گے اور خداوند عالم اس کے گذشتہ اور آئندہ تمام گناہ بخش دے گا. اور اگر وہ اس کی تدفین اور قبر پر مٹی ڈالے جانے تک وہیں کھڑا رہے تو اس کے لئے ہر قدم کے بدلے ایک قیراط ثواب ہے اور وہ قیراط کوہ احد کے برابر ہے۔''(۳)

---

(۱) بحارالانوار: ج ۸۰، باب ۸، حدیث ۶

(۲) بحارالانوار: ج ۷۸، ۳۴۷

(۳) بحارالانوار: ج ۷۶، باب ۶، حدیث ۱

مذکورہ احادیث سے تشییع جنازہ، تجہیز و تکفین اور دفن میں شرکت کا ثواب واضح ہو جاتا ہے نیز اس ثواب کی کثرت اور عظمت سے اس عمل کی اہمیت کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مردوں کے بارے میں ہی مومنین کے اوپر ایک اور حق بھی ہے کہ ان کے سوگ میں شرکت کریں اور ان کے ورثاء اور پسماندگان کی دلجوئی کریں اور انہیں تعزیت پیش کریں اور مردے کے حق میں دعائے خیر اور ان کی قبروں کی زیارت کی جائے اس بارے میں بھی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: ''مَنْ عَزّیٰ مُصَاباً فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ'' ''کسی مصیبت زدہ کی دلجوئی کرنے اور اسے تعزیت پیش کرنے والے کو بھی اسی کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔''(۱)

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: ''مَنْ عَزّیٰ أَخَاهُ الْمُؤْمِنَ مِنْ مُصِيبَتِهِ كَسَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' ''جو شخص کسی مرد مومن کی مصیبت میں اس کو تعزیت پیش کر کے اس کی دلجوئی کرے گا تو خداوند عالم قیامت کے دن کرامت و بزرگواری کا لباس اس کے زیب تن کرے گا۔''(۲)

حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے علیہ السلام: ''مَنْ عَزَّ الثَّكْلیٰ أَظَلَّهُ اللّٰهُ فِی ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ'' ''جو شخص کسی غمزدہ کو تعزیت پیش کرے گا خداوند عالم اسے اس دن اپنے عرش کے زیر سایہ جگہ عنایت فرمائے گا جس دن اس کے سایۂ رحمت کے علاوہ کوئی سایہ موجود نہ ہوگا۔''(۳)

---

(۱) بحارالانوار: ج ۸۲، باب ۱۶، حدیث ۴۹

(۲) بحارالانوار: ج ۸۲، باب ۱۶، حدیث ۴۹

(۳) بحارالانوار: باب ۲۶، حدیث ۱۵۷

آپ کا ہی یہ ارشاد بھی ہے: ''زُوْرُوْا مَوْتَاكُمْ فَاِنَّهُمْ يَفْرَحُوْنَ بِزِيَارَتِكُمْ وَ لْيَطْلُبِ الرَّجُلُ حَاجَتَهُ عِنْدَ قَبْرِ اَبِيْهِ وَ اُمِّهِ بَعْدَ مَا يَدْعُوْ لَهُمَا'' ''اپنے مرحومین کی قبروں کی زیارت کے لئے جاتے رہا کرو کیونکہ وہ تمہاری زیارت سے خوش ہوتے ہیں اور اگر کسی شخص کو کچھ حاجت ہو تو اپنے باپ یا ماں کی قبر کے پاس جا کر پہلے ان کے لئے دعائے خیر کرے پھر اپنی حاجت طلب کرے۔''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے آپ کے کسی چاہنے والے نے یہ سوال کیا کہ: جو مرد مومن اپنے والدین یا جان پہچان والے یا کسی انجان شخص کی قبر پر جاتا ہے تو اس سے میت کو بھی کوئی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟

تو آپ نے یہ فرمایا: ''نَعَمْ اِنَّ ذٰلِكَ يُدْخِلُ عَلَيْهِ كَمَا يُدْخِلُ عَلٰى اَحَدِكُمُ الْهَدِيَّةَ يَفْرَحُ بِهَا'' ''ہاں کیوں نہیں، یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح تم کوئی ہدیہ یا تحفہ پا کر خوش ہوتے ہو مردہ بھی اس سے اسی طرح خوش ہوتا ہے۔''(۲)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۱۰۱، باب ۷، حدیث ۱

(۲) بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۶۴

خلاصہ:

سماجی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر زندگی گذارنے کے لئے مومنین کے اوپر ایک حق یہ بھی ہے ایک دوسرے کے غم اور خوشی کے مواقع پر شرکت کریں اور اگر کوئی دنیا سے چلا جائے تو اس کے تشییع جنازہ، تجہیز و تکفین، فاتحہ، قرآن خوانی اور مجالس ترحیم وغیرہ میں شرکت کریں اور اس کے پسماندگان کو تعزیت پیش کر کے ان کی دل جوئی کریں۔

سوالات:

۱۔ مومن کی دعوت رد کرنے کو اس کے اوپر ظلم و جفا کیوں قرار دیا گیا ہے؟

۲۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں کس شخص کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے؟

۳۔ دنیا سے اٹھ جانے والے مومنین کے بارے میں ہمارے فرائض کیا ہیں؟

۴۔ غمزدہ کے ساتھ کیسا برتاؤ ہونا چاہئے؟

۵۔ کیا کسی مومن کو اس کے مرنے کے بعد بھی خوش کیا جا سکتا ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہے؟

انیسواں سبق

ملاقات اور مہمان نوازی

ایک دوسرے سے ملاقات کرنا بھی اسلام کے معاشرتی اصولوں میں شامل ہے کیوں کہ اسلامی اخلاقیات کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ مومنین مسلسل ایک دوسرے سے ملاقات کرکے اور ان کی خبر گیری اور مزاج پرسی کرتے رہیں کہ اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ دو دوستوں کی ملاقات میں جتنا زیادہ فاصلہ ہوتا جائے گا انہیں ایک دوسرے سے الگ رہنے کی عادت ہو جائے گی اور کچھ مدت بعد وہ ایک دوسرے کو بھول جائیں گے. لہٰذا جو مومنین ایک دوسرے کے نزدیک رہتے ہیں انہیں مسلسل اپنے بھائیوں سے ملاقات کرتے رہنا چاہئے اور اگر دور ہوں تو پھر خط، ٹیلیفون یا دوسرے ذرائع سے ایک دوسرے سے باخبر رہ کر آپس میں اظہار محبت کرتے رہنا چاہئے۔

اسلام نے مومنین کو آپس میں بھائی چارہ، دوستی اور پیار و محبت اور ایک دوسرے کے ساتھ گہرے اور عمیق تعلقات رکھنے کا حکم دیا ہے اور چونکہ ملاقات، دوستی اور تعلقات کو استوار رکھنے کا سب سے اہم رکن ہے اور اس سے تعلقات مزید مستحکم ہوتے ہیں لہٰذا اسلام نے اس پر بھی خصوصی توجہ دی ہے اور مومنین کو اس کی طرف ترغیب دلائی ہے یہاں تک کہ بعض روایات میں تو مومن سے ملاقات کو خدا کی ملاقات قرار دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''مَنْ زَارَ اَخَاهُ الْمُؤْمِنَ اِلٰی مَنْزِلِهِ لَا حَاجَةَ مِنْهُ اِلَيْهِ كُتِبَ مِنْ زُوَّارِ اللهِ وَ كَانَ حَقِيْقاً عَلَی اللهِ اَنْ يُكْرِمَ زَائِرَهُ'' ''جو شخص اپنے مومن بھائی کے گھر جا کر اس سے ملاقات کرے اور اسے اس سے کوئی کام بھی نہ ہو تو اسے زائرین خدا میں

شمار کیا جاتا ہے اور خدا پر حق ہے کہ وہ اپنے زائرین کا احترام کرے۔''(۱)

دوسرے مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''مَنْ زَارَ اَخَاهُ فِی بَيْتِهِ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ: اَنْتَ ضَيْفِی وَ زَائِرِی عَلَیَّ قِرَاکَ وَ قَدْ اَوْجَبْتُ لَکَ الْجَنَّةَ بِحُبِّکَ اِيَّاهُ'' ''جو شخص اپنے مومن بھائی کے گھر جا کر اس سے ملاقات کرے تو خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: تم میرے مہمان اور زائر ہو تمہاری مہمان نوازی میرے ذمہ ہے اور تمہیں اپنے بھائی سے جو محبت ہے اس کی بنا پر میں نے تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے۔''(۲)

امام صادق علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ: ''مَنْ زَارَ اَخَاهُ فِی اللهِ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: اِيَّایَ زُرْتَ وَ ثَوَابُکَ عَلَیَّ وَ لَسْتُ اَرْضٰی لَکَ ثَوَاباً دُوْنَ الْجَنَّةِ'' ''جو شخص خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے کسی مومن سے ملاقات کرے تو پروردگار عالم فرماتا ہے تو نے میری زیارت کی ہے اور تیرا ثواب میرے ہی ذمہ ہے اور میں تیرے لئے جنت سے کمتر ثواب پر راضی نہیں ہوں گا۔''(۳)

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

''حَدَّثَنِی جِبْرَئِيْلُ علیہ السلام: اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ اَهْبَطَ اِلَی الْاَرْضِ مَلَكاً فَاَقْبَلَ ذٰلِکَ الْمَلَکُ يَمْشِی حَتّٰی وَقَعَ اِلٰی بَابٍ عَلَيْهِ رَجُلٌ يَسْتَاذِنُ عَلٰی رَبِّ الدَّارِ. فَقَالَ لَهُ الْمَلَکُ: مَا حَاجَتُکَ اِلٰی رَبِّ هٰذِهِ الدَّارِ؟ قَالَ: اَخٌ لِی مُسْلِمٌ زُرْتُهُ فِی اللهِ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی. فَقَالَ لَهُ الْمَلَکُ: مَا جَاءَ بِکَ اِلَّا ذَاکَ؟ قَالَ: مَا جَاءَ بِی اِلَّا ذَاکَ.

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۱، حدیث ۷۷

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۱، حدیث ۶۲

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۸۱، حدیث ۴

قال: فانی رسول الله الیک و ھو یقرئک السلام و یقول: وجبت لک الجنۃ و قال الملک: انّ اللہ عزّ و جلّ یقول: أیما مسلمٍ زار مسلماً فلیس ایاہ زار بل ایای زار و ثوابہ علیّ الجنّۃ"

آپؐ نے فرمایا ہے کہ: مجھ سے جبرئیل نے بیان کیا ہے کہ پروردگار عالم ایک فرشتہ زمین پر بھیجتا ہے اور وہ چلتے چلتے اس دروازے تک پہونچ جاتا ہے جہاں کوئی شخص کسی صاحب خانہ سے اس کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت لے رہا ہے. وہ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ اس صاحب خانہ سے تمہیں کیا کام ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ میرا مسلمان بھائی ہے میں خدا کی خاطر اس سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ اس کے علاوہ تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ نہیں اور کوئی کام نہیں ہے تو فرشتہ جواب دیتا ہے کہ مجھے تمہارے پاس خداوند عالم نے بھیجا ہے اور تمہیں سلام کہلایا ہے اور خدا ارشاد فرماتا ہے کہ تمہارے لئے جنت مجھ پر واجب ہے پھر فرشتہ کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان سے ملاقات کرتا ہے تو گویا اس نے اس سے ملاقات نہیں کی بلکہ مجھ سے ملاقات کی ہے اور اس کا ثواب میرے ذمہ یہ ہے کہ اسے جنت عطا کروں۔"(۱)

ان احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ معصومین علیہم السلام نے ملاقات کرنے کے کتنے فضائل بیان کئے ہیں اور ان کو خداوند عالم کی زیارت اور اس سے ملاقات قرار دیا ہے. البتہ مذکورہ دو حدیثوں میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ ملاقات صرف اور صرف خدا کی خوشنودی کے لئے ہو اور اس سے ملاقات کرنے کی خاطر ہی ہو لہذا جو لوگ ضرورت کے وقت اور کوئی کام پڑنے پر کسی سے ملاقات کرنے جاتے ہیں تو اس کو واقعی ملاقات نہیں کہا جا سکتا اور ایسی ملاقاتوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ

---

(۱) بحارالانوار: ج ۵۹، باب ۲۳، حدیث ۳۹

دوستی اور محبت کے حق کی ادائیگی کے بجائے ایک طرح کی خودخواہی ہے۔

روایات میں مومنین کی ملاقات کے بے شمار فوائد اور آثار بیان کئے گئے ہیں جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مومنین ایک دوسرے سے جو ملاقات کرتے ہیں اس کے ذریعہ ان کے دل زندہ ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: "تزاوروا فانّ فی زیارتکم أحیاء قلوبکم و ذکراً لاحادیثنا و احادیثنا تعطّف بعضکم علیٰ بعضٍ فان أخذتم بھا رشدتم و نجوتم و ان ترکتموھا ضللتم و ھلکتم فخذوا بھا و أنا بنجاتکم زعیم" "ایک دوسرے سے ملتے رہو کیونکہ اس سے تمہارے دل زندہ ہوتے ہیں اور ہماری حدیثوں کا ذکر ہوتا ہے جو تم کو ایک دوسرے سے نزدیک کرتی ہیں اگر تم ان پر عمل کروگے تو کامیابی اور نجات تمہارے لئے یقینی ہے اور اگر تم نے انہیں ترک کر دیا تو پھر گمراہ اور ہلاک ہو جاؤ گے. لہذا ان احادیث پر اچھی طرح عمل کرو میں تمہاری نجات کا ذمہ دار ہوں۔"(۱)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے: "تزاوروا فی بیوتکم فانّ ذلک حیاۃٌ لأمرنا رحم اللہ عبداً أحیا أمرنا" "اپنے گھروں میں ایک دوسرے سے ملاقات کرو کیونکہ اس سے ہمارے مشن کو زندگی ملتی ہے پروردگار عالم اس بندہ پر رحمت نازل کرے جو ہمارے مشن کو زندہ کرتا ہے۔"(۲) (گھر سے باہر ہوٹلوں یا کسی اور جگہ، ملاقات یا دعوت کا اہتمام کرنے والے حضرات اس حدیث پر توجہ فرمائیں ـــــ مترجم)

ان روایات میں ایک اور نکتہ یہ پایا جاتا ہے کہ ہمارے ائمہ ہم سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب ہم کسی سے ملاقات کرنے جائیں تو ائمہؑ کی احادیث بیان کریں تا کہ اس کے ذریعہ دین اہلبیت علیہم السلام اور ان کی سیرت زندہ رہے اور ہمارے دل بھی اس کے ذریعہ روشن و منور ہوتے رہیں

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۴، باب ۱۵، حدیث ۵۶
(۲) بحارالانوار: ج ۲، باب ۱۹، حدیث ۶ رہیں۔

اسی طرح ملاقات کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس سے آپسی محبت میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے: "اَلزِّيَارَةُ تُنْبِتُ الْمَوَدَّةَ" "ملاقات کرنے سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔"(۱)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: "لِقَاءُ الْإِخْوَانِ مَغْنَمٌ جَسِيمٌ وَإِنْ قَلُّوا" "دوستوں سے ملاقات کرنا بیحد مفید ہے چاہے ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔"(۲)

ضیافت و مہمان نوازی

جب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا کوئی عزیز یا کوئی دوسرا شخص ہم سے ملنے کے لئے آرہا ہے تو پھر ہم اس کی ضیافت اور خاطر و تواضع بھی کرتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی مناسب جگہ بیٹھ کر ایک دوسرے کی احوال پرسی کریں اور چونکہ مہمان نوازی ایک دوسرے سے ملاقات کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اس سے دلوں میں الفت و محبت کے رشتے مزید قوی ہوتے ہیں اسی لئے معصومین علیہم السلام نے ہمارے اندر اس کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے اس کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اسی بارے میں فرمایا ہے: "كُلُّ بَيْتٍ لَا يَدْخُلُ فِيهِ الضَّيْفُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ" "جس گھر میں مہمان نہیں آتا اس میں ملائکہ بھی داخل نہیں ہوتے۔"(۳)

یا آپ نے فرمایا ہے: "لَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يُضِيفُ" "جو مہمان نوازی نہیں کرتا ہے اس میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔"(۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج۲۱، حدیث۳۶

(۲) بحار الانوار: ج۷۴، باب۲۱، حدیث۱۶

(۳) بحار الانوار: ج۷۵، باب۹۳، حدیث۱۴

(۴) محجة البیضاء: ج۳، ص۳۲

آپ نے مہمان سے ناراض ہونے کو خدا سے ناراضگی قرار دیا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے: "لَا تَكَلَّفُوا لِلضَّيْفِ فَتُبْغِضُوهُ فَإِنَّ مَنْ أَبْغَضَ الضَّيْفَ فَقَدْ أَبْغَضَ اللهَ وَمَنْ أَبْغَضَ اللهَ أَبْغَضَهُ اللهُ" "مہمان کے لئے تکلفات کر کے اپنے کو زحمت میں نہ ڈالو ورنہ تم اس سے بیزار ہو جاؤ گے اور جو مہمان سے ناراض ہوتا ہے وہ گویا خدا سے ناراض ہے اور جو خدا سے ناراض ہوتا ہے تو خدا بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔"(۱)

آپ نے یہ بھی فرمایا: "اَلضَّيْفُ يَنْزِلُ بِرِزْقِهِ وَيَرْتَحِلُ بِذُنُوبِ أَهْلِ الْبَيْتِ" "مہمان اپنا رزق ہمراہ لیکر آتا ہے اور اہل خانہ کے گناہ ساتھ لیکر رخصت ہوتا ہے۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَلْيَصِلْ بِهِ الْقَرَابَةَ وَلْيُحْسِنْ مِنْهُ الضِّيَافَةَ" "جسے خداوند عالم نے مال و دولت سے نوازا ہے اسے مال کے ذریعہ صلۂ رحم اور اچھی طرح مہمان نوازی کرنا چاہئے۔"(۳)

ضیافت کے آداب

اسلام نے مہمان نوازی کے بھی کچھ آداب اور اصول معین فرمائے ہیں جن میں سے کچھ کا تعلق میزبان سے ہے اور بعض مہمان کے لئے ہیں یہاں بعض اہم چیزوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

۱۔ مہمان داری کا سب سے اہم معیار تقویٰ ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ صرف دیندار لوگوں کی دعوت کرے اور انہیں کے یہاں دعوت میں شرکت کرے اور بے دین اور فاسق و فاجر افراد کی نہ تو دعوت کرے اور نہ ہی ان کی دعوتوں میں شریک ہو۔

---

(۱) محجة البیضاء: ص۳۱

(۲) بحار الانوار: ج۷۵، باب۹۳، حدیث۱۴

(۳) بحار الانوار: ج۷۴، باب۳۰، حدیث۱۴

پیغمبر اکرم ﷺ نے اس بارے میں فرمایا: "لَاتَاکُلْ اِلَّا طَعَامَ تَقِیٍّ وَ لَایَاکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ" "صرف متقی کے یہاں کھانا کھاؤ اور تمہارے یہاں بھی متقی کے علاوہ کوئی اور نہ کھائے۔"(۱)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "لَا تَاکُلْ طَعَامَ الْفَاسِقِیْنَ" "فاسقوں کا کھانا نہ کھاؤ۔"

اسی طرح فرمایا ہے: "اَضِفْ بِطَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ مَنْ تُحِبُّہُ فِی اللّٰہِ تَعَالیٰ" "اپنے کھانے پانی سے اس کی ضیافت کرو جس سے تم خدا کے لئے محبت کرتے ہو۔"(۲)

۲۔ دوسرے یہ کہ اپنی دعوت میں غریبوں اور مالداروں کے درمیان کوئی فرق نہ رکھے اور صرف مومنین اور صاحبان تقویٰ کی دعوت کرے چاہے وہ غریب ہی کیوں نہ ہوں اور اسی طرح دوسرے کی دعوت قبول کرتے وقت بھی اس کے ایمان اور تقویٰ پر نظر رکھے نہ کہ مال و دولت پر۔ جیسا کہ نقل ہوا ہے کہ ایک دن امام حسن علیہ السلام ایک راستہ سے گذر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ کچھ فقیر ایک ٹیلے پر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے ہیں جب انہوں نے امام علیہ السلام کو دیکھا تو عرض کی: اے فرزند رسولؐ! کیا آپ ہمارے ساتھ کھانا پسند کریں گے؟ حضرتؑ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ﴾ کیوں نہیں. خداوند عالم تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے اس کے بعد آپ گھوڑے سے اترے اور ان کے پاس بیٹھ گئے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور رخصت ہو کر چلے گئے۔(۳)

اسی طرح مسافت کی دوری کی بنا پر کسی کی دعوت سے جان نہیں چرانا چاہئے. جیسا کہ گذشتہ سبق میں ہم نے پیغمبر اکرم ﷺ کی یہ حدیث نقل کی تھی کہ آپ نے فرمایا ہے کہ: "اگر برادر مومن کی دعوت کو قبول کرنے کے لئے پانچ میل جانا پڑے تب بھی اس کی دعوت میں شرکت کرو۔"(۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۴۷، حدیث ۸۶

(۲) بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۴، حدیث ۲

(۳) اعیان الشیعہ: ج ۴، ص ۲۴

(۴) بحار الانوار: ج ۷۲، ص ۴۴۷

۳۔ مہمان جب میزبان کی بزم میں داخل ہو تو جہاں خالی جگہ دکھائی دے وہیں بیٹھ جائے اور صدر مجلس یا کسی اچھی جگہ کی خواہش نہ کرے اور دوسروں کو اپنے لئے جگہ بنانے کی زحمت نہ دے اسی طرح میزبان جہاں بیٹھنے کے لئے کہے وہیں بیٹھ جائے۔

۴۔ میزبان اپنے مہمان سے کام نہ لے جیسا کہ امام صادق علیہ السلام کے ایک مہمان ایک بار کوئی کام کرنے کے لئے اٹھے تو آپ نے ان کو منع کر کے وہ کام خود انجام دیا اور فرمایا: "نَهیٰ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ اَنْ یُسْتَخْدَمَ الضَّیْفُ" "رسول خدا ﷺ نے مہمان سے کام لینے کے لئے منع فرمایا ہے۔"(۱)

۵۔ مہمان کی وجہ سے میزبان اپنے گھر والوں اور خود اپنے کو زحمت میں نہ ڈالے جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک حدیث اس بارے میں گذر چکی ہے جس میں آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے گھر حضرت علی علیہ السلام کو مدعو کیا تو آپؑ نے فرمایا: اگر تین باتوں کا وعدہ کرو گے تو میں تمہاری دعوت قبول کروں گا اس نے کہا وہ تین چیزیں کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا: "لَاتُدْخِلُ عَلَیَّ شَیْئاً مِنْ خَارِجٍ وَ لَاتَدَّخِرُ عَلَیَّ شَیْئاً فِی الْبَیْتِ وَ لَاتُجْحِفُ بِالْعِیَالِ" "میرے لئے گھر کے باہر سے کوئی چیز نہ لانا. اور نہ ہی گھر کی کوئی چیز میرے لئے خاص طور سے بچا کر رکھنا اور نہ اپنے گھر والوں کو زحمت میں ڈالنا۔"(۲)

اس نے کہا مجھے قبول ہے: تو آپؑ نے اس کی دعوت قبول کر لی۔

اصولی طور پر مہنگی دعوتیں دوستی اور محبت کے اصولوں کے برخلاف ہیں کیونکہ ہر ایک کی مالی حیثیت برابر نہیں ہوتی ہے لہٰذا کم در آمد والے مومنین یا تو شرمندہ ہوں گے اور ایسی دعوتوں میں

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۳۱، حدیث ۴۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۹۱، حدیث ۴

شرکت نہ کریں گے یا پھر مقابلہ اور رقابت کی نیت سے مجبوراً اپنا سرمایہ خرچ کرنا پڑے گا جس سے آپسی محبت میں اضافہ کے بجائے فاصلے پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ دعوتیں دوستی کے بجائے مقابلہ کے میدان میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

۶۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد میزبان سب سے پہلے کھانا شروع کرے اور سب سے آخر تک کھاتا رہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

"كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا اُكَلَ مَعَ الْقَوْمِ اَوَّلَ مَنْ يَضَعُ يَدَهُ مَعَ الْقَوْمِ وَ آخِرَ مَنْ يَرْفَعُهَا لِاَنْ يَاْكُلَ الْقَوْم" "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کے ساتھ کھانا کھاتے تھے تو سب سے پہلے خود کھانا شروع کرتے تھے اور سب سے آخر میں ہاتھ کھینچتے تھے تاکہ دوسرے بآسانی اچھی طرح کھانا کھا سکیں اور تکلف نہ کریں۔"(۱)

۷۔ جب مہمان گھر سے واپس جانے کا ارادہ کرے تو میزبان گھر کے دروازے تک اسے رخصت کرنے جائے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "اِنَّ مِنْ سُنَّةِ الضَّيْفِ اَنْ يُشَيَّعَ اِلَى بَابِ الدَّارِ" مہمان نوازی میں سنت یہ ہے کہ گھر کے دروازہ تک مہمان کو رخصت کیا جائے۔

اسی طرح مہمان بھی میزبان کی اجازت کے بعد ہی گھر سے نکلے اور رخصت ہوتے وقت خندہ پیشانی کے ساتھ مسکرا کر نیز خوشی کا اظہار اور شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۹۱، حدیث ۲۲

خلاصہ:

ایک دوسرے سے ملاقات کرنے سے مومنین کی آپسی محبت اور تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے اسی لئے روایات میں اس کی خاصی تاکید کی گئی ہے اور معصومینؑ نے اس کی ترغیب دلائی ہے۔

یہی فائدہ مومنین کی ضیافت اور مہمان نوازی میں بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہمان نوازی کا ایک اسلامی اصول یہ ہے کہ صرف نیک اور صالح افراد کی دعوت کی جائے نہ کہ فاسق و فاجر اور برے لوگوں کی اور اسی طرح فقیر و امیر کے درمیان کوئی فرق نہ رکھا جائے کیونکہ اسلام میں فضیلت اور برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

میزبان اپنے مہمان سے کام نہ لے اور مہمان کی وجہ سے اپنے کو اور اپنے اہل خانہ کو زحمت میں نہ ڈالے اور جب وہ رخصت ہونے لگے تو دروازے تک اسے رخصت کرنے جائے۔

میزبان دسترخوان پر سب سے پہلے کھانا شروع کرے اور سب سے آخر تک کھاتا رہے۔

سوالات:

۱۔ روایات کے مطابق مومنین کی ملاقات کا مرتبہ کیا ہے؟

۲۔ کیا اپنے کام کے لئے کسی مومن سے ملاقات کرنے کی کوئی قدر و قیمت ہے؟

۳۔ مومنین کی ایک دوسرے سے ملاقات کے بعض فوائد اور اس کی اہمیت بیان کیجئے؟

۴۔ مہمان نوازی کے بارے میں معصومین علیہم السلام نے کیا فرمایا ہے؟

۵۔ مختصر طور پر ضیافت کے آداب بیان کیجئے؟

بیسواں سبق

سلام

ہرقوم اور معاشرہ میں کسی سے ملاقات کرتے وقت اپنے جذبات اور خوشی کا اظہار کرنے کے لئے گفتگو کے آغاز سے قبل کچھ خاص طریقے اپنائے جاتے ہیں اور مخصوص الفاظ ادا کیے جاتے ہیں۔

اسلامی اخلاقیات اور رسم ورواج میں بھی اس کام کے لئے ایک دوسرے کو سلام کرنے ،مصافحہ اور معانقہ یعنی ایک دوسرے سے گلے ملنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"اَلسَّلامُ تَحِيَّةٌ لِمِلَّتِنَا وَ أَمَانٌ لِذِمَّتِنَا" "سلام ہماری ملت کا تحفہ اور ہماری طرف سے امان کی ضمانت ہے۔"(۱)

۱۔قرآن مجید نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کو سلام کا اسلامی طریقہ سکھایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسلامی سلام صرف سلام علیکم ہی ہے جیسا کہ سورۂ نور میں ارشاد ہے:

---

(۱) بحار الانوار، ج۷۶، باب ۹۷، حدیث ۳۶

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتاً فَسَلِّمُوا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾.(۱)

''جب تم گھروں میں داخل ہوتو کم از کم اپنے ہی اوپر سلام کرلو کہ یہ پروردگار کی طرف سے نہایت ہی مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے اور پروردگار اسی طرح اپنی آیتوں کو واضح طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ شاید تم عقل سے کام لے سکو۔''

۲. ﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوا سَلَاماً﴾.(۲)

''اور اللہ کے بندے وہی ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے خطاب کرتے ہیں تو سلامتی کا پیغام دیدیتے ہیں (کہتے ہیں کہ ہمارا سلام ہو)''

۳۔جب جناب ابراہیمؑ نے بتوں کی عبادت سے انکار کردیا اور آپ کے چچا نے اس بات پر آپ کی مذمت کی اور آپ کو بتوں کی عبادت کرنے کی تاکید کی اور یہ دھمکی دی کہ اگر تم ایسا نہ کروگے تو تم کو سنگسار کردیا جائے گا تو جناب ابراہیم علیہ السلام نے نہایت ہی نرمی سے اس کا یہ جواب دیا (آپ پر سلام ہو) ﴿قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهُ كَانَ بِيْ حَفِيّاً﴾.(۳)

''ابراہیمؑ نے کہا کہ خدا آپ کو سلامت رکھے (آپ پر سلام ہو) میں عنقریب اپنے رب سے آپ کے لئے مغفرت طلب کروں گا کہ وہ میرے حال پر بہت مہربان ہے۔''

---

(۱) سورۂ نور: آیت ۶۱

(۲) سورۂ فرقان: آیت ۶۳

(۳) سورۂ مریم: آیت ۴۷

اسی روایت کے مطابق جب خدا کے فرشتے جناب ابراہیم علیہ السلام کے یہاں مہمان بن کر آئے تو انہوں نے سلام کیا اور آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ ﴿لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرَاهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلَامًا، قَالَ سَلَامٌ﴾. (۱)

''اور ابراہیم کے پاس ہمارے نمائندے بشارت لیکر آئے اور سلام کیا تو ابراہیم نے بھی سلام کیا۔''

۴۔ متعدد آیات میں خداوند عالم نے اپنے صالح اور نیک بندوں کے تذکرہ کر کے ان پر سلام و درود بھیجا ہے۔

جیسے: ﴿سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ. سَلَامٌ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ. سَلَامٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهَارُوْنَ. سَلَامٌ عَلٰى اٰلِ يَاسِيْنَ﴾. (۲) ''ساری خدائی میں نوح پر ہمارا سلام، سلام ہو ابراہیم پر، سلام ہو موسیٰ و ہارون پر، سلام ہو آل یٰسین پر۔''

۵۔ اسی طرح متعدد آیات میں پروردگار عالم نے سلام کو اہل جنت کا شیوہ بتایا ہے جیسا کہ سورۂ رعد آیت ۲۳ اور ۲۴ میں ارشاد ہے:

﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ '' ورملائکہ ان کے پاس ہر دروازے سے حاضری دیں گے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا ہے اور اب آخرت کا گھر تمہاری بہترین منزل ہے۔'' (۳)

یا سورۂ نحل میں ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلَامٌ

(۱) سورۂ ہود: آیت ۶۸

(۲) سورۂ صافات: آیت ۷۹/۱۰۹/۱۲۰/۱۳۰

(۳) سورۂ رعد: آیت ۲۳/۲۴

عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾. (۱)

''جنہیں ملائکہ اس عالم میں اٹھاتے ہیں کہ وہ پاک و پاکیزہ ہوتے ہیں اور ان سے ملائکہ کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو۔''

دوسرے مقامات پر قرآن کریم یہ بیان کرتا ہے کہ اہل جنت ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔

﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ﴾ ''اور ان کا تحفہ سلام ہوگا۔'' (۲)

ان کے علاوہ قرآن مجید کی متعدد آیات ہیں جن میں سلام کا تذکرہ ہے اور خاص طور سے پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کی روایات میں سلام کی تاکید کی گئی ہے اور بے شمار فضیلت و ثواب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "اِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا يَسْكُنُهَا مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ اَطَابَ الْكَلَامَ وَ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ اَفْشَى السَّلَامَ وَ صَلّٰى بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ" ''جنت میں کچھ ایسے کمرے ہونگے جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور باہری حصہ اندر سے باقاعدہ دکھائی دے گا اور ان کے اندر میری امت کے وہ افراد رہیں گے جو خوش سخن، لوگوں کو کھانا کھلانے والے، بلند آواز سے سلام کرنے والے اور رات کو کہ جب لوگ نیند کے مزہ لیتے ہیں نماز پڑھنے والے ہوں گے۔'' (۳)

۲۔ امام جعفر صادقؑ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز پیغمبر اکرمؐ نے اولاد عبد المطلب کو مخاطب کر کے فرمایا:

(۱) سورۂ نحل: آیت ۳۲

(۲) سورۂ یونس: آیت ۱۰/سورۂ ابراہیم: آیت ۲۳

(۳) بحار الانوار: ج ۸، باب ۳۲، حدیث ۵

"یابنی عبد المطلب افشوا السلام وصلوا الارحام وتهجدوا والناس نیام واطعموا الطعام واطیبوا الکلام تدخلوا الجنۃ بسلام" "اے اولاد عبد المطلب واضح انداز میں (بلند آواز سے) ایک دوسرے کو سلام کرو، صلۂ رحم کرتے رہو اور جب لوگ سو رہے ہوں تو نمازِ شب پڑھو لوگوں کو کھانے کھلاؤ اچھے انداز میں گفتگو کرو تا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوسکو۔" (۱)

۳۔ پیغمبر اکرمؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "سلّم علیٰ من لقیت یزید اللہ فی حسناتک وسلّم فی بیتک یزید اللہ فی برکتک" "کسی سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو اللہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ کرے گا اور اپنے گھر والوں کو سلام کرو اللہ تمہیں مزید برکتیں عنایت فرمائے گا۔" (۲)

۴۔ اسی طرح آپؐ کا ارشاد ہے: "الا اُخبرکم بخیر اخلاق اھل الدنیا والآخرۃ؟ قالوا: بلیٰ یا رسول اللہ. فقال: افشاء السلام فی العالم"
"کیا تمہیں اہل دنیا و آخرت کے بہترین اخلاق سے باخبر نہ کروں؟ تو سب نے کہا ضرور باخبر فرمائیے، اے رسول اللہ فقال افشاء السلام فی العالم تو آپؐ نے فرمایا کہ "دنیا میں بلند آواز سے سلام کرنا۔" (۳)

۵۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "ان السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ فافشوہ بینکم" "سلام خداوند عالم کا ایک نام ہے لہٰذا اس کو اپنے درمیان بلند آواز سے ادا کیا کرو۔" (۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۶۹، باب ۳۸، حدیث ۴۷

(۲) بحار الانوار: ج ۶۹، باب ۳۸، حدیث ۸۱

(۳) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۵۰

(۴) بحار الانوار: ج ۸۴، باب ۱۷، حدیث ۳۰

۶۔ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے: "من قال سلامٌ علیکم ورحمۃ اللہ فھی عشرون حسنۃ" "جو شخص کسی کو سلام کرے اور کہے سلام علیکم... تو اسے بیس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔" (۱)

۷۔ آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے:

"انّ من موجبات المغفرۃ بذل السلام وحسن الکلام" "گناہوں کی مغفرت کا ایک ذریعہ ایک دوسرے کو سلام کرنا اور اچھی گفتگو کرنا بھی ہے۔" (۲)

۸۔ آپ نے یہ فرمایا: "من التواضع ان تسلّم علیٰ من لقیت" "تواضع کی ایک علامت یہ ہے کہ جس سے ملاقات ہو اسے سلام کرو۔" (۳)

چونکہ سلام کرنے میں کوئی زحمت اور پریشانی نہیں ہوتی اور اس کے لئے کچھ خرچ بھی نہیں کرنا پڑتا اسی لئے پیغمبر اکرمؐ نے یہ فرمایا ہے کہ: "ابخل الناس من بخل بالسلام" "سب سے زیادہ کنجوس وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں بخل اور کنجوسی سے کام لے۔" (۴)

سلام کے آداب

۱۔ سلام کرنا کیونکہ ایک کار خیر ہے اور پروردگار عالم نے فرمایا ہے کہ ﴿فاستبقوا الخیرات﴾ (۵) "تم نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت کرو" لہٰذا مومنین کرام کو سلام کرنے میں

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۳۶

(۲) گذشتہ حوالہ

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۱، حدیث ۹

(۴) بحار الانوار: ج ۱۰۰، باب ۵، حدیث ۲۶

(۵) سورۂ مائدہ: آیت ۴۸

بھی ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرنا چاہئے پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ میں ملتا ہے کہ آپ کسی سے ملاقات کرتے تھے تو اس کے سلام کرنے سے پہلے ہی آپؐ اسے سلام کر لیتے تھے حضرت علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''اَلسَّلاَمُ سَبْعُوْنَ حَسَنَةً تِسْعَةٌ وَ سِتُّوْنَ لِلْمُبْتَدِءِ وَ وَاحِدَةٌ لِلرَّادِّ'' ''سلام میں ستر نیکیاں ہیں جن میں سے ۶۹ نیکیاں سلام کرنے والے کو ملتی ہیں صرف ایک نیکی جواب دینے والے کے حصہ میں آتی ہے۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: ''اَلْبَادِئُ بِالسَّلاَمِ اَوْلیٰ بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهِ'' ''سلام میں سبقت کرنے والا اللہ اور رسول سے زیادہ نزدیک ہے''

۲۔ سلام اور اس کا جواب دونوں اتنی بلند آواز میں ہونا چاہئے جسے مخاطب بآسانی سن سکے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ''اِذَا سَلَّمَ أحَدُكُمْ فَلْيَجْهَرْ بِسَلاَمِهِ. لاَيَقُوْلُ: سَلَّمْتُ فَلَمْ يَرُدُّوْا عَلَيَّ وَ لَعَلَّهُ يَكُوْنُ قَدْ سَلَّمَ وَ لَمْ يُسْمِعْهُمْ فَاِذَا رَدَّ أحَدُكُمْ فَلْيَجْهَرْ بِرَدِّهِ وَ لاَ يَقُوْلُ الْمُسْلِمُ: سَلَّمْتُ فَلَمْ يَرُدُّوْا عَلَيَّ'' ''جب تم کسی کو سلام کرو تو بلند آواز سے سلام کیا کرو ورنہ یہ نہ کہنا کہ میں نے سلام کیا تھا اور کسی نے جواب نہیں دیا کیونکہ شاید انہوں نے سنا ہی نہ ہو اور جب تم کسی کے سلام کا جواب دو تو وہ بھی بلند آواز سے تاکہ سلام کرنے والا یہ نہ کہے کہ میں نے سلام کیا تھا اور انہوں نے جواب نہیں دیا۔''(۲)

۳۔ کوئی بات شروع کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہئے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: ''مَنْ بَدَأَ بِالْكَلاَمِ قَبْلَ السَّلاَمِ فَلاَتُجِيْبُوْهُ'' ''جو سلام کے بغیر بات شروع کر دے اس کی بات کا جواب نہ دو۔''(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷ حدیث ۴۶

(۲) اصول کافی: ج ۲ ص ۴۶۵، حدیث ۷

(۳) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۶

آپؐ ہی کا ارشاد ہے: ''لاَتَدْعُ اِلیٰ طَعَامِكَ أحَداً حَتّیٰ يُسَلِّمَ'' ''کسی کو اپنے دسترخوان پر اس وقت تک نہ بلاؤ جب تک وہ سلام نہ کرلے۔''(۱)

امام حسینؑ نے فرمایا ہے: ''لاَتَاْذَنُوْا لِاَحَدٍ حَتّیٰ يُسَلِّمَ'' ''کسی کو کسی بھی چیز کی اجازت نہ دو جب تک وہ سلام نہ کرلے۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: ''اَلسَّلاَمُ قَبْلَ الْكَلاَمِ'' ''پہلے سلام پھر گفتگو۔''(۳)

۴۔ سلام کرنے کے لئے کسی عمر یا عہدہ کی شرط نہیں ہے بلکہ جو بھی پہلے سلام کرے گا اسے زیادہ ثواب ملے گا پیغمبر اکرمؐ کی سیرت میں ملتا ہے کہ آپ بچوں کو بھی سلام کرتے تھے آپؐ کا ارشاد ہے: ''خَمْسٌ لاَاَدَعُهُنَّ حَتّیٰ الْمَمَاتِ .. وَالتَّسْلِيْمُ عَلیٰ الصِّبْيَانِ لِتَكُوْنَ سُنَّةً بَعْدِی'' ''پانچ باتوں کو میں مرتے دم تک نہیں چھوڑ سکتا ہوں: (ان میں سے ایک) بچوں کو سلام کرنا ہے تاکہ میرے بعد یہ ایک سنت ہو جائے۔''(۴)

البتہ سلام میں پہل کون کرے؟ تو اس کے بھی آداب ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: ''اَلسُّنَّةُ اَنْ يُسَلِّمَ الرَّاكِبُ عَلیٰ الْمَاشِي وَرَاكِبُ الْفَرَسِ عَلیٰ رَاكِبِ الْحِمَارِ وَالصَّغِيْرُ عَلیٰ الْكَبِيْرِ وَالْاَقَلُّ عَلیٰ الْاَكْثَرِ وَالْقَائِمُ عَلیٰ الْقَاعِدِ'' ''سنت یہ ہے کہ سوار پیدل کو اور گھوڑ سوار خچر سوار کو چھوٹا بڑے کو، کم تعداد والے اکثریت کو اور جو کھڑا ہو وہ بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے۔''

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶ باب ۹۷، حدیث ۶

(۲) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۲۰، حدیث ۲

(۳) بحار الانوار: ج ۹۳، باب ۱۷، حدیث ۱۷

(۴) بحار الانوار: ج ۱۶، باب ۶، حدیث ۳۷

اسی طرح کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے ان احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سلام میں اسے پہل کرنا چاہئے جس کے لئے تواضع اور فروتنی زیادہ مناسب ہو جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ سے منقول تمام روایات میں یہی کلیہ نظر آتا ہے۔

۵۔ سلام کے جواب کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح سلام کیا گیا ہے اس سے بہتر طریقہ سے یا کم از کم بالکل اسی انداز سے جواب دیا جائے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾ "اور جب تم لوگوں کو تحفۂ سلام پیش کیا جائے تو اس سے بہتر یا کم سے کم ویسا ہی واپس کرو کہ بیشک اللہ ہر شی کا حساب کرنے والا ہے۔"(۱)

روایت میں ہے کہ ایک شخص پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ" کہہ کر سلام کیا، آپؐ نے جواب میں فرمایا: "عَلَيْكَ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ" اس کے بعد کوئی اور آیا تو اس نے یوں سلام کیا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ" تو آپ نے جواب میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ"

کچھ دیر بعد تیسرا شخص آ گیا اس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ" پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "عَلَيْكَ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ" "آپ کے پاس بیٹھے ہوئے صحابی نے ان تینوں کا سلام اور ان کے لئے آپ کے تین مختلف جواب سنے تو سوال کرلیا کہ اے رسولؐ خدا آپ نے پہلے اور دوسرے کے جواب میں تو کچھ اضافہ فرمایا مگر آخری شخص کو وہی جواب دیا جو اس نے کہا تھا اور اس میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا تو آپؐ نے فرمایا کہ تیسرے شخص نے سلام کا کوئی حصہ باقی نہیں چھوڑا تھا لہذا میں نے اسے وہی جواب دے دیا۔"(۲)

---

(۱) سورۂ نساء: آیت ۸۶

(۲) بحار الانوار: ج ۸۱، ص ۲۷۳

سلام کے بارے میں گفتگو کے اختتام پر یہ یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ سلام ایک اسلامی سنت ہے جو "مومنین" کے درمیان رائج رہنا چاہئے اور روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار یا فاسق و فاجر افراد کو سلام کرنا جائز و مناسب نہیں ہے۔

مصافحہ و معانقہ

مذہب اسلام میں سلام کے بعد مصافحہ اور معانقہ (گلے ملنے) کی بہت اہمیت ہے حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: "اِذَا لَقِيْتُمْ اِخْوَانَكُمْ فَتَصَافَحُوْا وَ اَظْهِرُوْا لَهُمُ الْبَشَاشَةَ وَ الْبِشْرَ تَتَفَرَّقُوْا وَ مَا عَلَيْكُمْ مِنَ الْاَوْزَارِ قَدْ ذَهَبَ" "جب تم برادران ایمانی سے ملاقات کرو تو مصافحہ کرو نیز تبسم اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملو اس کے بعد جب تم ایک دوسرے سے جدا ہو گے تو تمہارے ذمہ کوئی گناہ نہ رہ جائے گا۔"(۱)

امام محمد باقرؑ نے پیغمبر اکرمؐ کا یہ قول نقل کیا ہے: "اِذَا تَلَاقَيْتُمْ فَتَلَاقَوْا بِالتَّسْلِيْمِ وَ التَّصَافُحِ وَ اِذَا تَفَرَّقْتُمْ فَتَفَرَّقُوْا بِالْاِسْتِغْفَارِ" "جب تم کسی سے ملاقات کرو تو سلام اور مصافحہ کر کے ملاقات کرو اور جب ایک دوسرے سے جدا ہو تو استغفار کر کے جدا ہو۔"(۲)

اس طرح پیغمبر اکرمؐ سے یہ بھی منقول ہے: "تَصَافَحُوْا فَاِنَّ التَّصَافُحَ يَذْهَبُ بِالسَّخِيْمَةِ" "ایک دوسرے سے مصافحہ کرو کیونکہ مصافحہ سے کینہ دور ہوتا ہے۔"(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "اِنَّ الْمُؤْمِنَيْنِ اِذَا اعْتَنَقَا غَمَرَتْهُمَا الرَّحْمَةُ" "جب مومنین گلے ملتے ہیں تو رحمت الٰہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔"

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۰، حدیث ۳

(۲) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۷، حدیث ۱۳

(۳) بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۷، حدیث ۱

آپؑ ہی سے منقول ہے: ''اِنَّ تَمَامَ التَّحِيَّةِ لِلْمُقِيمِ الْمُصَافَحَةُ وَتَمَامَ التَّسْلِيمِ عَلَى الْمُسَافِرِ الْمُعَانَقَةُ'' ''غیر مسافر کو سلام کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ اس سے مصافحہ کیا جائے اور مسافر کو سلام کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ اس سے گلے ملا جائے۔''(۱)

پیغمبر اکرمؐ کی سیرت میں مذکور ہے کہ آپؐ کسی سے مصافحہ کرتے تھے تو جب تک وہ خود آپ کا ہاتھ نہیں چھوڑ دیتا تھا آپؐ اس کا ہاتھ نہیں چھوڑتے تھے. درحقیقت آپ اس طریقہ کار کے ذریعہ اپنی جانب سے زیادہ محبت کا اظہار فرماتے تھے ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اِنَّ الْمُؤْمِنَيْنِ اِذَا الْتَقَيَا وَتَصَافَحَا أَدْخَلَ اللّٰهُ يَدَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا فَصَافَحَ أَشَدَّهُمَا حُبّاً لِصَاحِبِهِ'' ''جب مومنین ایک دوسرے سے ملتے وقت مصافحہ کرتے ہیں تو خداوند عالم ان کے ہاتھوں کے درمیان اپنا ہاتھ بھی رکھ دیتا ہے اور ان دونوں میں جس کے دل میں اپنے ساتھی کی محبت زیادہ ہوتی ہے خدا اسی سے مصافحہ کرتا ہے۔''(۲)

اس حدیث کی روشنی میں جو شخص اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ (لطف ورحمت الٰہی) میں رکھنا چاہتا ہے اسے اپنے مومن بھائی سے مصافحہ کرنا چاہئے۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۲۳، حدیث ۱۰۸

(۲) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۱۰۰، حدیث ۱۲

خلاصہ:

ملاقات کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ جب کسی سے ملے تو اسے سلام کرے، مصافحہ کرے اور اس سے گلے ملے. ملاقات کے وقت سلام کرنے کے مقابلہ میں پہلے سلام کرنے کی اہمیت زیادہ ہے حتی کہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ ہر بات سے پہلے سلام کرو۔ سلام میں سبقت، بلند آواز سے سلام کرنا، اچھی طرح سلام کا جواب دینا بھی سلام کے آداب میں شامل ہے۔

سوالات:

۱۔ سلام سے متعلق آیات سے کیا نتیجہ حاصل ہوتا ہے؟

۲۔ سلام کو عام کرنے (افشاء السلام) کا کیا مطلب ہے؟

۳۔ اسلام کی نگاہ میں کون شخص دوسرے کو سلام کرے؟

۴۔ سلام کا جواب کس طرح دیا جائے؟

۵۔ مصافحہ اور معانقہ کسے کہتے ہیں؟

اکیسواں سبق

حقوق کا پاس ولحاظ

خداوند عالم نے اس نظام خلقت میں اپنے بندوں کے لئے کچھ نہ کچھ قوانین اور حقوق معین کئے ہیں اوران کے لئے کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں جن کی پابندی ہر ایک کا فریضہ ہے۔ درحقیقت ان حقوق کی رعایت کرنے سے زندگی میں امن وسکون پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی جان ومال، عزت وآبرو اور مقام ومنزلت اسی وقت محفوظ رہ سکتی ہے اور ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذار سکتا ہے جب ان حدود کی پابندی کی جائے ورنہ بداعتمادی، ناامیدی اور اضطراب کی صورت حال پیدا ہوجائے گی اور ہر ایک کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگے گا۔ اگر کوئی انسان سماج میں کسی کے مال کو دوسرے کا مال نہ سمجھے بلکہ اپنا مال تصور کرے یا کوئی انسان دوسروں کی عزت وآبرو کو اہمیت نہ دے یا کچھ لوگ ایسے ہوں جو لوگوں کی جان کے درپے ہوجائیں خلاصہ یہ کہ ہر انسان من مانے طریقہ سے دوسروں کے حقوق کو پامال کرے تو سماج میں نہ صرف یہ کہ ترقی کے راستے بند ہوجائیں گے بلکہ بہت جلد یہ معاشرہ ختم ہوجائے گا۔ اسی لئے خداوند عالم نے انسانوں کے لئے کچھ حقوق وحدود مقرر کئے ہیں اور سب کو ان کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے۔ البتہ خداوند عالم نے ان حقوق کی ضمانت کے ذرائع اور اسباب بھی فراہم کئے ہیں۔ جن میں سب سے پہلا ذریعہ خود انسان ہے۔ خداوند عالم نے پہلے لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم دی ہے جس سے انسان خود بخود نہ صرف دوسروں کے حقوق پامال نہ کرے گا۔ بلکہ دوسروں کے حقوق وحدود کو سمجھے گا ان کی رعایت کرے گا اور ساتھ ساتھ خدا نے ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا بھی معین کردی ہے۔

چونکہ صرف اخلاقی پہلو ہمارے مدنظر ہے اس لئے ہم صرف ان حدود کی شناخت کرائیں گے جو لوگوں کے لئے معین کئے گئے ہیں ان حقوق وحدود کی ممانعت کرنے والوں کی سزا اور اس کے تفصیلات کی ایک الگ بحث ہے جو ہمارے اس مختصر مقالہ سے مناسبت نہیں رکھتی ہے۔

۱۔ شخصی حدود

شخصی حدود سے مراد وہ حدود ہیں جنہیں انسان خود اپنی نجی زندگی میں برقرار رکھنا چاہتا ہے اوراس میں کسی غیر کی مداخلت اسے پسند نہیں ہے جیسے گھریلو معاملات یا نجی کمرہ اس سلسلہ میں اسلام کا نظریہ ہے کہ کسی کے شخصی حدود میں داخل ہونے کے لئے اس شخص کی اجازت واجب ولازم ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوتًا غَیْرَ بُیُوتِکُمْ حَتَّی تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَی أَهْلِهَا ذَلِکُمْ خَیْرٌ لَکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُونَ. فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِیهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّی یُؤْذَنَ لَکُمْ وَإِنْ قِیلَ لَکُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْکَی لَکُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِیمٌ﴾(۱)

''اے ایمان والو! خبردار اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا جب تک کہ صاحب خانہ سے اجازت نہ لے لو اور انہیں سلام نہ کرلو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے کہ شاید تم اس سے نصیحت حاصل کرسکو، پھر اگر گھر میں کوئی نہ ملے تو اس وقت تک داخل نہ ہونا جب تک اجازت نہ مل جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جانا کہ یہی تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے''

---

(۱) سورۂ نور: آیت ۲۷/۲۸

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لئے تین مرتبہ اجازت لینا چاہئے۔ "اَلْاِسْتِئْذَانُ ثَلَاثَةٌ" اَوَّلُهُنَّ يَسْمَعُوْنَ وَالثَّانِيَةُ يَحْذَرُوْنَ وَالثَّالِثَةُ اِنْ شَاؤُوا أَذِنُوا وَاِنْ شَاؤُوا لَمْ يَفْعَلُوا فَيَرْجِعِ الْمُسْتَأْذِنُ"(۱)

"تین مرتبہ اجازت لینی چاہئے سب سے پہلے سنانے کیلئے (صاحب خانہ متوجہ ہو جائے کہ کوئی آنا چاہتا ہے) دوسری مرتبہ آمادہ ہونے کے لئے (خود انسان گھر اور اہل خانہ کو آمادہ کرے کہ کوئی آرہا ہے) اور تیسری مرتبہ اس لئے کہ اگر گھر والے اجازت دیں تو ٹھیک ہے ورنہ اجازت لینے والے کو واپس ہو جانا چاہئے۔"

اس رعایت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان کو گھر کے دروازہ سے داخل ہونا چاہئے نہ دیوار وغیرہ کی طرف سے۔ آغاز اسلام میں بعض افراد یہ سمجھتے تھے کہ دیوار سے کود کر کسی کے گھر میں چلے گئے تو بڑا کمال کر دیا ہے ان کا خیال تھا کہ اس طرح سے صاحب خانہ سے زیادہ محبت کا اظہار ہوتا ہے لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی اور مومنین کو اس کام سے روک دیا گیا: ﴿لَيْسَ الْبِرُّ اَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(۲)

"اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ مکانات میں پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی ان کیلئے ہے جو پرہیزگار ہوں اور مکانوں میں دروازہ کی طرف سے آئیں اللہ سے ڈرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ"

ان حدود کے دوسرے پہلو میں گھر والے بھی شامل ہیں یہاں تک کہ ماں باپ بھائی بہن وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۶، باب ۹۸، حدیث ۲

(۲) سورۂ بقرہ: آیت ۱۸۹

الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾(۱)

"اے ایمان والو تمہارے غلام و کنیز اور وہ بچے جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہونچے ہیں ان سب کو چاہئے کہ تمہارے پاس داخل ہونے کے لئے تین اوقات میں اجازت لیں نماز صبح سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب تم کپڑے اتار کر آرام کرتے ہو اور نماز عشا کے بعد، یہ تین اوقات پردے کے ہیں. اس کے بعد تمہارے لئے یا ان کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے پاس چکر لگاتے رہیں کہ اللہ اسی طرح اپنی آیتوں کو واضح کر کے بیان کرتا ہے. اور بیشک اللہ ہر شئی کا جاننے والا اور صاحب حکمت ہے. اور جب تمہارے بچے حد بلوغ کو پہونچ جائیں تو وہ بھی اسی طرح اجازت لیں جس طرح پہلے والے اجازت لیا کرتے تھے پروردگار اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیتوں کو واضح کر کے بیان کرتا ہے کہ وہ صاحب علم و حکمت ہے"

۲۔ عیب چھپانا

ہر انسان کے اندر کوئی نہ کوئی عیب پایا جاتا ہے کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس سے غلطی نہ ہو جیسا کہ روایات میں بھی ہے کہ ہر انسان خطا کار ہے لہٰذا ہر انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے عیب کو چھپائے. اور خداوند عالم بھی ستار العیوب ہے اور عیب چھپانے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

---

(۱) سورۂ نور: آیت ۵۸/۵۹

لہٰذا دوسروں کے عیوب کو آشکار کرنا ایک بری خصلت اور حرام کام ہے اور اس کا شمار دوسروں کے حدود سے تجاوز میں ہوتا ہے. پیغمبر اسلامؐ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"مَنْ عَلِمَ مِنْ أَخِيهِ سَيِّئَةً فَسَتَرَهَا سَتَرَ اللهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ""" جو اپنے بھائی کے کسی عیب سے واقف ہو اور پھر اس عیب کو چھپائے تو خداوند عالم روز قیامت اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا۔"(۱)

اس طرح منقول ہے ایک شخص نے آنحضرتؐ سے عرض کیا:

"أُحِبُّ أَنْ يَسْتُرَ اللهُ عَلَيَّ عُيُوبِي""" میں چاہتا ہوں کہ خدا میرے عیوب کو ظاہر نہ کرے"

آپؐ نے فرمایا: "اُسْتُرْ عُيُوبَ اَخْوَانِكَ سَتَرَ اللهُ عَلَيْكَ عُيُوبَكَ""" تم اپنے بھائیوں کے عیوب کو پوشیدہ رکھو خداوند عالم تمہارے عیوب کو چھپائے گا"(۲)

اسی طرح سے آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ: "مَنْ رَوىٰ عَلىٰ مُؤْمِنٍ رِوَايَةً يُرِيدُ بِهَا شَيْنَهُ وَهَدْمَ مُرُوَّتِهِ يَسْقُطَ مِنْ اَعْيُنِ النَّاسِ اَخْرَجَهُ اللهُ مِنْ وِلَايَتِهِ اِلىٰ وِلَايَةِ الشَّيْطَانِ فَلَا يَقْبَلُهُ الشَّيْطَانُ""" جو کسی مومن کو بدنام کرنے کے لئے اس کا ذکر کرے اور اس طرح لوگوں کی نظر میں اس کا احترام ختم کرنا چاہتا ہو. تو خداوند عالم اسے اپنی ولایت سے نکال کر شیطان کی ولایت میں دے دیتا ہے لیکن شیطان بھی اسے قبول نہیں کرتا۔"(۳)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: "اِنَّ اَقْرَبَ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ اِلىٰ الْكُفْرِ اَنْ يُوَافِي الرَّجُلُ عَلىٰ الدِّيْنِ وَ يُحْصِي عَلَيْهِ عَثَرَاتِهُ وَ زَلَّاتِهُ لِيُعَنِّفَهُ بِهَا يَوْماً""" کفر اور بے ایمانی

---

(۱) الترغیب والترہیب: ج ۳، ص ۲۳۹، ومسند احمد، ج ۴، ص ۱۰۴

(۲) کنز العمال: ج ۱۶، ص ۱۲۹، حدیث ۴۴۱۵۴

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۷، حدیث ۴۰

کی سب سے نزدیکی سرحد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے دین کے نام پر قریب ہوتا کہ اس کی غلطیوں اور عیوب کو جمع کرتا رہے اور ایک روز انہیں فاش کر کے اسے بدنام کر دے۔"(۱)

حضرت علیؑ نے جناب مالک اشتر کو جب مصر کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہیں کچھ نصیحتیں کیں اور عیب پوشی کے سلسلہ میں ان سے یہ فرمایا:

"وَ لْيَكُنْ اَبْعَدُ رَعِيَّتِكَ مِنْكَ وَ أَشْنَاهُمْ عِنْدَكَ اَطْلَبُهُمْ لِمَعَائِبِ النَّاسِ فَاِنَّ فِي النَّاسِ عُيُوباً اَلْوَالِي اَحَقُّ مِنْ سَتْرِهَا فَلَا تَكْشِفَنَّ عَمَّا غَابَ عَنْكَ مِنْهَا اِنَّمَا عَلَيْكَ تَطْهِيرُ مَا ظَهَرَ لَكَ وَ اللهُ يَحْكُمُ عَلىٰ مَا غَابَ عَنْكَ فَاسْتُرِ الْعَوْرَةَ مَا اسْتَطَعْتَ يَسْتُرِ اللهُ مَا تُحِبُّ سَتْرَهُ مِنْ رَعِيَّتِكَ"(۲)

"تمہاری حکومت میں تمہارے نزدیک بدترین اور تم سے دورترین ان لوگوں کو ہونا چاہئے جو لوگوں کی عیب جوئی کرتے ہیں اس لئے کہ لوگوں میں بہرحال عیب پائے جاتے ہیں ان کو چھپانے کی سب سے زیادہ ذمہ داری حاکم پر ہے. لہٰذا جو عیوب پوشیدہ ہیں انہیں ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرو. اس لئے کہ تمہارا فرض صرف ان عیوب کو دور کرنا ہے جو ظاہر ہیں. اور وہ عیوب جو پوشیدہ ہیں ان پر خداوند عالم خود حکم کرے گا. لہٰذا جتنا ہو سکے لوگوں کے عیوب کو چھپاؤ تا کہ خداوند عالم تمہارے ان عیوب کو چھپائے جن کو تم عیاں ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتے"

۳۔ امانتداری

حقوق الناس میں سے ایک حق امانتداری ہے امانت چاہے مال ہو یا راز جب ایک قابل اعتماد شخص کے حوالہ کی جاتی ہے تو اس امانتدار کے لئے ضروری ہے کہ ہر طرح اس کی حفاظت کرے

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۵، حدیث ۱۳

(۲) بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۳۰، حدیث ۷۴۴

اور جب اس کا مالک طلب کرے تو اسے فوراً واپس کر دے. امانت میں خیانت نہ کرنا اور اسے اس کے مالک کو واپس کر دینا ایک الٰہی اور شرعی فریضہ ہے جس کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے اور ہر قسم کی خیانت کو دوسروں کے حدود سے تجاوز شمار کیا جاتا ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے اس کا شمار گناہان کبیرہ میں ہے۔

قرآن کریم میں امانتداری کو صاحبان ایمان کی اہم خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ "بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل (مالک) تک پہونچادو"(۱)

پیغمبر اسلام ؐ فرماتے ہیں: "لَادِيْنَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ"" جو امانتدار نہیں وہ دیندار نہیں ہے۔"(۲)

نیز آپ ؐ فرماتے ہیں: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَانَ بِالْأَمَانَةِ"" جو امانت میں خیانت کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے"(۳)

اسی طرح آپ ؐ نے فرمایا ہے: "آيَةُ النِّفَاقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذِبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا ائْتُمِنَ خَانَ"" منافق کی تین علامتیں ہیں جب وہ گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وفا نہیں کرتا اور امانت میں خیانت کرتا ہے۔"(۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "لَاتَنْظُرُوْا إِلَىٰ طُوْلِ رُكُوْعِ الرَّجُلِ

---

(۱) سورۂ نساء: آیت ۵۸

(۲) کنز العمال: ج ۳، ص ۶۷۷، حدیث ۸۴۳۶

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۸، حدیث ۱۴

(۴) بحار الانوار: ج ۷۲، باب ۱۰۶، حدیث ۶

وَسُجُوْدِهِ فَإِنَّ ذٰلِكَ شَيْءٌ اِعْتَادَهُ فَلَوْ تَرَكَهُ اِسْتَوْحَشَ لِذٰلِكَ وَلٰكِنْ اُنْظُرُوْا إِلَىٰ صِدْقِ حَدِيْثِهِ وَ أَدَاءِ أَمَانَتِهِ"" انسان کے طولانی رکوع اور سجود کو نہ دیکھو اس لئے کہ یہ اس کی عادت بن گئی ہے کہ اگر اسے ترک کرے گا تو پریشان ہو جائے گا. لیکن یہ دیکھو کہ وہ بات کا سچا اور امانتدار ہے یا نہیں؟۔"(۱)

اسلام میں امانتداری اس قدر اہم ہے کہ ائمہ معصومینؑ نے امانت کے بارے میں صالح اور فاسق کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے بلکہ تاکید فرمائی ہے کہ امانت صاحب امانت کو واپس کرنا ضروری ہے صاحب امانت چاہے جو بھی ہو۔

امام جعفر صادقؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا إِلَّا بِصِدْقِ الْحَدِيْثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ إِلَى الْبِرِّ وَالْفَاجِرِ"" خداوند عالم نے تمام انبیاء کو صدق بیانی اور ہر نیک و بد کے ساتھ امانتداری سے پیش آنے کا حکم دے کر مبعوث فرمایا۔"(۲)

نیز آپؑ فرماتے ہیں: "أَدُّوا الْأَمَانَةَ وَلَوْ إِلَىٰ قَاتِلِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ"
"امانت اس کے مالک کو ادا کرو چاہے وہ حسین بن علیؑ کا قاتل ہی کیوں نہ ہو"(۳)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "لَا تَخُنْ مَنِ ائْتَمَنَكَ وَإِنْ خَانَكَ وَلَا تُذِعْ سِرَّهُ وَإِنْ أَذَاعَ سِرَّكَ"

"جو تمہیں امانتدار سمجھے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو چاہے اس نے تمہارے ساتھ خیانت

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۶۰، حدیث ۱۰

(۲) بحار الانوار: ج ۱۱، باب ۲، حدیث ۲۱

(۳) بحار الانوار: ج ۱۱، باب ۲، حدیث ۲۱

ہی کیوں نہ کی ہو، اوراس کے راز کو فاش نہ کرو چاہے اس نے تمہارے راز کو فاش کیا ہو۔"(۱)

امانتداری کے نتائج اوراس کے فوائد کے سلسلہ میں بہت ساری روایتیں ہیں جن میں سے ہم بعض روایات یہاں ذکر کررہے ہیں:

پیغمبراکرمؐ فرماتے ہیں: "اَلامَانَةُ تَجلِبُ الْغِنَاوَالْخِيَانَةُ تَجلِبُ الْفَقرَ" امانتداری مالداری اور خیانت فقر کا باعث ہوتی ہے۔"(۲)

اسی طرح کی حدیث حضرت علیؑ سے بھی منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں: "اَلامَانَةُ تَجُرُّ الرِّزْقَ وَ الْخِيَانَةُ تَجُرُّ الْفَقرَ" "امانتداری سے روزی اور خیانت سے فقر پیدا ہوتا ہے۔"(۳)

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں: "اِذَاقَوِيَتِ الْاَمَانَةُ كَثُرَ الصِّدْقُ"

"امانتداری اگر زیادہ ہو تو سچائی میں اضافہ ہوتا ہے"(۴)

نیز فرماتے ہیں: "اَلاَمَانَةُ تُؤَدِّي اِلَى الصِّدْقِ"

"امانتداری سچائی کا باعث ہے"(۵)

ہم نے اس بحث کے شروع میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ امانتداری کا تعلق صرف پیسے اور قیمتی چیزوں سے نہیں ہے بلکہ دوسرے کی کوئی بھی چیز اگر کسی کے پاس بطور امانت ہو تو اس کی حفاظت ضروری ہے چاہے وہ قیمتی ہو یا بے قیمت اور یا کوئی راز ہو. بلکہ ہر وہ چیز جو کسی کے پاس امانت کے طور پر رکھی جائے اس کی حفاظت ضروری ہے اوراس کے بارے میں کسی طرح کی لاپرواہی، تجاوز اور خیانت شمار ہوگی. اور خیانت کرنے والا خدا کے قہر وغضب کا حقدار ہوگا۔

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۷، باب ۸، حدیث ۱

(۲) بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۵۸، حدیث ۴

(۳) بحارالانوار: ج ۷۸، باب ۱۶، حدیث ۱۳۸

(۴) غررالحکم: ج ۳، ص ۱۳۴

(۵) غررالحکم: ج ۲، ص ۷

خلاصہ:

ہر انسان کے کچھ مخصوص حقوق اور حدود ہیں جن کی رعایت کرنا سب پر واجب ہے جان و مال وعزت اور آبرو نیز عیوب اور کسی کا گھر سب اس کی امانت اوراس کے حدود شمار ہوتے ہیں اور کسی کو بغیر اجازت کسی کے حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

سوالات:

۱۔ شخصی حدود سے کیا مراد ہے؟

۲۔ کیا کسی کے شخصی حدود میں صرف غیروں کی مداخلت ممنوع ہے۔

۳۔ قرآنی آیات کی روشنی میں لوگوں سے اجازت کے خصوصی اوقات کون سے ہیں؟

۴۔ کسی کے عیوب کو عام کرنا اس کے حدود میں مداخلت کیوں شمار ہوتا ہے؟

۵۔ کن چیزوں کو امانت کہا جاتا ہے؟

بائیسواں سبق

دوست اور ساتھی (۱)

ہر انسان کے سماج میں کچھ لوگوں سے تعلقات ضرور ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں سے دوستی بھی ہوتی ہے انسان انہیں لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا یا آمد و رفت رکھتا ہے خرید و فروخت کرتا ہے یا اپنے مسائل اور مشکلات حل کرنے کیلئے ایک دوسرے سے مشورہ کرتا ہے اور ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے۔

اسلام نے دوستی اور ہمنشینی کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کے لئے مومنین سے بہت تاکید کی گئی ہے چنانچہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "مَنْ لاَ صَدِيقَ لَهُ لاَ ذُخْرَ لَهُ" "جس کا کوئی دوست نہیں ہے اس کے پاس کوئی ذخیرہ نہیں ہے۔" (۱)

پھر آپؑ فرماتے ہیں: "اَلْأَصْدِقَاءُ نَفْسٌ وَاحِدٌ فِي جُسُومٍ مُتَفَرِّقَةٍ" "دوست ایسے ہوتے ہیں جیسے مختلف جسموں میں ایک روح ہوتی ہے۔" (۲)

لیکن اس بات کا خیال رہے کہ ہر کس و ناکس سے دوستی مناسب نہیں ہے جب دوست انسان کے تمام رشتہ داروں کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے تو یقیناً انسان دوست سے متاثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں: "اَلْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ" "انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہذا تم دیکھو کہ کس کے دوست ہو۔" (۳)

---

(۱) غرر الحکم: ج۱، ص۱۷۷

(۲) غرر الحکم: ج۲، ص۱۲۳

(۳) بحار الانوار: ج۷۲، باب۱۴، حدیث۱۲

نیز آپؑ فرماتے ہیں: "اِخْتَبِرُوا النَّاسَ بِإِخْوَانِهِمْ فَإِنَّمَا يُخَاوِنُ الرَّجُلُ مَنْ يُعْجِبُهُ نَحْوَهُ" "لوگوں کو ان کے دوستوں کے ذریعہ پہچانو اس لئے کہ ہر انسان اس سے دوستی کرتا ہے جو اسے اچھا لگتا ہے۔" (۱)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "كُلُّ امْرِءٍ يَمِيلُ إِلَى مِثْلِهِ" "ہر انسان اپنے جیسے کی طرف میلان رکھتا ہے۔" (۲)

نیز آپؑ فرماتے ہیں: "لاَ يَصْحَبُ الْأَبْرَارُ إِلاَّ نُظَرَائَهُمْ وَ لاَ يُوَادُّ الْأَشْرَارُ إِلاَّ أَشْبَاهَهُمْ" "لوگ نیک اور اچھے کو ہی اپنا دوست بناتے ہیں اور برے لوگ برے دوستوں کا انتخاب کرتے ہیں۔" (۳)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوست کے انتخاب میں بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے ہم اس درس میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک اچھے دوست کے خصوصیات بیان کریں گے. اور اگلے درس میں یہ بتائیں گے کہ کن لوگوں کی دوستی سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۱۔ قرآن کریم ان لوگوں سے دوستی کرنے کا حکم دیتا ہے جن کے شب و روز یاد خدا میں بسر ہوتے ہیں اور جو رضائے الٰہی کے خواہاں ہوتے ہیں:

﴿وَلاَ تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾ "جو لوگ صبح و شام اپنے خدا کو پکارتے ہیں اور خدا ہی کو اپنا مقصود بنائے ہوئے ہیں ان کو اپنی بزم سے الگ نہ کیجئے گا۔" (۴)

---

(۱) مستدرک: ج۸، باب۱۰، ص۳۲۷، روایت ۹۵۶۸

(۲) غرر الحکم: ج۴، ص۵۳۲

(۳) غرر الحکم: ج۶، ص۳۷۶

(۴) سورۂ انعام: آیت ۵۲

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهُ﴾ "اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی مرضی کے طلبگار ہیں۔"(۱)

۲۔ پیغمبر اسلامؐ نے شریف النفس اور اعلیٰ ظرف افراد کے ساتھ ہم نشینی کی وصیت فرمائی ہے: "اَسْعَدُ النَّاسِ مَنْ خَالَطَ کِرَامَ النَّاسِ" "سب سے زیادہ خوش نصیب وہ انسان ہے جو کریم افراد سے رابطہ رکھے۔"(۲)

۳۔ ایک دوسری حدیث میں پیغمبر اسلامؐ نے ہمیں مردان خدا کی ہم نشینی کا حکم دیا ہے. آنحضرتؐ سے کسی نے سوال کیا کہ بہترین ہم نشین کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "مَنْ ذَکَّرَکُمُ اللّٰهَ رُؤْیَتُهُ وَزَادَکُمْ فِیْ عِلْمِکُمْ مَنْطِقُهُ وَذَکَّرَکُمُ الْآخِرَةَ عَمَلُهُ" "جس کو دیکھ کر تمہیں خدا یاد آ جائے، جس کی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرے اور عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔"(۳)

۴۔ امام حسن عسکریؑ نے اپنے اجداد کے ذریعہ امام زین العابدینؑ سے ایک مفصل حدیث بیان کی ہے کہ جس میں مختلف انسانوں کی شناخت کے کچھ معیار اور علامتیں ذکر کی گئی ہیں جن کے ذریعہ ہم اچھے یا برے انسانوں کی شناخت کر سکتے ہیں چونکہ اس حدیث میں ایسے مفید اور کارآمد نکات کی طرف اشارہ ہے جو ہمارے لئے راہنما اور سبق آموز ہیں لہٰذا ہم یہاں اس روایت کو نقل کر رہے ہیں۔

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

---

(۱) سورۂ کہف: آیت ۲۸

(۲) بحار الانوار: ج ا، باب ۴، حدیث ۱۳

(۳) مستدرک: ج ۵، باب ۴۲، حدیث ۶۱۷۳

"اِذَا رَأَیْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ حَسُنَ سَمْتُهُ وَهَدْیُهُ وَتَمَاوَتَ فِیْ مَنْطِقِهِ وَتَخَاضَعَ فِیْ حَرَکَاتِهِ فَرُوَیْدًا لَایَغُرَّنَّکُمْ فَمَا اَکْثَرَ مَنْ یُعْجِزُهُ تَنَاوُلُ الدُّنْیَا وَرُکُوْبُ الْحَرَامِ مِنْهَا لِضَعْفِ بُنْیَتِهِ وَمَهَانَتِهِ وَجُبْنِ قَلْبِهِ فَنَصَبَ الدِّیْنَ فَخًّا لَهَا فَهُوَ لَا یَزَالُ یَخْتِلُ النَّاسَ بِظَاهِرِهِ فَاِنْ تَمَکَّنَ مِنْ حَرَامٍ اِقْتَحَمَهُ وَاِذَا وَجَدْتُمُوْهُ یَعِفُّ عَنِ الْمَالِ الْحَرَامِ فَرُوَیْدًا لَایَغُرَّنَّکُمْ فَاِنَّ شَهَوَاتِ الْخَلْقِ مُخْتَلِفَةٌ فَمَا اَکْثَرَ مَنْ یَنْبُوْ عَنِ الْمَالِ الْحَرَامِ وَاِنْ کَثُرَ وَیَحْمِلُ نَفْسَهُ عَلٰی شَوْهَاءَ قَبِیْحَةٍ فَیَاْتِیْ مِنْهَا مُحَرَّمًا فَاِذَا وَجَدْتُمُوْهُ یَعِفُّ عَنْ ذٰلِکَ فَرُوَیْدًا لَایَغُرَّنَّکُمْ حَتّٰی تَنْظُرُوْا مَا عُقْدَةُ عَقْلِهِ فَمَا اَکْثَرَ مَنْ تَرَکَ ذٰلِکَ اَجْمَعَ ثُمَّ لَا یَرْجِعُ اِلٰی عَقْلٍ مَتِیْنٍ فَیَکُوْنُ مَا یُفْسِدُهُ بِجَهْلِهِ اَکْثَرَ مِمَّا یُصْلِحُهُ بِعَقْلِهِ فَاِذَا وَجَدْتُمْ عَقْلَهُ مَتِیْنًا فَرُوَیْدًا لَایَغُرَّنَّکُمْ حَتّٰی تَنْظُرُوْا اَمَعَ هَوَاهُ یَکُوْنُ عَلٰی عَقْلِهِ اَوْ یَکُوْنُ مَعَ عَقْلِهِ عَلٰی هَوَاهُ فَکَیْفَ مَحَبَّتُهُ لِلرِّئَاسَاتِ الْبَاطِلَةِ وَزُهْدُهُ فِیْهَا فَاِنَّ فِی النَّاسِ مَنْ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةَ یَتْرُکُ الدُّنْیَا لِلدُّنْیَا وَیَرٰی اَنَّ لَذَّةَ الرِّئَاسَةِ الْبَاطِلَةِ اَفْضَلُ مِنْ لَذَّةِ الْاَمْوَالِ وَالنِّعَمِ الْمُبَاحَةِ الْمُحَلَّلَةِ فَیَتْرُکُ ذٰلِکَ اَجْمَعَ طَلَبًا لِلرِّئَاسَةِ حَتّٰی ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (۱) فَهُوَ یَخْبِطُ خَبْطَ عَشْوَاءَ. یَقُوْدُهُ اَوَّلُ بَاطِلٍ اِلٰی اَبْعَدِ غَایَاتِ الْخَسَارَةِ وَیَمُدُّهُ رَبُّهُ بَعْدَ طَلَبِهِ لِمَا لَا یَقْدِرُ عَلَیْهِ فِیْ طُغْیَانِهِ فَهُوَ یُحِلُّ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَیُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَا یُبَالِیْ بِمَا فَاتَ مِنْ دِیْنِهِ اِذَا سَلِمَتْ رِئَاسَتُهُ الَّتِیْ قَدْ شَقِیَ مِنْ اَجْلِهَا فَاُولٰئِکَ الَّذِیْنَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِیْنًا"

"وَلٰکِنَّ الرَّجُلَ کُلَّ الرَّجُلِ نِعْمَ الرَّجُلُ الَّذِیْ جَعَلَ هَوَاهُ تَبَعًا لِاَمْرِ اللّٰهِ وَقُوَاهُ

---

(۱) سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۶

مَبْذُوْلَةً فِیْ رِضَی اللّٰہِ یَرَی الذُّلَّ مَعَ الْحَقِّ اَقْرَبُ اِلٰی عِزِّ الْاَبَدِ مَعَ الْعِزِّ فِی الْبَاطِلِ وَیَعْلَمُ اَنَّ قَلِیْلَ مَایَحْتَمِلُهُ مِنْ ضَرَّائِهَا یُؤَدِّیْهِ اِلٰی دَوَامِ النِّعَمِ فِیْ دَارٍ لَاتَبِیْدُ وَلَاتَنْفَدُ وَاِنَّ کَثِیْرَ مَایَحْتَمِلُهُ مِنْ سَرَّائِهَا اِنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ یُؤَدِّیْهِ اِلٰی عَذَابٍ لَااِنْقِطَاعَ لَهُ وَلَایَزُوْلُ فَذٰلِکُمُ الرَّجُلُ نِعْمَ الرَّجُلُ فَبِهِ فَتَمَسَّکُوْا وَبِسُنَّتِهِ فَاقْتَدُوْا وَاِلٰی رَبِّکُمْ بِهِ فَتَوَسَّلُوْا وَاِنَّهُ لَاتُرَدُّ لَهُ دَعْوَةٌ وَلَاتُخَیَّبُ لَهُ طَلِبَةٌ"

"جب بھی کسی کو دیکھو کہ اس کا ظاہر بہت عمدہ، طریقہ کار مناسب ہے زاہدوں جیسی باتیں کرتا ہے اور اعمال میں خضوع وخشوع پایا جاتا ہے تو خبردار اس کے دھوکے میں نہ آنا اس لئے کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اپنی کمزوری، خوف اور بزدلی کے باعث حصول دنیا اور ارتکاب حرام سے عاجز ہیں اس لئے دین کو اپنے لئے ڈھال بنالیتے ہیں تاکہ دینداری کا اظہار کر کے لوگوں کو دھوکا دے سکیں لیکن جیسے ہی انہیں کسی حرام پر قدرت حاصل ہوتی ہے حرام میں غرق ہوجاتے ہیں. اور پھر بھی اگر دیکھو کہ مال حرام سے چشم پوشی کر رہے ہیں تب بھی ان کے دھوکے میں نہ آنا اس لئے کہ انسانوں کی خواہشات نفسانی مختلف ہوتی ہیں. کتنے لوگ ایسے ہیں جو مال حرام کھانے سے پرہیز کرتے ہیں چاہے وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو لیکن اپنے نفس کو برائی سے نہیں روکتے اور اس راستہ سے حرام میں مبتلا ہوتے ہیں. اب اگر یہ دیکھو کہ اس کام سے بھی پرہیز کرتے ہیں پھر بھی ان کے دھوکے میں نہ آنا جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ ان کی عقل کی بنیاد کس چیز پر ہے اس لئے کہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو ہر طرح کے امور بد سے پرہیز کرتے ہیں لیکن عقل کو بروئے کار نہیں لاتے ہیں لہٰذا وہ اپنی نادانی کی وجہ سے جو فساد پیدا کرتے ہیں وہ اس اصلاح سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو وہ اپنی عقلمندی کے ذریعہ کرتے ہیں. تو اگر تم انہیں صحیح عقل وفکر والا پاؤ پھر بھی ان کے فریب میں نہ آنا! جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی کے ساتھ اپنی عقل پر بھی غالب ہیں یا عقل کے باوجود خواہشات نفسانی ان پر غالب ہیں. اور ان کی محبت زہد و پرہیزگاری سے زیادہ ہے یا وہ باطل اقتدار کو زیادہ دوست رکھتے

ہیں. اس لئے کہ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے دنیا وآخرت کو برباد کرلیا ہے اور دنیا کو دنیا کے لئے ترک دیا ہے. وہ یہ سمجھتے ہیں کہ باطل اقتدار کا مزہ مباح وحلال ثروت سے زیادہ اچھا ہے. اور یہ سب کچھ اقتدار باطل حاصل کرنے کے لئے ترک کردیتے ہیں. جیسا کہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: "اگر ان سے کہا جائے کہ تقویٰ اختیار کرو تو ان کا تکبر انہیں گناہ کی طرف کھینچتا ہے اور پھر جہنم ان کا مقام اور کس قدر بری جگہ ہے۔"(۱)

لہٰذا وہ تاریک رات کی طرح گمراہی کی طرف بڑھتے ہیں اور ان کی پہلی باطل خواہش انہیں بے انتہا خسارے اور گھاٹے میں مبتلا کردیتی ہے اور ان کا خدا بھی انہیں اس چیز کی دعوت دیتا ہے جو ان سے بن نہیں پڑتی یعنی تقویٰ اور ہدایت کی طرف بازگشت اور وہ ان کی اس سرکشی میں مدد بھی کرتا ہے اور پھر وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے ہیں. اور اگر ان کا اقتدار محفوظ رہے تو ان کا دین جتنا بھی برباد ہوجائے انہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے. یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اپنا غضب نازل کیا ہے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب کو مہیا کر رکھا ہے۔

واقعاً مرد، مرد کامل اور بہترین مرد وہ ہے جس نے اپنی خواہشوں کو خداوند عالم کے احکام کا تابع بنالیا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنی تمام تر توانائیوں کو صرف کرتا ہے. اور حق کی راہ میں ذلت کو باطل کی راہ کی عزت سے بہتر سمجھتا ہے. اور جانتا ہے کہ اس راہ میں یہ تھوڑی سی سختی اور مشکل اسے اس دنیا کی نعمت تک پہونچانے والی ہے جو کبھی بھی ضائع اور برباد ہونے والی نہیں ہے اور اگر وہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرے گا تو اس سے جو لذتیں اسے حاصل ہوں گی وہ اسے ایسے عذاب میں مبتلا کرنے والی ہیں جو ختم ہونے والا نہیں ہے. ایسا انسان واقعاً بہترین انسان ہے۔ پس

---

(۱) سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۶

اس سے متمسک ہو جاؤ. اس کی پیروی کرو اسے خدا کا وسیلہ بناؤ. اس لئے اس کی دعا ہرگز رد نہیں ہو گی اور اس کی کوئی خواہش ٹھکرائی نہیں جاتی ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زین العابدینؑ کی نظر میں فضیلت اور کامیابی کا معیار اچھا ظاہر، اچھی گفتگو اور مال حرام سے پرہیز وغیرہ نہیں ہے. ہاں اگر انسان اپنے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دے اور خدا کی رضا کے لئے ذلت وخواری کو بھی برداشت کر لے اور اپنی خواہشات نفسانی کو اپنی عقل وشرع کا پیرو بنا لے تو ایسا انسان پیروی واتباع اور دوستی وہمنشینی کے لائق ہے۔

۵۔ پیغمبر اسلامؐ نے ایک حدیث میں حکماء اور فقراء کے ساتھ ہم نشینی کی تاکید کی ہے آپ فرماتے ہیں: ''سَائِلُوا الْعُلَمَاءَ وَخَالِطُوْا الْحُكَمَاءَ وَجَالِسُوْا الْفُقَرَاءَ'' ''علماء سے سوال کرو حکماء سے رابطہ رکھو اور فقرا کی ہم نشینی اختیار کرو۔''(۱)

ایک دوسری حدیث میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''صَاحِبِ الْحُكَمَاءَ وَجَالِسِ الْعُلَمَاءَ وَأَعْرِضْ عَنِ الدُّنْيَا تَسْكُنْ جَنَّةَ الْمَأْوىٰ'' ''حکماء کی صحبت اور علماء کی ہم نشینی اختیار کرو اور دنیا سے بچو تا کہ جنت میں جگہ پاؤ۔''(۲)

نیز آپؑ فرماتے ہیں: ''اَكْثَرُ الصَّوَابِ وَ الصَّلَاحِ فِي صُحْبَةِ اُولِي النُّهٰى وَالْاَلْبَابِ''
''سب سے زیادہ خیر عقلمندوں اور متفکرین کے ساتھ ہم نشینی میں ہے۔''(۳)

۶۔ امام حسن مجتبیؑ ''جنادہ بن امیہ'' کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس شخص کے ساتھ اٹھو بیٹھو جو تمہاری زینت وسربلندی کا باعث اور، تمہاری بزرگی وکرامت میں اضافہ کا موجب ہو اور ہر

---

(۱) بحار الانوار: ج۱، باب۳، حدیث۵

(۲) غرر الحکم: ج۴، ص۲۰۵

(۳) غرر الحکم: ج۴، ص۴۲۹

حال میں تمہارے کمال کا سبب بنے اور تم اس کی مدد سے اپنے نقائص کو دور کر سکو۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''اِصْحَبْ مَنْ اِذَا صَحِبْتَهُ زَانَكَ وَاِذَا خَدَمْتَهُ صَانَكَ وَاِذَا اَرَدْتَ مِنْهُ مَعُوْنَةً اَعَانَكَ وَاِنْ قُلْتَ صَدَّقَ قَوْلَكَ وَاِنْ صُلْتَ شَدَّ صَوْلَكَ وَاِنْ مَدَدْتَ يَدَكَ بِفَضْلٍ مَدَّهَا وَاِنْ بَدَتْ عَنْكَ ثُلْمَةٌ سَدَّهَا وَاِنْ رَاٰى مِنْكَ حَسَنَةً عَدَّهَا وَاِنْ سَاَلْتَهُ اَعْطَاكَ وَاِنْ سَكَتَّ عَنْهُ ابْتَدَاكَ وَاِنْ نَزَلَتْ اِحْدَى الْمُلِمَّاتِ بِهِ سَائَكَ'' (۱)

''اس شخص کی ہم نشینی اختیار کرو کہ جس کی ہم نشینی تمہارے لئے سربلندی اور زینت کا باعث ہو، اگر تم اس کی خدمت کرو تو وہ تمہارا احترام کرے، اگر اس سے مدد چاہو تو تمہاری مدد کرے، کوئی بات کہو تو تمہاری تائید کرے، اگر کسی کار خیر کے لئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ تو تمہاری حمایت کرے. اگر تمہارے اندر کوئی عیب دیکھے تو اسے چھپائے اور اسے ظاہر نہ کرے اگر تمہارے اندر کوئی اچھی صفت دیکھے تو اس کی قدر کرے، تم اس سے اگر کچھ طلب کرو تو عطا کرے اگر تمہیں کوئی ضرورت ہو تو وہ خود اسے پوری کرنے کی کوشش کرے اور اگر اس پر کوئی مشکل پڑے تو پریشان ہو''

۷۔ اگر دوستی اور ہم نشینی کی بنیاد حق وصداقت پر ہو تو دوست ایک دوسرے پر مثبت اثر ڈالیں گے، ایک دوسرے کو اس کے عیوب کی طرف متوجہ کریں گے اور ایک دوسرے کے نقائص برطرف کرنے کی کوشش کریں گے نہ یہ کہ صرف ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لئے ایک دوسرے کی تعریف کرتے رہیں گے امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: ''اِتَّبِعْ مَنْ يُبْكِيكَ وَهُوَ لَكَ نَاصِحٌ وَلَاتَتَّبِعْ مَنْ يُضْحِكُكَ وَهُوَ لَكَ غَاشٌ وَسَتَرِدُوْنَ عَلَى اللهِ جَمِيْعاً فَتَعْلَمُوْنَ'' ''اس شخص کی پیروی کرو جو تمہیں رلائے اور تمہارا خیر خواہ ہو اس شخص کا اتباع نہ کرو جو تمہیں ہنسائے اور تمہیں دھوکا دینا چاہتا ہو۔ یہ جان لو کہ سب عنقریب خدا کی طرف پلٹائے جاؤ گے تو تمہیں سب کچھ

---

(۱) بحار الانوار: ج۴۴، باب۲۲، حدیث۶

معلوم ہو جائے گا۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "اَحَبُّ اِخْوَانِی اِلَیَّ مَنْ اَهْدَیٰ عُیُوْبِی اِلَیَّ" میرا سب سے محبوب بھائی وہ ہے جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرے۔"(۲)

امامؑ کی اس حدیث میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ امامؑ نے عیوب کی طرف متوجہ کرنے کو تحفہ قرار دیا ہے اور تحفہ دینا خوشی اور مسرت کا باعث ہوتا ہے۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۴۸، حدیث ۳۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۹، حدیث ۴

خلاصہ:

چونکہ ہم نشین اور دوست انسان کے اوپر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے لہٰذا روایات میں اس بات کی زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ دوست اور ہم نشین کے انتخاب میں مکمل توجہ ہونا چاہئے اور صرف انہیں افراد سے دوستی کرنا چاہئے جو متقی و پرہیزگار ہوں تاکہ انسان پر ان کا مفید اثر پڑے۔

سوالات:

۱۔ امام زین العابدینؑ نے ایک اچھے اور لائق شخص کی شناخت کے لئے کن اصولوں کو ناکافی قرار دیا ہے؟

۲۔ امام زین العابدینؑ نے ایک اچھے اور لائق شخص کی شناخت کے لئے کیا معیار لازم اور ضروری قرار دیا ہے؟

۳۔ اس درس میں مذکورہ روایات کی روشنی میں بتایئے کہ کن افراد کے ساتھ ہم نشینی کی تاکید کی گئی ہے؟

تیئیسواں سبق

دوست اور ساتھی (۲)

گذشتہ درس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ دوست کے انتخاب میں بہت احتیاط اور توجہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ دوست ایک جانب تو انسان کے اوپر اثر انداز ہوتا ہے دوسری طرف اس کے ذریعہ ہماری شخصیت اور کردار کا پتہ چلتا ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں کو اپنا دوست اور ہم نشین بنانا چاہئے جو ہمارے اوپر نیک اثر ڈالیں اور سماج میں ہماری سربلندی اور کمال کا باعث ہوں۔ اس درس میں ہم پڑھیں گے کہ کن لوگوں سے دوستی نہیں کرنا چاہئے اور ائمہ معصومینؑ نے ہمیں کن لوگوں کی دوستی سے منع کیا ہے؟

یاد رہے کہ خداوند عالم نے ہمیں ہماری صوابدید پر چھوڑ نہیں دیا ہے کہ ہم جو کرنا چاہیں کریں جس کے ساتھ چاہیں نشست و برخاست رکھیں اور جو چاہیں کہیں یا سنیں۔

امام زین العابدینؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "لَیسَ لَکَ اَنْ تَقعُدَ مَعَ مَنْ شِئتَ لِاَنَّ اللّٰہَ تَبارَکَ وَتَعالیٰ یَقُولُ: ﴿وَاِذا رَاَیتَ الَّذِینَ یَخُوضُونَ فِی آیاتِنا فَاَعْرِضْ عَنهُم حَتّٰی یَخُوضُوا فِی حَدِیثٍ غَیرِہِ وَاِمّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیطانُ فَلا تَقعُدْ بَعدَ الذِّکریٰ مَعَ القَومِ الظّالِمِینَ﴾ (۱) وَلَیسَ اَنْ تَتَکَلَّمَ بِما شِئتَ لِاَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قالَ: ﴿وَلا تَقْفُ ما لَیسَ لَکَ بِہِ عِلْمٌ﴾ (۲) وَلِاَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ قالَ: رَحِمَ اللّٰہُ عَبْداً قالَ خَیراً

---

(۱) سورۂ انعام، آیت ۸

(۲) سورۂ اسراء، آیت ۳۶

فَغَنِمَ اَوْصَمَتَ فَسَلِمَ وَلَیسَ لَکَ اَنْ تَسمَعَ ما شِئتَ لِاَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُولُ: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کانَ عَنْہُ مَسْئُولاً﴾

"تمہیں یہ حق نہیں ہے کہ جس کے ساتھ بھی دل چاہے ہم نشین ہو جاؤ اس لئے کہ خداوند عالم فرماتا ہے" اور جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری نشانیوں کے بارے میں بے ربط بحث کر رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں مصروف ہو جائیں اور اگر شیطان غافل کر دے تو یاد آنے کے بعد پھر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔" (۱)

اور ایسا بھی نہیں ہے کہ تمہارا جو دل چاہے اسے زبان سے کہہ دو. اس لئے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: "اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت جانا" اور پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں: خدا رحم کرے اس بندے پر کہ جو بولتا ہے تو خیر کہتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو محفوظ رہتا ہے" اور ایسا نہیں ہے کہ تمہارا جو دل چاہے اسے سن لو، اس لئے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ: روز قیامت سماعت بصارت اور قوت قلب سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

اس کے علاوہ اس بات کی طرف توجہ رکھنا چاہیئے کہ برے لوگوں کی صحبت برا اثر ڈالنے کے علاوہ سنگ دلی بھی پیدا کرتی ہے اور ممکن ہے کہ وہ انسان کو برائی کی طرف کھینچ لے جائے۔ یا یہ کہ قہر و غضب الٰہی میں اس کے شامل حال ہو جائے اور وہ بھی دوستوں کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہو جائے۔

امام علی رضاؑ کے ایک قریبی صحابی سلیمان جعفری نقل کرتے ہیں کہ: میں نے ایک روز امامؑ کو اپنے والد سے یہ فرماتے ہوئے سنا: "عبدالرحمن بن یعقوب" کے یہاں تمہاری آمد و رفت

---

(۱) سورۂ اسراء: آیت ۳۶

کیوں ہے؟ میرے والد نے عرض کی: وہ میرا اماموں ہے. حضرتؑ نے فرمایا: "خدا کے بارے میں اس کا غلط نظریہ ہے وہ خدا کے حدود وصفات کو محدود کہتا ہے حالانکہ خداوند عالم صفات میں محدود نہیں۔ میرے والد نے عرض کی: "وہ کچھ بھی کہے مجھ سے کیا مطلب. میرا عقیدہ تو ویسا نہیں ہے" حضرتؑ نے فرمایا:

"اَمَا تَخَافُ اَنْ يَنْزِلَ بِهِ نَقِمَةٌ فَتُصِيْبُكُمْ جَمِيعاً؟ اَمَا عَلِمْتَ بِالَّذِىْ كَانَ مِنْ اَصْحَابِ مُوْسىٰ وَكَانَ اَبُوْهُ مِنْ اَصْحَابِ فِرْعَوْنَ فَلَمَّا لَحِقَتْ خَيْلُ فِرْعَوْنَ مُوْسىٰ تَخَلَّفَ عَنْهُ لِيَعِظَهُ وَاَدْرَكَهُ مُوْسىٰ وَاَبُوْهُ سَيُرَاغِمُهُ حَتّىٰ بَلَغَا طَرَفَ الْبَحْرِ فَغَرِقَا جَمِيعاً فَاَتىٰ مُوْسىٰ اَلْخَبَرُ فَسَاَلَ جَبْرَئِيْلَ عَنْ حَالِهِ فَقَالَ لَهُ: غَرِقَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ عَلىٰ رَاْيِ اَبِيْهِ لٰكِنَّ النَّقِمَةَ اِذَا نَزَلَتْ لَمْ يَكُنْ لَهَا عَمَّنْ قَارَبَ الْمُذْنِبَ دِفَاعٌ"

"کیا تمہیں یہ خوف نہیں ہے کہ اگر اس پر عذاب نازل ہوا تو تم سب کو اپنی گرفت میں لے لے؟ کیا تم نے جناب موسیٰؑ کے اصحاب میں سے اس شخص کی داستان نہیں سنی جس کا باپ فرعون کے ساتھیوں میں تھا اور فرعون کی فوج جناب موسیٰؑ کا پیچھا کر رہی تھی تو یہ جناب موسیٰؑ کے لشکر سے نکل کر اپنے باپ کو نصیحت کرنے کے لئے اس کے پاس گیا تا کہ اسے جناب موسیٰؑ کی طرف لے آئے اور وہ اپنے باپ کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور اس کا باپ بھی اس سے فرار کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دریا کے قریب پہونچے اور عذاب الٰہی نازل ہوا اور دونوں فرعون کے لشکر کے ساتھ غرق ہو گئے جب یہ خبر جناب موسیٰؑ کو ملی تو آپ نے جناب جبرئیل سے اس کی حالت پوچھی؟ تو جبرئیل نے کہا خدا اس پر رحمت نازل کرے وہ غرق ہو گیا ہے۔ وہ اپنے باپ کے مذہب پر نہیں تھا لیکن جب عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے تو جو گناہگار کے نزدیک ہوتا ہے اسے بھی پناہ نہیں ملتی۔" (۱)

ان نکات کے پیش نظر ہم قرآن کریم اور معصومینؑ کی احادیث پر ایک نظر ڈالیں اور یہ

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۳۹

دیکھیں کہ کیسے لوگ دوستی اور ہم نشینی کے لائق نہیں ہیں؟

۱۔ سب سے پہلے وہ لوگ ہیں جو آیات الٰہیہ اور دین خدا کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جیسا کہ اس درس کے شروع میں امام زین العابدینؑ کے قول کے ضمن میں سورۂ انعام کی آیت ۶۸ کا حوالہ ذکر ہوا ہے آپ نے دیکھا کہ خداوند عالم نے مومنین کو ان لوگوں کی ہم نشینی اور دوستی سے منع کیا ہے جو آیات الٰہیہ کا مذاق اڑانے کے لئے قرآن پڑھتے ہیں۔ اس طرح سورہ مائدہ کی آیت ۵۷ میں کفار اور ان لوگوں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے جو خدا کے دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاءَ﴾ (۱)

"اے ایمان والو! خبردار اہل کتاب میں جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تماشہ بنا لیا ہے اور دیگر کفار کو بھی اپنا دوست اور سرپرست نہ بناؤ"

۲۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ کی توہین کرتے ہیں اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں رسول اسلامؐ کی بعثت کے شروع کا دور تھا، حجاز کے بت پرستوں میں ایک آدمی تھا جس کا نام "عقبہ بن ابی معیط" تھا وہ مشرک اور بت پرست ہونے کے باوجود مہمان نواز تھا ایک دن پیغمبر اسلامؐ کا گذر اس کی طرف سے ہوا تو اس نے آپؐ سے درخواست کی کہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا: جب تک تم مسلمان نہیں ہو گے میں تمہارے دسترخوان پر نہیں بیٹھوں گا جب اس نے دیکھا کہ پیغمبر اسلامؐ نے دسترخوان پر بیٹھنے کے لئے ایسی شرط لگا دی ہے تو اس نے کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا اسی وقت عقبہ کے ایک دوست "ابی" کو جب یہ معلوم ہوا کہ عقبہ مسلمان ہو گیا ہے تو وہ ناراض ہو کر اس کے پاس آیا اور عقبہ کو برا بھلا کہا کہ "تم اپنے

(۱) سورۂ مائدہ: آیت ۵۷

دین سے خارج ہو گئے۔" عقبہ نے جواب دیا: میرے مہمان نے شرط کر دی تھی کہ جب تک میں مسلمان نہ ہو جاؤں وہ میرے دستر خوان پر نہیں بیٹھے گا۔ ابی نے اس سے کہا: یا تم اپنے دین پر پلٹ آؤ اور پیغمبر کی توہین کر دیا آج سے میری اور تمہاری دوستی بالکل ختم ہے! ابی کے بہت اصرار پر عقبہ نے ایسا ہی کیا۔ اور اسلام سے خارج ہو گیا اور آخر کار جنگ بدر میں سپاہ اسلام کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ ابی بھی جنگ احد میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور دونوں حالت شرک پر ہلاک ہوئے سورۂ فرقان کی آیت ۲۷ر سے ۲۹ر اسی سلسلہ میں نازل ہوئیں ہیں کہ جس میں عقبہ کی کہانی اور حالات بیان ہوئے ہیں۔

﴿وَ يَومَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيهِ يَقُولُ يَالَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلاً . يَاوَيلَتىٰ لَيتَنِى لَم اَتَّخِذْ فُلاناً خَلِيلاً لَقَد أَضَلَّنِى عَنِ الذِّكرِ بَعدَ اِذجَآئَنِى وَ كَانَ الشَّيطَانُ لِلاْ نسَانِ خَذُولاً﴾ (۱)

"اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں نے رسول کے ساتھ ہی راستہ اختیار کیا ہوتا. ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا. اس نے تو ذکر کے آنے کے بعد بھی مجھے گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہی ہے۔"

اس آیت اور اس قصہ کے مطابق ایک دوست کے اوپر اس کے برے دوست کا اثر اور اسے گمراہ کرنے میں اس کا واضح کردار ہمیں متوجہ کر رہا ہے کہ ایسے لوگوں کی دوستی سے پرہیز کریں جو پیغمبر اسلامؐ کی شان میں کسی بھی قسم کی جسارت کرتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"اِذَا ابتَلَيتَ بِاَهلِ النَّصبِ وَمُجَالَستِهِمْ فَكُنْ كَاَنَّكَ عَلىٰ الرَّضفِ حَتّىٰ

(۱) سورۂ فرقان: آیت ۲۷ تا ۲۹

تَقُوْمَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَمقُتُهُمْ وَ يَلعَنُهُمْ فَاِذَا رَاَيتَهُمْ يَخُوضُونَ فِى ذِكرِ اِمَامٍ مِنَ الْاَئِمَّةِ فَقُمْ فَاِنَّ سَخَطَ اللّٰهِ يَنْزِلُ هُنَاكَ عَلَيهِمْ" (۱)

"اگر تم کبھی ان لوگوں کے درمیان جو اہلبیتؑ کی عظمت اور ان کے حق کے منکر ہیں اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں پھنس جاؤ تو اس طرح ہو جاؤ گویا جلتے ہوئے پتھر پر بیٹھے ہوتا کہ فوراً اٹھ جاؤ یعنی اس جگہ سے جلد دور ہو جاؤ اس لئے کہ خداوند عالم ان پر لعنت کرتا ہے۔ اور اگر دیکھو کہ وہ ائمہ میں سے کسی کو برا بھلا کہہ رہے ہیں تو وہاں سے اٹھ جاؤ اس لئے کہ خدا کا عذاب ان پر وہیں نازل ہوگا۔"

نیز آپؑ فرماتے ہیں: "مَنْ قَعَدَ عِنْدَ سَبَّابٍ لِاَولِيَاءِ اللّٰهِ فَقَدْعَصَى اللّٰهَ" جو اولیائے الٰہی کو برا کہنے والوں کے پاس بیٹھے وہ خدا کا نافرمان بندہ ہے۔" (۲)

پھر آپؑ فرماتے ہیں: "مَنْ كَانَ يُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلا تَقْعُدَنَّ فِى مَجلِسٍ يُعَابُ فِيْهِ اِمَامٌ اَوْ يُنتَقَصُ فِيْهِ مُؤمِنٌ"" جو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اس مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہئے جس میں کسی امام پر الزام تراشی کی جا رہی ہو یا کسی مومن کی توہین ہو رہی ہو۔" (۳)

۳۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو دین میں بدعت اور اصول دین میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں: پیغمبر اکرمؐ اس سلسلے میں فرماتے ہیں: "اِذَا رَاَيْتُمْ اَهْلَ الرَّيْبِ وَ الْبِدَعِ مِنْ بَعْدِى فَاَظْهِرُوا الْبَرَائَةَ مِنْهُمْ وَاَكْثِرُوامِنْ سَبِّهِمْ وَالْقَوْلَ فِيهِمْ وَالْوَقِيعَةَ وَبَاهِتُوهُمْ كَيْلاَ يَطْمَعُوافِى الْفَسَادِفِى الْاِسْلاَمِ وَيَحْذَرُهُمُ النَّاسُ وَلاَيَتَعَلَّمُونَ مِنْ بِدَعِهِمْ، يَكْتُبُ اللّٰهُ لَكُمْ بِذٰلِكَ الْحَسَنَاتِ وَ يَرْفَعُ لَكُمْ بِهِ الدَّرَجَاتِ

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۵

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۸

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۸

فِی الْآخِرَۃ"

''میرے بعد جب بھی ایسے لوگوں کو دیکھنا جو دین میں شک وشبہہ اور بدعتیں پیدا کرنے والے ہوں تو ان سے کھلم کھلا بیزاری کرتے رہنا اور جس قدر ممکن ہو ان پر لعن وطعن کرنا، ان کے بارے میں گفتگو کرتے رہنا اور انہیں اس طرح خاموش کردینا کہ پھر ان کے اندر اسلام میں فساد برپا کرنے کی ہمت نہ ہو اور لوگوں کو ان سے دور کردو تاکہ وہ ان سے ان کی بدعتیں نہ سیکھیں۔ اس کے بدلے خدا تمہارے لئے بہترین نیکیاں لکھے گا۔ اور آخرت میں تمہارے درجات کو بلند کرے گا۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ''لَاتَصْحَبُوْا اَهْلَ الْبِدَعِ وَ لَاتُجَالِسُوْهُمْ فَتَصِيْرُوْا عِنْدَ النَّاسِ كَوَاحِدٍ مِنْهُمْ''(۲)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ''اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ وَ قَرِيْنِهٖ'' ''اہل بدعت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان کی ہم نشینی اختیار نہ کرنا۔ ورنہ لوگ تمہیں بھی ان کا ہم مشرب سمجھیں گے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: انسان اپنے دوست اور ہم نشین کے دین پر ہوتا ہے۔''(۳)

۴۔ چوتھے وہ لوگ ہیں جو شرارت پسند، فاسق، گناہگار اور خدا کی نافرمانی کرنیوالے ہیں:

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

''لَايَنْبَغِیْ لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ يُوَاخِیَ الْفَاجِرَ فَاِنَّهٗ يُزَيِّنُ لَهٗ فِعْلَهٗ وَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ مِثْلَهٗ وَ لَا يُعِيْنُهٗ عَلٰى اَمْرِ دُنْيَاهُ وَ لَا اَمْرِ مَعَادِهٖ وَ مَدْخَلِهٖ اِلَيْهِ وَ مَخْرَجِهٖ مِنْ عِنْدِهٖ شَيْنٌ عَلَيْهِ''

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴ احدیث ۴۱

(۲) اصول کافی: ج ۲، ص ۶۴۲

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۰

''ایک مسلمان کو کسی فاسق وفاجر سے رابطہ نہیں رکھنا چاہئے اس لئے کہ وہ اس مسلمان کے سامنے اپنے عمل کو اچھا بنا کر ظاہر کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ وہ مسلمان بھی اس جیسا ہو جائے اور اس کی دینا وآخرت کے بارے میں اس کی مدد نہیں کرتا۔ اور اس کے ساتھ آمد ورفت رکھنے میں مسلمان کی ذلت ہے۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''لَايَنْبَغِیْ لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ يُوَاخِیَ الْفَاجِرَ وَ لَا الْاَحْمَقَ وَ لَا الْكَذَّابَ'' ''مسلمان کو فاجر، احمق اور جھوٹے سے دوستی نہیں رکھنا چاہئے۔''(۲)

نیز آپ فرماتے ہیں: ''لَا يَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يَجْلِسَ مَجْلِسًا يُعْصَى اللّٰهُ فِيْهِ وَ لَا يَقْدِرُ عَلٰى تَغْيِيْرِهٖ'' ''مومن کو اس مجلس میں شریک نہیں ہونا چاہئے جس میں خدا کی نافرمانی ہو۔ اور اس مجلس میں اس کا کچھ بس بھی نہ چلتا ہو۔''(۳)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

''مُجَالَسَةُ الْاَشْرَارِ تُوْرِثُ سُوْءَ الظَّنِّ بِالْاَخْيَارِ وَ مُجَالَسَةُ الْاَخْيَارِ تُلْحِقُ الْاَشْرَارَ بِالْاَخْيَارِ وَ مُجَالَسَةُ الْاَبْرَارِ لِلْفُجَّارِ تُلْحِقُ الْاَبْرَارَ بِالْفُجَّارِ فَمَنِ اشْتَبَهَ عَلَيْكُمْ اَمْرُهٗ وَلَمْ تَعْرِفُوْا دِيْنَهٗ فَانْظُرُوْا اِلٰى خُلَطَائِهٖ فَاِنْ كَانُوْا اَهْلَ دِيْنِ اللّٰهِ فَهُوَ عَلٰى دِيْنِ اللّٰهِ وَ اِنْ كَانُوْا عَلٰى غَيْرِ دِيْنِ اللّٰهِ فَلَا حَظَّ لَهٗ مِنْ دِيْنِ اللّٰهِ. اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُوَاخِيَنَّ كَافِرًا وَ لَا يُخَالِطَنَّ فَاجِرًا وَ مَنْ آخٰى كَافِرًا اَوْ

---

(۱) اصول کافی: ج ۲، ص ۶۴۰، حدیث ۲

(۲) اصول کافی: حدیث ۳

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۳۸

خالط فاجراً کان کافراً فاجراً"

"برے لوگوں کے ساتھ اچھے لوگوں کی ہم نشینی سے لوگوں میں نیک افراد کے بارے میں بدظنی پیدا ہو جاتی ہے. اور نیک لوگوں کی ہم نشینی کی وجہ سے برے بھی ان سے گھل مل جاتے ہیں اگر کوئی اچھا انسان فاجروں کا ہم نشین ہو جائے تو وہ بھی انہیں فاجروں سے مل جاتا ہے. لہٰذا اگر تم یہ نہ سمجھ سکو کہ یہ انسان کیسا ہے تو اس کے ساتھیوں اور ہم نشینوں کو دیکھو اگر وہ خدا کے دین پر ہوں تو وہ بھی خدا کے دین پر ہے اور اگر وہ خدا کے دین پر نہ ہوں تو وہ بھی خدا کے دین سے دور ہے. رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: جو شخص خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے کافر کے ساتھ برادرنہ تعلقات نہیں رکھنا چاہئے. نہ ہی فاجر کا ہم نشین اور ساتھی ہونا چاہئے جو کافر کے ساتھ برادرنہ تعلقات یا فاجر کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرتا ہے وہ خود کافر و فاجر ہو جاتا ہے۔"(۱)

اسی طرح آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "ایّاکَ وَمُصاحَبَۃَ الْفُسّاقِ فَاِنَّ الشَّرَّ بِالشَّرِّ مُلْحَقٌ" "فاسقوں کی صحبت سے بچو! اس لئے کہ برائی برائی سے مل ہی جاتی ہے؟"(۲)

۵۔ پانچویں وہ لوگ ہیں جن کا دین، اخلاق، کردار اور فہم وشعور زیادہ نہیں ہے اگر چہ وہ فاسق نہ ہوں. جیسے جھوٹا، بے حیا، کنجوس، احمق اور بے وفا یہ سب بھی انہیں میں شامل ہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "یَنْبَغِی لِلْمُسْلِمِ اَنْ یَجْتَنِبَ مُواخاۃَ ثَلاثَۃٍ: اَلْماجِنَ وَ الْاَحْمَقَ وَ الْکَذّابَ" "مسلمان کو چاہئے کہ تین لوگوں سے بھائی چارہ نہ رکھے، بے حیا، احمق اور جھوٹا۔"(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۳۱

(۲) بحار الانوار: ج ۳۳، باب ۲۹، حدیث ۷۰۷

(۳) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۴۳

امام محمد باقرؑ بھی فرماتے ہیں:

"قالَ اَبی عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِؑ: یا بُنَیَّ اُنْظُرْ خَمْسَۃً فَلا تُصاحِبْھُمْ وَ لا تُحادِثْھُمْ وَ لا تُرافِقْھُمْ مِنْ طَرِیقٍ. فَقُلْتُ: یا اَبی مَنْ ھُمْ؟ عَرِّفْنِیھِمْ، قالَ: اِیّاکَ وَ مُصاحَبَۃَ الْکَذّابِ فَاِنَّہُ بِمَنْزِلَۃِ السَّرابِ یُقَرِّبُ لَکَ الْبَعِیدَ وَ یُبَعِّدُ لَکَ الْقَرِیبَ وَ اِیّاکَ وَ مُصاحَبَۃَ الْفاسِقِ فَاِنَّہُ یَبِیعُکَ بِاُکْلَۃٍ اَوْ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِکَ وَ اِیّاکَ وَ مُصاحَبَۃَ الْبَخِیلِ فَاِنَّہُ یَخْذُلُکَ فِی مالِہِ اَحْوَجَ ماتَکُونُ اِلَیْہِ وَ اِیّاکَ وَ مُصاحَبَۃَ الْاَحْمَقِ فَاِنَّہُ یُرِیدُ اَنْ یَنْفَعَکَ فَیَضُرُّکَ وَ اِیّاکَ وَ مُصاحَبَۃَ الْقاطِعِ لِرَحِمِہِ فَاِنِّی وَجَدْتُہُ مَلْعُوناً فِی کِتابِ اللّٰہِ فِی ثَلاثَۃِ مَواضِعَ" (۱)

"میرے والد بزرگوار امام زین العابدینؑ نے مجھ سے فرمایا: بیٹا پانچ لوگوں کی صحبت سے بچو. ان سے بات نہ کرو اور کسی راہ میں ان کے ساتھ نہ چلو. میں نے کہا: بابا وہ کون لوگ ہیں؟ مجھے ان کی پہچان بتا دیجئے. آپ نے فرمایا: جھوٹے کی صحبت سے بچو اس لئے کہ وہ سراب کی طرح ہے. وہ تمہیں دور کی چیز کو نزدیک اور نزدیک کو دور کی طرح دکھائے گا. اور فاسق کی صحبت وہم نشینی سے پرہیز کرو. اس لئے کہ وہ تمہیں ایک لقمہ یا اس سے کم کے بدلے بیچ ڈالے گا. بخیل کی صحبت سے بچو اس لئے کہ وہ تمہاری سخت پریشانی اور مشکل میں بھی تمہیں اپنا مال نہیں دے گا. احمق کی صحبت وہم نشینی سے پرہیز کرو اس لئے کہ وہ تمہیں فائدہ پہونچانے کی فکر میں نقصان پہونچا دے گا. اسی طرح اس کی صحبت سے بھی بچو جو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے رابطہ ختم کر لیتا ہے اس لئے کہ قرآن میں اس پر تین مقامات پر لعنت کی گئی ہے۔"

پھر امامؑ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی جن میں قاطع رحم پر لعنت کی گئی ہے اور وہ آیتیں یہ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۲۹

ہیں۔ سورۂ محمد:۲۲/۲۳ رعد:۲۵ ربقرہ:۲۷ (چوتھا درس ملاحظہ کیجئے)

اسی طرح امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "اَرْبَعَةٌ يَذْهَبْنَ ضِيَاعاً: مَوَدَّةٌ تَمْنَحُهَا مَنْ لَا وَفَاءَ لَهُ..." "چار چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں، سب سے پہلے وہ دوستی ہے جو بے وفا کے ساتھ کی جائے۔"(۱)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

"لَا تُقَارِنْ وَلَا تُوَاخِ اَرْبَعَةً: اَلْاَحْمَقَ وَالْبَخِيلَ وَالْجَبَانَ وَالْكَذَّابَ، اَمَّا الْاَحْمَقُ يُرِيدُ اَنْ يَنْفَعَكَ فَيَضُرُّكَ وَاَمَّا الْبَخِيلُ فَاِنَّهُ يَاْخُذُ مِنْكَ وَلَا يُعْطِيكَ وَاَمَّا الْجَبَانُ فَاِنَّهُ يَهْرَبُ عَنْكَ وَعَنْ وَالِدَيْهِ وَاَمَّا الْكَذَّابُ فَاِنَّهُ يَصْدُقُ وَلَا يُصَدَّقُ"

"چار لوگوں کے ساتھ نہ رہنا اور ان سے برادرانہ تعلقات اور ہم نشینی کا رابطہ نہ رکھنا: احمق، کنجوس، بزدل، اور کذاب اس لئے کہ احمق تمہیں فائدہ پہونچانے کے خیال میں نقصان پہونچائے گا اور بخیل تم سے لے گا لیکن تمہیں کچھ دے گا نہیں اور بزدل تم سے اور اپنے والدین سے فرار کر جاتا ہے اور جھوٹا اگر سچ بھی بولتا ہے تب بھی اس کی بات کا کوئی یقین نہیں کرتا ہے۔"(۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۲، باب ۱۳، حدیث ۲۱۰

(۲) بحار الانوار: ج ۷۴، باب ۱۴، حدیث ۸

خلاصہ:

قرآن و حدیث میں مومنین کو ایسے لوگوں کی دوستی اور ہم نشینی سے منع کیا گیا ہے جن کے عقائد و اخلاق اور کردار و عمل برا اور خراب ہو یا مومنین کے دین اخلاق اور کردار میں ان کی وجہ سے کوئی کمزوری یا برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔

سوالات:

۱۔ ہر کسی سے کیوں دوستی نہیں کی جا سکتی ہے؟

۲۔ جس کے عقائد خراب اور برے ہوں اس کی ہم نشینی میں کیا خرابی ہے؟

۳۔ "عقبہ بن ابی معیط" کے واقعہ سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

چوبیسواں سبق

غیبت (۱)

پچھلے درس میں ہم نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اسلام کا اجتماعی نظام معاشرت اور طرز زندگی کچھ خاص اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ نیک صفات و عادات پر مشتمل ان اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے اور سماجی زندگی میں لوگوں کے ساتھ رہنے کے لئے ان کی پابندی ضروری ہے. مثلاً تواضع، انصاف، خوش اخلاقی، اور وعدہ وفائی وغیرہ۔ جن کی وضاحت ہم پچھلے دروس میں بیان کر چکے ہیں۔

بعض اصول ان صفات و عادات پر مشتمل ہیں کہ جن کی وجہ سے مومنین کے آپسی روابط درہم و برہم ہو جاتے ہیں لہٰذا ان چیزوں سے گریز بھی اسلام کے اجتماعی آداب میں شامل ہے اور تمام مومنین کا شرعی فریضہ ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کریں۔ اور اگر مومنین ان اصولوں پر واقعاً عمل پیرا ہو جائیں تو ایک صاف ستھرا سماج وجود میں آ جائے گا۔

ان بری صفات اور خصلتوں میں سب سے پہلی خصلت ''غیبت'' ہے. لہٰذا غیبت سے متعلق مندرجہ ذیل چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔

ا۔ غیبت کی تعریف

لغت میں غیبت کے معنی ہیں ''کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی کرنا'' لیکن شریعت اور علم اخلاق کی رو سے غیبت سے مراد ہے ''کسی مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے نقائص اور عیوب کو اس طرح بیان کرنا کہ اگر وہ انھیں سن لے تو اسے برا لگے۔'' یہ برائی اور عیب چاہے دینی اور اخلاقی ہو یا اس کے جسم میں کوئی نقص پایا جاتا ہو یہاں تک کہ کسی کے گھر اور اس کے اسباب زندگی کے نقائص کو بیان کرنا بھی غیبت ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''اَلْغِیْبَۃُ ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَھُہُ، قِیلَ لَہُ: اَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ: اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَہُ وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْہِ فَقَدْ بَھَتَّہُ'' ''غیبت یعنی کسی مومن بھائی کی ایسی بات کو بیان کرنا جو اسے بری لگے'' آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا: کہ اگر اس میں وہ عیب پایا جاتا ہو تب بھی وہ غیبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر وہ عیب اس میں پایا جاتا ہو اور تم نے اسے ہی بیان کیا ہے تب ہی تو غیبت ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہیں پایا جاتا اور تم نے اسے اس کی طرف منسوب کر دیا تو یہ اس پر تہمت ہے۔'' (۱)

روایت میں ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے سامنے آپ کے کچھ اصحاب کسی شخص کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ: فلاں شخص کتنا عاجز و مجبور ہے آنحضرتؐ نے فرمایا: ''تم نے اس کی غیبت کی ہے'' انہوں نے عرض کی: جو اس کے اندر ہے ہم نے وہی بیان کیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''جو کچھ اس کے اندر نہیں ہے اگر تم وہ بیان کرتے تو یہ اس پر تہمت ہوتی۔'' (۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۲، ص ۲۲۲

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، ح ۷

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "اَلْغِیْبَةُ اِنْ تَقُوْلَ فِیْ اَخِیْکَ مَاسَتَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ" "غیبت یہ ہے کہ تمہارے مومن بھائی کے جن عیوب کو خداوند عالم نے چھپا رکھا ہے اسے بیان کردو۔"(۱)

غیبت کی مذکورہ تعریف اور اس سے متعلق روایات کے پیش نظر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ ہی غیبت ہوسکتی ہے یعنی اگر یہ تمام شرطیں پائی جائیں تو اسے غیبت کہا جاتا ہے۔

اوّل: کسی کے پوشیدہ عیوب کو عیاں کرنے کا قصد ہو۔ ورنہ جو عیوب آشکار ہیں انہیں بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: "مَنْ ذَکَرَ رَجُلاً مِنْ خَلْفِہِ بِمَا ھُوَ فِیْہِ مِمَّا عَرَفَہُ النَّاسُ لَمْ یَغْتَبْہُ وَ مَنْ ذَکَرَہُ مِنْ خَلْفِہِ بِمَا ھُوَ فِیْہِ مِمَّا لَایَعْرِفُہُ النَّاسُ اغْتَابَہُ وَ مَنْ ذَکَرَہُ بِمَالَیْسَ فِیْہِ فَقَدْ بَھَتَہُ" "اگر کوئی شخص کسی کی عدم موجودگی میں اس کی وہ کمی بیان کرے جس کو سب جانتے ہوں تو یہ غیبت نہیں ہے لیکن اگر اس کا کوئی ایسا عیب جسے لوگ نہ جانتے ہوں بیان کرے تو اس کی غیبت ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے اور اسے اس کی طرف نسبت دیدے تو یہ اس پر تہمت لگانا ہے۔"(۲)

دوسرے: جو عیب اور نقائص بیان کئے جارہے ہیں وہ اس میں موجود ہونا چاہئیں ورنہ غیبت نہیں ہے بلکہ تہمت ہے۔

تیسرے: اس شخص کو تکلیف دینا مقصود ہو، ورنہ اگر کوئی مصلحت ہو تو وہ غیبت نہیں ہوگی.

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۷

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۶

مثلاً کسی کی بیماری ڈاکٹر کے سامنے بیان کرنا۔

چوتھے: جس کی غیبت کی جارہی ہے وہ مومن ہو۔ لہٰذا کافروں اور مشرکوں کی غیبت کی جاسکتی ہے۔

پانچویں: جس شخص کی غیبت کی جارہی ہے سننے والے اس کو جانتے ہوں۔ لہٰذا اگر کسی انجان کی کوئی بات بیان کی جائے تو یہ غیبت نہیں ہے۔

چھٹے: جس کی غیبت کی جارہی ہے وہ کھلے عام گناہ نہ کرتا ہو اس لئے کہ جو شخص کھلے عام گناہ کرتا ہے اسے اپنی آبرو کی پروا نہیں ہوتی یعنی اسے اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ لوگ اس کے عیوب اور گناہ سے باخبر ہیں یا نہیں۔

۲۔ غیبت کی حرمت

غیبت کتنا بڑا گناہ اور حرام کام ہے اور شریعت کی نظر میں یہ کس قدر قبیح فعل ہے اس سے واقفیت کے لئے مندرجہ ذیل آیات و روایات ملاحظہ فرمائیں

واضح رہے کہ گناہوں اور بری عادتوں سے خداوند عالم کتنا ناراض اور غضبناک ہوتا ہے اور معصومینؑ کو ان باتوں سے کتنی نفرت ہے اس کا اندازہ ان حضرات کے کلام میں موجود تعبیرات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ لَایَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ﴾ "ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے۔"(۱)

(۱) سورۂ حجرات: آیت ۱۲

اس آیت میں جس کی غیبت ہورہی ہے اس کو مردہ فرض کیا ہے اور غیبت مردہ کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے۔ شاید یہ اس لئے ہو کہ مومن بھائی کی غیبت کرنا گویا اس کو قتل کرنا اور اس کا گوشت کھانا ہے اس لئے کہ غیبت کے نتیجہ میں اس شخص کی عزت و آبرو سب ختم ہو جاتی ہے جس کی تلافی کا کوئی امکان نہیں ہوتا جیسے کہ قتل ہو جانے کے بعد تلافی ممکن نہیں ہوتی۔ غیبت کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہےکہ مسلمانوں کی عزت محفوظ رہے اور جس طرح ایک مسلمان کی جان اور مال قابل احترام ہے اور ان کا تحفظ ضروری ہے اسی طرح اس کی عزت و آبرو بھی قابل احترام ہے ان کا بھی تحفظ واجب و لازم ہے تو جس طرح ایک مسلمان کا قتل گناہ کبیرہ اور حرام ہے اسی طرح اس کی توہین کر کے اسے بے آبرو کرنا بھی گناہ کبیرہ اور حرام ہے پیغمبر اکرمؐ ایک حدیث میں فرماتے ہیں: "كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ، وَ مَالُهُ وَ عِرْضُهُ" "مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔"(۱)

چونکہ غیبت سے دراصل ایک مسلمان کی بے عزتی اور توہین ہوتی ہے لہٰذا ایک مسلمان کی آبرو بچانا اور اس کا دفاع کرنا ہر مسلمان کا شرعی فریضہ ہے اور جو اس فریضہ کو اچھی طرح انجام دیتا ہے وہ خدا کی رضا حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جو اس فریضہ کو انجام دے سکتا ہے لیکن اسے انجام نہیں دیتا وہ خداوند عالم کے قہر و غضب کا مستحق ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "مَنْ اُذِلَّ عِنْدَهُ مُؤْمِنٌ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى اَنْ يَنْتَصِرَ لَهُ فَلَمْ يَنْصُرْهُ اَذَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ" "اگر کسی کے سامنے کسی مومن کو ذلیل کیا جائے اور وہ اس کی مدد کر سکتا ہو لیکن مدد نہ کرے تو خداوند عالم اسے قیامت کے دن سب کے سامنے ذلیل کرے گا۔"(۲)

دوسری جانب آپ ﷺ فرماتے ہیں: "مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ بِالْغَيْبِ كَانَ حَقًّا

(۱) کنز العمال: ج ۱، ص ۱۵۰، حدیث ۷۴۷

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَرُدَّ عَنْ عِرْضِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" "جو اپنے برادر مومن کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کا دفاع کرتا ہے تو خداوند عالم روز قیامت اس کی آبرو کو محفوظ رکھنے کو اپنے اوپر واجب قرار دیتا ہے۔"(۱)

نیز آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ بِالْغَيْبِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ" "جو اپنے مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کا دفاع کرتا ہے خداوند عالم اپنے اوپر یہ واجب قرار دیتا ہے کہ اسے آتش جہنم سے آزاد کر دے۔"(۲)

قرآن کریم نے غیبت کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے غیبت کے اندر موجود برائی کا اندازہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ ایسے الفاظ کسی اور گناہ کے لئے استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔

آیۂ شریفہ کے ذیل میں یہ بات بھی قابل توجہ اور لائق ذکر ہے کہ روز قیامت غیبت کرنے والے کو یہ حکم دیا جائے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "مَنْ اَكَلَ لَحْمَ اَخِيْهِ فِي الدُّنْيَا قُرِّبَ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ كُلْهُ مَيِّتاً كَمَا اَكَلْتَهُ حَيّاً فَيَاكُلُهُ وَ يَكْلَحُ وَ يَضِجُّ" "جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے اسے روز قیامت اس کے پاس لایا جائے گا جس کی اس نے غیبت کی تھی اور پھر اس سے یہ کہا جائے گا کہ: جس طرح اس کی زندگی میں تو نے اس کا گوشت کھایا تھا اب یہ مردہ ہے اب پھر اس کا گوشت کھا۔ چنانچہ وہ اسے کھائے گا مگر اس سے کراہت محسوس کرے گا اور فریاد کرے گا۔"(۳)

اسی طرح آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "مَرَرْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ عَلَى قَوْمٍ يَخْمِشُوْنَ

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، ح ۱

(۲) محجۃ البیضاء: ج ۵، ص ۲۶۱

(۳) فتح الباری: ج ۱۰، ص ۳۹۲

وُجُوهَهُم بِاَظَافِيرِهِمْ فَقُلْتُ: يَا جِبْرَئِيلُ! مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَغْتَابُوْنَ النَّاسَ وَ يَقَعُوْنَ فِيْ اَعْرَاضِهِمْ" "جس رات مجھے معراج پر لے جایا گیا میرا گذر کچھ ایسے لوگوں کی طرف سے ہوا جو اپنے چہروں کو اپنے ناخنوں سے نوچ رہے تھے میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کر کے انہیں بے عزت کرتے تھے۔"(۱)

غیبت کے سلسلہ میں جو روایتیں موجود ہیں ان میں سے ایک روایت پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے جس میں آپ نے غیبت کو زنا سے بدتر قرار دیا ہے۔

آپؐ فرماتے ہیں: "اِيَّاكُمْ وَ الْغِيْبَةَ فَاِنَّ الْغِيْبَةَ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا، اِنَّ الرَّجُلَ قَدْيَزْنِي فَيَتُوْبُ، فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَايُغْفَرُ لَهُ حَتّٰى يَغْفِرَ لَهُ صَاحِبُهُ" "غیبت سے پرہیز کرو اس لئے کہ غیبت زنا سے بدتر ہے۔ کیونکہ زنا کرنے والا اگر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر سکتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کی بخشش اس وقت تک نہیں ہو سکتی ہے جب تک اس کو راضی نہ کر لے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔"(۲)

پیغمبر اکرمؐ نے ایک دوسری حدیث میں غیبت کو سود سے بدتر بتایا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں: "اِنَّ الدِّرْهَمَ يُصِيْبُهُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ فِي الْخَطِيْئَةِ مِنْ سِتٍّ وَ ثَلَاثِيْنَ زَنْيَةٍ يَزْنِيْهَا الرَّجُلُ وَ اِنَّ اَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ" "ایک درہم سود کا گناہ خداوند عالم کے نزدیک چھتیس زنا سے زیادہ ہے اور سب سے بڑا سود کسی مسلمان کو بے آبرو کرنا ہے۔"(۳)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

(۲) گذشتہ حوالہ

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۱، حدیث ۱

غیبت اس لحاظ سے بھی قابل مذمت ہے کہ یہ برائی کے رواج کا ذریعہ ہے۔ اسلام میں برائی کی ترویج خود ایک گناہ کبیرہ ہے، جس کے سلسلہ میں قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ "جو لوگ مومنین کے درمیان فحشا اور برائیوں کو پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں: "مَنْ قَالَ فِيْ مُؤْمِنٍ مَا رَاَتْهُ عَيْنَاهُ وَ سَمِعَتْهُ اُذُنَاهُ فَهُوَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ" "جو شخص کسی مومن کے اس عیب کو بیان کرے جس کو خود اس کی آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہو تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے لئے قرآن کریم میں یہ ارشاد ہے "یہ وہ لوگ ہیں جو مومنین کے درمیان فحشا اور برائی پھیلانا چاہتے ہیں۔"(۲)

امامؑ نے جو یہ فرمایا ہے کہ: "آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہوا" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ عیب و نقص اس کے لئے اتنا واضح ہو کہ اسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یا کانوں سے سنا ہو لیکن دوسرے لوگ اس سے آگاہ نہ ہوں اور وہ اسے ان سے بیان کر دے تو یہی غیبت ہے. گویا امامؑ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس نے غیبت کی ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

روایات میں غیبت کو جہنم کے کتوں کی غذا بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "اِجْتَنِبِ الْغِيْبَةَ فَاِنَّهَا اِدَامُ كِلَابِ النَّارِ" "غیبت سے پرہیز کرو اس لئے کہ غیبت جہنم کے کتوں کی غذا ہے۔"(۳)

---

(۱) سورۂ نور: آیت ۱۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۲

(۳) گذشتہ حوالہ: حدیث ۱۳

امام حسینؑ نے بھی ایک شخص کو غیبت کرتے دیکھا تو فرمایا: "یَا هٰذَا کُفَّ عَنِ الْغِیْبَةِ فَاِنَّهَا اِدَامُ کِلَابِ النَّارِ" "اے شخص! غیبت نہ کر! اس لئے کہ یہ جہنم کے کتوں کی غذا ہے۔" (۱)

امام زین العابدینؑ بھی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "اِیَّاکَ وَ الْغِیْبَةَ فَاِنَّهَا اِدَامُ کِلَابِ النَّارِ وَ اعْلَمْ اَنَّ مَنْ اَکْثَرَ مِنْ ذِکْرِ عُیُوْبِ النَّاسِ شَهِدَ عَلَیْهِ الْاِکْثَارُ اَنَّهُ اِنَّمَا یَطْلُبُهَا بِقَدْرِ مَا فِیْهِ" "غیبت سے بچو اس لئے کہ وہ جہنم کے کتوں کی غذا ہے اور یاد رکھو کہ جو دوسروں کے عیوب کو زیادہ بیان کرتا ہے تو اس کی یہ فضول گوئی اس بات کی دلیل ہے کہ خود اپنے اندر پائی جانے والی برائیوں کو دوسرے لوگوں میں تلاش کرتا ہے۔" (۲)

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جس کے اندر جتنی برائیاں پائی جاتی ہیں اتنا ہی وہ دوسروں کے عیوب کو تلاش کر کے بیان کرتا ہے۔ حضرت علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "ذُو الْعُیُوْبِ یُحِبُّوْنَ اِشَاعَةَ مَعَایِبِ النَّاسِ لِیَتَّسِعَ لَهُمُ الْعُذْرُ فِیْ مَعَایِبِهِمْ" "جن کے اندر عیب اور نقص پایا جاتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے عیوب بھی فاش ہو جائیں تا کہ ان کو اپنے عیوب کے لئے بہانہ مل جائے۔" (۳)

بعض روایات میں بتایا گیا ہے کہ غیبت کرنے والے کا دین، ایمان اور اس کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "اَلْغِیْبَةُ حَرَامٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَ اِنَّهَا لَتَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ" "ہر مسلمان پر غیبت حرام ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۲۰، حدیث ۲

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۸

(۳) غرر الحکم: ج ۴، ص ۳۸

جاتی ہے اسی طرح غیبت انسان کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔" (۱)

ایک دوسری روایت میں پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے کہ: "اَلْغِیْبَةُ اَسْرَعُ فِیْ دِیْنِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْاٰکِلَةِ فِیْ جَوْفِهِ" "غیبت کا اثر مسلمان کے دین پر اس سے کہیں جلدی ہوتا ہے جتنا اس کے جسم پر جذام کا اثر ہوتا ہے۔" (۲)

ایک اور روایت میں پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں:

"یُؤْتٰی بِاَحَدٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یُوْقَفُ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ یُدْفَعُ اِلَیْهِ کِتَابُهُ فَلَا یَرٰی حَسَنَاتِهِ فَیَقُوْلُ: اِلٰهِیْ لَیْسَ هٰذَا کِتَابِیْ، فَاِنِّیْ لَا اَرٰی فِیْهَا طَاعَتِیْ؟ فَیُقَالُ لَهُ: اِنَّ رَبَّکَ لَا یَضِلُّ وَ لَا یَنْسٰی ذَهَبَ عَمَلُکَ بِاغْتِیَابِ النَّاسِ ثُمَّ یُؤْتٰی بِآخَرَ وَ یُدْفَعُ اِلَیْهِ کِتَابُهُ فَیَرٰی فِیْهَا طَاعَاتٍ کَثِیْرَةٍ فَیَقُوْلُ: اِلٰهِیْ مَا هٰذَا کِتَابِیْ! فَاِنِّیْ مَا عَمِلْتُ هٰذِهِ الطَّاعَاتِ، فَیُقَالُ لَهُ: لِاَنَّ فُلَاناً اِغْتَابَکَ فَدُفِعَتْ حَسَنَاتُهُ اِلَیْکَ"

"قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کا نامۂ اعمال اسے دیا جائے گا جب وہ اپنا نامۂ اعمال دیکھے گا تو وہ اپنی نیکیاں اس میں نہیں پائے گا تو کہے گا: خداوندا! یہ میرا نامۂ اعمال نہیں ہے اس لئے کہ اس میں میری نیکیاں ہی نہیں ہیں، تو اس سے کہا جائے گا "تمہارا خدا کوئی غلطی یا خطا نہیں کرتا بلکہ تم نے لوگوں کی جو غیبت کی ہے اس کی بنا پر تمہارے اعمال ختم ہو گئے۔ پھر ایک دوسرے شخص کو لایا جائے گا۔ اور اس کا نامۂ اعمال اسے دیا جائے گا۔ تو وہ اس میں بہت سی نیکیاں دیکھے گا تو وہ کہے گا:

خداوندا! یہ میرا نامۂ اعمال نہیں ہے اس لئے کہ اس میں جو نیکیاں ہیں یہ تو میں نے نہیں کی

---

(۱) کشف الریبہ: ص ۹

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

تھیں تو اس سے کہا جائے گا: چونکہ فلاں شخص نے تمہاری غیبت کی تھی اس لئے اس کی نیکیاں تم کو مل گئی ہیں۔"(۱)

کسی بزرگ سے منقول ہے کہ: جب انہیں بتایا گیا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو وہ مسکرائے اور کہا اس کے گھر مٹھائی بھیجو اور کہلا دو کہ "میں نے سنا ہے کہ تم نے کچھ نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں بھیجی ہیں لہٰذا شکریہ کے طور پر یہ مٹھائی میری طرف سے قبول کرلو۔"

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۵۳

خلاصہ:

غیبت یعنی کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی کرنا۔ شریعت اسلام میں غیبت اس لئے حرام ہے کہ غیبت سے دوسروں کے سامنے ایک مسلمان کی توہین اور بے عزتی ہوتی ہے۔ غیبت سود، زنا اور برائیوں کی ترویج جیسے گناہوں سے بھی بدتر ہے۔

سوالات:

۱۔ غیبت کی تعریف بیان کیجئے؟

۲۔ غیبت کے شرائط میں سے دو شرطیں بیان کیجئے؟

۳۔ قرآن کریم نے غیبت کرنے والے کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے والے سے کیوں تشبیہ دی ہے؟

۴۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے لوگوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کو کیوں واجب قرار دیا ہے؟

پچیسواں سبق

غیبت (۲)

۳۔ غیبت کی وجہیں

گذشتہ درس میں ہم نے پڑھا کہ غیبت کتنی بری چیز اور گناہ کبیرہ ہے. اور ہم نے دیکھا کہ اجتماعی زندگی میں اس کا کتنا برا اثر پڑتا ہے اور آخرت میں اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔

اس درس میں ہم یہ دیکھیں گے کہ غیبت کے اسباب کیا ہیں تا کہ اس سے بچنے کے طریقوں سے آگاہ ہوسکیں. علمائے اخلاق نے بیان کیا ہے کہ آٹھ وجوہات کی بنا پر انسان کسی کی غیبت کرتا ہے۔

ا۔ تسکین قلب

بہت سے لوگ اس لئے غیبت کرتے ہیں اور لوگوں کے عیوب کو فاش کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں تا کہ خود ان کے عیوب چھپ جائیں یا بالکل معمولی نظر آئیں۔

یہ لوگ جب اپنے نقائص کو دیکھتے ہیں تو انہیں دور کرنے کی کوشش کے بجائے دوسروں کے نقائص اور عیوب کو عیاں کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں تا کہ وہ لوگوں کو بتا سکیں کہ یہ کمی اور عیب صرف میرے ہی اندر نہیں ہے بلکہ فلاں کا عیب مجھ سے زیادہ ہے یعنی میرا عیب اور گناہ تو بہت کم اور معمولی چیز ہے. اس طرح وہ اپنے دل کو مطمئن کرتے ہیں. اگر اس وجہ سے کوئی غیبت میں مبتلا ہو جائے تو وہ اپنے گناہوں میں ایک اور بڑے گناہ کا اضافہ کر لیتا ہے. اس لئے کہ ہر انسان خود اپنے عمل اور کردار

کا ذمہ دار ہے. اور اس بہانے سے کہ دوسرا اس سے زیادہ گناہگار ہے توبہ اور اصلاح کی کوشش نہیں کرتا اس کے پچھلے گناہ تو اپنی جگہ باقی رہتے ہی ہیں ان پر غیبت جیسے گناہ کبیرہ کا اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔

۲۔ فخر ومباہات

بعض لوگ دوسروں کے نقائص وعیوب کو لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تا کہ ان کی تحقیر کر کے اپنے کو صاحب فضل وکمال ظاہر کر سکیں. مثلاً کہتے ہیں فلاں شخص ایسا، ویسا ہے اور اسے کچھ نہیں آتا. اور سامنے والے کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمیں یہ مسائل معلوم ہیں اور اس قسم کا نقص ہمارے اندر نہیں پایا جاتا جب کہ بسا اوقات سننے والا اسی بات سے اس کے فضل وکمال کو ماننے کے بجائے یہ جان لیتا ہے کہ یہ انسان ''خود پسند'' اور ''مغرور'' ہے۔

۳۔ توہین

کچھ غیبت کرنے والے صرف دوسروں کے عیوب ونقائص کا مذاق اڑانے کے لئے ان کی غیبت کرتے ہیں. ہم اس بری خصلت کے بارے میں ستائیسویں درس میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

۴۔ حسد

غیبت کی ایک اور وجہ حسد ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والا جب خود کو دوسروں کے مقابلہ میں کمزور اور کمتر محسوس کرتا ہے اور اپنے اندر وہ اچھائیاں نہیں پاتا جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں تو اسے ان سے حسد ہونے لگتا ہے. اور پھر وہ ان کی عیب جوئی اور غیبت کر کے یہ کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کی نظر میں ان کی عزت وقعت کم ہو جائے تا کہ وہ لوگوں کی نظر میں صاحب عزت بن جائے۔

۵۔ دوسروں کی نقل

اکثر جگہوں پر جب لوگ اپنے دوستوں اور احباب کے ساتھ اکٹھا ہوتے ہیں تو ادھر اُدھر کی

باتیں کرتے ہیں اور پھر عام طور سے کسی نہ کسی کی اچھائیاں یا برائیاں بیان ہونے لگتی ہیں اور ہر آدمی اپنی بات کہتا ہے. اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ان کے درمیان گھل مل جانے اور انہیں خوش کرنے کے لئے دوسرں کی غیبت اور عیب جوئی شروع کر دیتا ہے. ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اس مجمع کے ہمنوا نہ ہوں گے تو یہ لوگ اس سے ناراض ہو جائیں گے. حالانکہ یہ طے ہے کہ دوسروں کی موافقت اور ہمنوائی وہیں تک اچھی بات ہے جہاں تک انسان گناہ اور حرام میں مبتلا نہ ہو. حقیقت تو یہ ہے کہ لوگوں کی رضا کے لئے خدا کو ناراض نہیں کرنا چاہئے. قرآن کریم میں ہے کہ بعض لوگ گناہ گاروں کے ہم نشین ہونے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

﴿فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآئَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ، مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ، قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَ لَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ، وَ کُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ﴾.(۱)

"وہ جنتوں میں آپس میں ایک دوسرے سے سوال کررہے ہوں گے مجرمین کے بارے میں، آخر تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہونچا دیا ہے وہ کہیں گے کہ ہم نماز گذار نہیں تھے. اور مسکین کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے. لوگوں کے برے کاموں میں شامل ہوجایا کرتے تھے۔"

٦۔ پیش بندی

دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں اگر یہ خیال پیدا ہو جائے کہ فلاں شخص ہمارے بارے میں کچھ کہہ سکتا ہے تو اس کی بات کو بے اثر کرنے کے لئے وہ پہلے ہی اس کے عیوب اور نقائص کو بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں تا کہ اگر وہ شخص اس کے بارے میں کچھ کہے بھی تو سننے والوں کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہ رہے۔

---

(۱) سورۂ مدثر: ۴۰/ ۴۵

۷۔ اظہار تعجب

جب کسی گناہ یا برائی کی بات آتی ہے تو بعض لوگ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں، "تعجب ہے کہ فلاں آدمی نے ایسا کام کیا؟" یہ اظہار تعجب غیبت کا بہانہ ہوتا ہے. تا کہ اس طرح کسی کا نام لئے بغیر ان کے برے کام اور گناہوں سے نفرت کا اظہار کرے. توجہ رہے کہ جس طرح گناہ اور برائی کا ارتکاب تعجب اور حیرت کا باعث ہے اسی طرح غیبت بھی ایک گناہ کبیرہ ہے جو بعض لوگوں کے لئے تعجب و حیرت کا باعث ہوتی ہے۔

۸۔ اظہار ترحم

بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب کسی گناہ یا عیب کی بات آتی ہے تو افسوس اور رحم دلی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں "ارے بڑے افسوس کی بات ہے کہ فلاں صاحب سے فلاں گناہ یا غلطی ہوگئی" حالانکہ غیبت کرنے والا اس بات سے غافل ہے کہ اس اظہار افسوس اور رحم کا وہ خود زیادہ مستحق ہے. اس لئے کہ وہ خود عیب اور نقص سے مبرّا نہیں ہے. دوسرے یہ کہ وہ غیبت جیسے گناہ میں مبتلا ہوا ہے. اور تیسرے یہ کہ اس نے ایک اور گناہ کیا ہے اور وہ ہے مومن کی توہین اس لئے کہ اس نے جس انداز سے اس پر رحم کا اظہار کیا ہے اس سے مومن کی تحقیر ہوتی ہے۔

۴۔ غیبت کے مستثنیات

اگر چہ غیبت اس قدر بری چیز ہے کہ اسلام نے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے لیکن پھر بھی کہیں ایسے مواقع آجاتے ہیں جب غیبت کرنا جائز ہو جاتا ہے. اور ان مواقع پر مومن کے لئے غیبت کی قباحت اور برائی ختم ہو جاتی ہے۔

۱۔ انصاف کا مطالبہ

اگر کسی کے اوپر ظلم ہوا ہے اور وہ انصاف کے لئے قاضی کے پاس جائے تو اس پر جو ظلم کیا

گیا ہے اسے بیان کرنا اور یہ بتانا کہ کس نے اس کے اوپر ظلم کیا ہے اس کی مجبوری ہے اس کے بغیر انصاف حاصل کرنا ممکن نہیں ہے. لہٰذا مظلوم کو ظالم کی غیبت کی اجازت دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ کَانَ اللّٰہُ سَمِیْعاً عَلِیْماً﴾۔(۱)

''اللہ مظلوم کے علاوہ کسی کی طرف سے بھی علی الاعلان برا کہنے کو پسند نہیں کرتا اور اللہ ہر بات کا سننے والا اور تمام حالات کا جاننے والا ہے۔''

لہٰذا خداوند عالم، مظلوم کے علاوہ کسی سے دوسرے کی کسی برائی کو سننا پسند نہیں کرتا. وہ بھی اس لئے کہ اسلام میں عدالت کی اہمیت ایک ظالم کی عزت و آبرو سے کہیں زیادہ ہے چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو. لہٰذا غیبت ایسے موقع پر نہ ہی بری چیز ہے اور نہ ہی کسی کے حق میں زیادتی شمار ہوتی ہے. اس لئے کہ اگر اس کو غیبت سے الگ نہ کیا گیا ہوتا تو ہر شخص دوسروں کے حقوق پر تجاوز کرتا رہتا اور کوئی مظلوم قاضی کے پاس شکایت نہیں کرسکتا تھا۔

۲۔ مشورہ

اکثر لوگ اپنی اجتماعی و انفرادی زندگی میں مشورہ لیتے ہیں. مثلاً شادی کے وقت لڑکی یا لڑکے کے سلسلہ میں معلومات حاصل کرتے ہیں اور ان کے جاننے والوں سے تفصیلات پوچھتے ہیں. یا کوئی ذمہ داری کسی کو دینا چاہتے ہیں تو اس کے بارے میں تحقیقات کی جاتی ہیں ایسے مواقع پر چونکہ ایک اہم مصلحت مدنظر ہوتی ہے اور ممکن ہے غیبت نہ کرنے کا نتیجہ بہت برا ہو. لہٰذا اس شخص کے عیوب و نقائص کو بیان کرنا جس کے سلسلہ میں تحقیق ہو رہی ہے غیبت شمار نہیں ہوگا. اس لئے کہ اجتماعی

(۱) سورۂ نساء: ۱۴۸

مصلحت، انفرادی مصلحت سے زیادہ اہم ہوتی ہے اس صورت میں اجتماعی مصلحت کو مقدم رکھا جائے گا۔

۳۔ خبردار کرنا

جب یہ محسوس کیا جائے کہ کسی شخص یا گروہ کی حرکتیں سماج کو خراب اور برباد کررہی ہیں اور اگر ان حرکتوں سے لوگوں کو آگاہ نہ کیا گیا تو اس کے نتائج بہت برے ہوسکتے ہیں اور لوگ ان کی طرف مائل ہوگئے تو بڑا فساد برپا ہوجائے گا تو اس صورت میں ان افراد کی غلط حرکتوں اور نیتوں سے لوگوں کو آگاہ کرسکتے ہیں چاہے ان کی بدگوئی ہی کیوں نہ ہو سماج کے تحفظ کی بنا پر یہ غیبت شمار نہیں کیا جاتا۔ پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "اَتَرْغَبُوْنَ عَنْ ذِکْرِ الْفَاجِرِ حَتّٰی لَا یَعْرِفُہُ النَّاسُ اُذْکُرُوْہُ بِمَا فِیْہِ یَحْذَرُہُ النَّاسُ" ''تم فاسق و فاجر کی برائیاں بیان نہیں کرتے تا کہ لوگ اسے پہچان لیں. لوگوں کو اس کی برائیوں سے آگاہ کرو تا کہ لوگ اس سے بچ سکیں۔''(۱)

۴۔ برائیوں کا سد باب

کبھی کبھی معاشرہ کے اخلاقی تحفظ اور اسے برائیوں اور مفاسد سے پاک و صاف کرنے کے لئے کسی کی برائیوں سے لوگوں کو یا کم از کم ذمہ دار حضرات کو آگاہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے. تا کہ ان کی مدد سے معاشرہ میں ایسی برائیوں کا سد باب ہوسکے۔

اس موقع پر بھی ان عیوب اور برائیوں کو بیان کرنا اور ان مفاسد سے آگاہ کرنا اجتماعی مصلحت کی وجہ سے غیبت شمار نہیں کیا جاتا ہے چاہے اس میں بدگوئی ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ جرح و تعدیل

معاشرہ کی مصلحت کے لئے جن لوگوں کے عیوب و نقائص بیان کئے جاسکتے ہیں ان میں

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

راویان حدیث یا عدالت میں کسی مقدمہ کی گواہی دینے والے گواہ جیسے افراد شامل ہیں. چونکہ ان لوگوں کی عدالت اور ان کا قابل اطمینان ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ ان کے حالات اور اخلاقی خصوصیات اور کردار کے بارے میں کافی معلومات موجود ہوں لہٰذا مجبوراً راویوں اور گواہوں کے عیوب ونقائص کا تذکرہ ضروری ہو جاتا ہے۔ چونکہ روایت کی صحت واعتبار اور فیصلہ کی صحت اسی پر موقوف ہے لہٰذا ایسے مواقع پر بھی عیوب کو بیان کرنا غیبت شمار نہیں ہوتا۔

۶۔ عرفیت

معاشرہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی خاص صفت یا نام اور لقب سے مشہور ہو جاتے ہیں کہ جب تک اس لقب یا صفت کو نہ بیان کیا جائے وہ پہچانے نہیں جاتے. مثلاً فلاں کانے یا فلاں لنگڑے وغیرہ... اس سلسلہ میں اگرچہ وہ پہلا شخص جس نے اس کا یہ نام رکھا ہے گناہگار ہے مگر اب جب یہ نام مشہور ہو جائے تو اگر دوسرے اسے اس نام سے پکاریں گے تو یہ غیبت شمار نہیں ہوگا۔

۷۔ مذہب میں نئی ایجاد کرنے والے

جو لوگ دین میں بدعت ایجاد کرتے ہیں اور لوگوں کو دین سے منحرف کرنا چاہتے ہیں ان کو پہچنوانا نہ صرف یہ کہ غیبت نہیں ہے. بلکہ ایک مسلمان کا شرعی فریضہ بھی ہے. مسلمانوں کا فرض ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے اس کام کو روکیں اور دین میں بدعتیں پیدا نہ ہونے دیں. پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث میں ہے کہ: ''جب بھی اہل بدعت کو دیکھو ان سے بیزاری اختیار کرو انہیں برا کہو اور ان کے سلسلہ میں جو بھی جانتے ہو لوگوں سے بیان کرو''

۸۔ کھلے عام گناہ کرنے والا

روایات کے مطابق لوگوں کے ایک اور گروہ کی غیبت جائز ہے یہ وہ لوگ ہیں جو کھلے عام گناہ کرتے ہیں. اور انہیں اس بات کی فکر بھی نہیں ہوتی کہ لوگ ان کی حرکت سے آگاہ ہوں گے یا

نہیں. پیغمبر اکرم ﷺ ان افراد کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''ثَلاثَةٌ لاٰ غِیْبَةَ لَهُمْ اِصَاحِبُ الْهَوىٰ، وَالْفَاسِقُ الْمُعْلِنُ بِفِسْقِهِ وَ الْإِمَامُ الْجَائِرُ'' ''تین لوگوں کی غیبت جائز ہے. خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے، وہ لوگ جو کھلے عام گناہ کرتے ہیں، اور ظالم حاکم۔''(۱)

نیز آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اِذَا جَاهَرَ الْفَاسِقُ بِفِسْقِهِ فَلاٰ حُرْمَةَ لَهُ وَ لاٰ غِيْبَةَ'' ''کھلے عام گناہ کرنے والے کا کوئی احترام نہیں ہے اور اس کی غیبت جائز ہے۔''(۲)

۵۔ غیبت سننا

غیبت کرنا جتنی بری چیز اور گناہ ہے اور جس طرح غیبت کرنے والا خداوند عالم کے قہر وغضب کا مستحق ہوتا ہے اسی طرح غیبت سننا بھی گناہ کبیرہ ہے. پیغمبر اکرم ﷺ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''اَلسَّامِعُ لِلْغِيْبَةِ أَحَدُ الْمُغْتَابِيْنَ'' ''غیبت سننے والا بھی غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہے۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ''اَلْغِيْبَةُ كُفْرٌ وَالْمُسْتَمِعُ لَهَا وَ الرَّاضِي بِهَا مُشْرِكٌ'' ''غیبت کفر ہے اور سننے والا اور اس پر راضی رہنے والا مشرک ہے۔''(۴)

بعض روایات میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ اگر تمہارے سامنے کسی مومن کی غیبت ہو رہی ہے اور تم اس کا جواب دے سکتے ہو تو ضروری ہے کہ اس مومن کا دفاع کرو. پیغمبر اکرمؐ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

---

(۱) درمنثور: ج۶، ص ۹۷

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۷، حدیث ۳۳

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۶، حدیث ۱

(۴) مستدرک: ج۹، باب ۱۳۶، حدیث ۱۰۴۶۲

"مَنْ رَدَّ عَنْ أَخِيهِ غِيبَةً سَمِعَهَا فِي مَجْلِسٍ رَدَّ اللّٰهُ عَنْهُ أَلْفَ بَابٍ مِنَ الشَّرِّ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ" "جو اپنے مومن بھائی کی کسی جگہ غیبت سن کر اس کا دفاع کرے تو خداوند عالم ہزار قسم کی برائی دنیا و آخرت میں اس سے دور کرے گا۔"(۱)

واضح رہے کہ اگر دفاع نہیں کر سکتا اور اس غیبت کا جواب نہیں دے سکتا تو اس جگہ سے اٹھ کر چلا جائے تاکہ ان کا شریک نہ کہا جائے۔

(۱) بحار الانوار: ج۷۶، باب ۶۷، حدیث ۳۰

خلاصہ:

غیبت کی بنیادی اسباب مندرجہ ذیل ہیں: سکون قلب، فخر ومباہات، مسخرہ بازی، دوسروں کی نقل، پیش بندی، اظہار تعجب اور اظہار ترحم۔

غیبت بعض مواقع، جیسے انصاف طلبی، مشورہ، خبردار کرنا، برائیوں کا سد باب کرنا وغیرہ...، میں نہ صرف یہ کہ حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے اور اس کی ذمہ داری مومن کی گردن پر نہیں ہوگی ان مواقع کو غیبت کے مستثنیات کہا جاتا ہے. غیبت کا سننا بھی غیبت کرنے ہی کی طرح حرام ہے۔

سوالات:

۱۔ غیبت کے اسباب میں سے کسی دو کی وضاحت کیجئے؟

۲۔ انصاف طلبی کے موقع پر غیبت کیوں جائز ہے؟

۳۔ اہل بدعت کو پہچنوانا غیبت سے کیوں مستثنیٰ ہے؟

چھبیسواں سبق

تہمت و بدگمانی

تہمت

سماجی زندگیکی بری صفات میں سے ایک تہمت بھی ہے. ہم نے غیبت (۱) کے درس میں یہ پڑھا کہ لوگوں کے پوشیدہ عیوب ونقائص کو ان کی عدم موجودگی میں بیان کرنا غیبت ہے اور کسی کی طرف ان عیوب ونقائص کی نسبت دینا جو اس میں نہ پائے جاتے ہوں تہمت کہلاتا ہے۔

غیبت اور تہمت کے اس فرق سے واضح ہوگیا کہ تہمت اور بہتان غیبت سے زیادہ بڑا گناہ ہے. جسے ہم غیبت کے سلسلہ میں موجود آیات وروایات سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: "وَ مَنْ يَكْسِبْ خَطِيْئَةً اَوْ اِثْماً ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْئاً فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَاناً وَ اِثْماً مُبِيْناً" "اور جو شخص غلطی یا گناہ کر کے دوسرے بے گناہ کے سر ڈال دیتا ہے وہ بہت بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔" (۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "مَنْ بَهَتَ مُؤْمِناً اَوْ مُؤْمِنَةً اَوْ قَالَ فِيْهِ مَا لَيْسَ فِيْهِ اَقَامَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى تَلٍّ مِنْ نَارٍ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَهُ فِيْهِ" "جو کسی مومن یا مومنہ پر تہمت لگاتا ہے یا اس کی طرف ایسی بات کی نسبت دیتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو

---

(۱) سورۂ نساء: آیت ۱۱۲

خداوند عالم اسے روز قیامت آگ کے ایک ٹیلے کے اوپر روک دے گا تاکہ وہ اپنے کہے کا جواب دے۔" (۱)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "اِذَا اتَّهَمَ الْمُؤْمِنُ اَخَاهُ اِنْمَاثَ الْاِيْمَانُ مِنْ قَلْبِهٖ كَمَا يَنْمَاثُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ" "جب کوئی اپنے مومن بھائی پر تہمت لگاتا ہے تو اس کے دل سے ایمان اسی طرح ضائع و برباد ہوجاتا ہے جس طرح نمک پانی میں ضائع اور برباد ہوجاتا ہے۔" (۲)

کسی انسان پر تین طرح سے تہمت لگائی جاسکتی ہے:

۱۔ کسی کی طرف ایسے عیب کی یقینی طور پر نسبت دینا جو اس میں نہیں ہے صرف یہ سمجھ کر کہ یہ عیب اس میں ہوگا۔

۲۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس شخص میں یہ عیب نہیں ہے پھر بھی اس کی طرف دشمنی کی وجہ سے اس عیب کی نسبت دینا۔

۳۔ اپنے کو بچانے کے لئے اپنے عیب اور گناہ کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا۔

تہمت کی اس تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ تہمت کی تمام قسمیں اگرچہ تہمت شمار ہوتی ہیں اور سب کی سب گناہ بھی ہیں لیکن سب کی برائی ایک جیسی نہیں ہے۔ واضح رہے کہ دوسروں پر تہمت لگانے سے ہر حال میں بچنا چاہئے تاکہ لوگوں کی شخصیت اور ان کا احترام باقی رہے. اور ہر شخص اپنی شخصیت کو محفوظ سمجھے اور معاشرہ میں ایک دوسرے کے تئیں مثبت رویہ اپنا سکے۔

اگر سماج کے سارے لوگ ایک دوسرے کی اہانت اور بے حرمتی کرنے لگیں تو ہر انسان صرف اس فکر میں رہے گا کہ تہمت و غیبت کا دفاع کس طرح کرے یا اپنا انتقام کس طرح لے. اور پھر معاشرہ میں کسی قسم کا انفرادی یا اجتماعی کمال یا اچھا اخلاق باقی نہ رہ جائے گا۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۵

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۱۹

لوگوں سے میل جول رکھنے میں تہمت سے پرہیز کرنے کے علاوہ سماج کے تمام افراد کا ایک فریضہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ تہمت کی جگہوں سے بھی پرہیز کریں۔ جس طرح کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی پر تہمت لگائے اسی طرح انسان کو چاہئے کہ خود کو تہمت کی جگہوں سے بچائے. یعنی ایسا کام نہ کرے جو دوسروں کی بدظنی اور شک کا باعث ہو۔

پیغمبر اکرم ﷺ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "اَوْلَی النَّاسِ بِالتُّهْمَةِ مَنْ جَالَسَ اَهْلَ التُّهْمَةِ" "سب سے زیادہ تہمت کا مستحق وہ شخص ہے جو اہل تہمت کے ساتھ اٹھے بیٹھے۔" (۱)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "مَنْ وَقَفَ مَوْقِفَ التُّهْمَةِ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ" "جو تہمت کی جگہ قیام کرے وہ اپنے نفس کے علاوہ کسی اور کی مذمت نہ کرے۔" (۲)

امام جعفر صادقؑ کا بھی ارشاد ہے: "قَالَ اَبِی: یَا بُنَیَّ! مَنْ یَصْحَبْ صَاحِبَ السُّوْءِ لَا یَسْلَمْ وَ مَنْ یَدْخُلْ مَدَاخِلَ السُّوْءِ یُتَّهَمْ وَ مَنْ لَا یَمْلِکْ لِسَانَهُ یَنْدَمْ" "میرے والد نے مجھ سے فرمایا: بیٹا! جو برے لوگوں کا ہم نشین ہوتا ہے وہ سالم نہیں رہتا، جو بری جگہ آتا جاتا ہے اس پر تہمت لگتی ہے، اور جو اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتا وہ شرمندہ ہوتا ہے۔" (۳)

بدگمانی

سماجی زندگی میں پیدا ہونے والی ایک اور بری خصلت "بدگمانی" ہے. بعض لوگ اپنی کج

---

(۱) بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۴۶، حدیث ۳

(۲) بحارالانوار: ج ۷۲، ص ۹۱

(۳) بحارالانوار: ج ۷۵، باب ۴۶، حدیث ۱

فکری اور بدبینی کی وجہ دوسرے لوگوں کے ہر قول وفعل کو برائی اور فساد پر محمول کرتے ہیں. کہ اگر یہ گمان حقیقت کے برخلاف ہو تو اسے بدظنی اور بدگمانی کہا جاتا ہے. ایک طرف تو ایک بری عادت اور خصلت اور گناہ ہے اور دوسری طرف بہت سے گناہوں کا سرچشمہ ہے. قرآن کریم اس سلسلہ میں فرماتا ہے:

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضاً﴾

"اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے اجتناب کرو کہ بعض گمان گناہ کا درجہ رکھتے ہیں اور خبردار ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کرو۔" (۱)

جیسا کہ آپ نے اس آیت میں ملاحظہ فرمایا خداوند عالم نے بعض گمانوں کو گناہ قرار دیا ہے اس لئے کہ بعض اوقات ممکن ہے کہ ہمارا گمان حقیقت کے مطابق ہو اور ہم نے جیسا گمان کیا ہے صورت حال ویسی ہی ہو تو اس صورت میں یہ گمان باطل اور گناہ نہیں ہے. لیکن چونکہ ہمارے بعض گمان حقیقت کے برخلاف ہوتے ہیں اور ہم جو کچھ سوچتے ہیں ویسا نہیں ہوتا ہے تو یہ گناہ ہے اور اگر ہم اپنی اس بدگمانی کو دور کرنا چاہیں تو مجبوراً دوسروں کے حالات کی جستجو کرنا ہوگی اور کسی کے حالات کی جستجو کرنا بھی ایک گناہ ہے. جس کو اسی آیت میں منع کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ لوگوں کو حقیقت حال سے باخبر ہونے کے لئے خواہ مخواہ غیبت میں مبتلا ہونا پڑے گا. اس لئے کہ دوسروں سے پوچھ کر ہی کسی کے حالات سے آگاہی ہو سکتی ہے. لہٰذا بدظنی اور بدگمانی خود تو گناہ ہے ہی دوسرے گناہ کا سبب بھی ہوتی ہے. لہٰذا خداوند عالم نے ان تمام گناہوں

---

(۱) سورۂ حجرات: آیت ۱۲

سے بچنے کے لئے بہت سے گمانوں سے بچنے کا حکم دیا ہے. اسلام میں بدظنی وبدگمانی کے مقابلہ میں ایک اصول ہے، ''اصالت صحت'' یعنی ہر کام کو صحیح سمجھا جائے تا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے سلسلہ میں بدگمانی کا اصول نہ اپنائیں کہ جب گمان کریں تو برا گمان نہ کریں۔ اہل بیتؑ نے حکم دیا ہے کہ اپنے مومن بھائی کے قول وفعل کو صحت پر حمل کریں. یعنی یہ سمجھیں کہ یہ قول وفعل صحیح ہے اس طرح کہ جب کسی مومن بھائی سے کوئی بات سنیں یا ان کا کوئی کام دیکھیں تو اس کو اس کی بہترین شکل قرار دیں. حضرت علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''ضَعْ أَمْرَ أَخِيْکَ عَلٰی أَحْسَنِهِ حَتّٰی یَأتِیَکَ مَا یَغْلِبُکَ مِنْهُ وَ لاٰ تَظُنَّنَّ بِکَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ أَخِیْکَ سُوْءً وَ أَنْتَ تَجِدُ لَهَا فِی الْخَیْرِ مَحْمِلاً''

''اپنے مومن بھائی کے معاملات کو اچھائی پر محمول کرو. مگر یہ کہ اس کے برخلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہو. اور کبھی بھی اپنے مومن بھائی کی سنی ہوئی باتوں کے سلسلہ میں بدگمانی نہ کرو اور جہاں تک ہوسکے اس کی جائز توجیہ وتاویل کرو۔''(۱)

بدگمانی کے اثرات

معصومینؑ کی حدیثوں میں بدگمانی اور بدظنی کے برے اثرات کچھ اس طرح بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''مَنْ لَمْ یُحْسِنْ ظَنَّهُ اِسْتَوْحَشَ مِنْ کُلِّ أَحِدٍ''

''جو بدگمان ہوتا ہے وہ ہر ایک سے ڈرتا رہتا ہے۔''(۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۴، باب ۱۳، حدیث ۷

(۲) غرر الحکم: ج۵، ص۴۳۲

یعنی بدگمان انسان چونکہ ہر ایک کے سلسلہ میں بدگمانی کرتا ہے اور ہر ایک کا کوئی نہ کوئی عیب اور نقص اپنے ذہن میں تصور کرتا ہے لہٰذا وہ کسی پر اعتماد نہیں کر پاتا اور اسے کسی پر بھروسہ نہیں ہوتا. وہ سب سے ڈرتا ہے اور اس خوف کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سب سے کنارہ کش ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنے طور پر تنہائی کا احساس کرنے لگتا ہے۔

۲۔ اسی طرح حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

''سُوْءُ الظَّنِّ یُفْسِدُ الْاُمُوْرَ وَ یَبْعَثُ عَلَی الشُّرُوْرِ''

''بدگمانی کام خراب کرتی ہے اور لوگوں کو برائی پر آمادہ کرتی ہے۔''(۱)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کامیابی کا سب سے بڑا راز لوگوں کے درمیان اپنا اعتماد و اطمینان بحال کرنا ہے اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کے اچھے کاموں سے خوش ہوں اور اس پر اعتماد کریں. اب اگر کسی معاشرہ میں ہر انسان ایک دوسرے کو بدگمانی کی نظر سے دیکھنے لگے تو پھر کسی کا اعتماد واعتبار باقی نہیں رہ جائے گا اور کوئی کامیابی کی کوشش نہیں کرے گا. اور حضرت علی علیہ السلام کے قول کے مطابق معاشرہ کا شیرازہ بکھر جائے گا اور لوگ برائیوں کی طرف کھنچتے چلے جائیں گے۔

۳۔ حضرت علیؑ نے ایک حدیث میں بدگمانی کو لوگوں کے درمیان تفرقہ کا باعث قرار دیا ہے۔

آپؑ فرماتے ہیں: ''مَنْ غَلَبَ عَلَیْهِ سُوْءُ الظَّنِّ لَمْ یَتْرُکْ بَیْنَهُ وَ بَیْنَ خَلِیْلٍ صُلْحاً''

''جس پر بدگمانی غالب ہو جاتی ہے وہ اپنے دوستوں سے اچھے تعلقات باقی نہیں رکھ پاتا۔''(۲)

۴۔ ایک دوسری روایت میں حضرت علیؑ نے بدگمانی کو عبادتوں کی بربادی کا سبب قرار دیا

---

(۱) غرر الحکم: ج۴، ص۱۳۲

(۲) غرر الحکم: ج۵، ص۴۰۶

ہے: "اِیَّاکَ اَنْ تُسِیْءَ الظَّنَّ فَاِنَّ سُوْءَ الظَّنِّ یُفْسِدُ الْعِبَادَةَ وَ یُعَظِّمُ الْوِزْرَ" "بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی عبادت کو برباد کر دیتی ہے اور گناہ کو رواج دیتی ہے۔"(۱)

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں: "لَا اِیْمَانَ مَعَ سُوْءِ الظَّنِّ" "ایمان بدگمانی کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔"(۲)

بدگمانی اور بدظنی بری چیز ہے اس کے برخلاف مومنین کے سلسلہ میں حسن ظن ایک اچھی عادت نیز قابل تعریف صفت شمار ہوتی ہے۔ معصومینؑ نے اپنی حدیثوں میں اس کی تاکید بھی فرمائی ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ اَحْسَنِ الشِّیَمِ وَ اَفْضَلِ الْقِسَمِ"
"حسن ظن بہترین خصلت اور سب سے زیادہ مفید ہے۔"(۳)

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں: "حُسْنُ الظَّنِّ رَاحَةُ الْقَلْبِ وَ سَلَامَةُ الدِّیْنِ"
"حسن ظن، سکون قلب اور دین کی سلامتی کا سبب ہے۔"(۴)

پھر ارشاد فرماتے ہیں: "حُسْنُ الظَّنِّ یُخَفِّفُ الْهَمَّ وَ یُنْجِی مِنْ تَقَلُّدِ الْاِثْمِ" "حسن ظن سے غم دور ہوتا ہے اور یہ گناہ کے طوق سے بچاتا ہے۔"(۵)

نیز آپؑ فرماتے ہیں: "مَنْ حَسُنَ ظَنُّهُ بِالنَّاسِ حَازَ مِنْهُمُ الْمَحَبَّةَ" "جو لوگوں کے سلسلہ میں حسن ظن رکھتا ہے وہ لوگوں کی محبت حاصل کرتا ہے۔"(۶)

---

(۱) غرر الحکم: ج۲، ص ۳۰۸
(۲) غرر الحکم: ج۶، ص ۳۶۲
(۳) غرر الحکم: ج۳، ص ۳۸۶
(۴) غرر الحکم: ج۳، ص ۳۸۴
(۵) غرر الحکم: ج۳، ص ۳۸۵
(۶) غرر الحکم: ج۵، ص ۳۷۹

اسی طرح امام جعفر صادقؑ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ: "حُسْنُ الظَّنِّ اَصْلُهُ مِنْ حُسْنِ اِیْمَانِ الْمَرْءِ وَ سَلَامَةِ صَدْرِهِ" "انسان کا حسن ظن اس کے حسن ایمان اور دل کی سلامتی سے پیدا ہوتا ہے۔"(۱)

سینہ سے مراد انسان کا باطن ہے کہ وہ گناہ اور برائیوں سے جتنا پاک وصاف ہوتا ہے اس کا گمان اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ اسی طرح پیغمبر اکرمؐ سے منسوب روایت میں وارد ہے کہ:

"اَحْسِنُوْا ظُنُوْنَکُمْ بِاِخْوَانِکُمْ تَغْتَنِمُوْا بِهَا صَفَاءَ الْقَلْبِ وَ نَقَاءَ الطَّبْعِ" "اپنے برادران دینی کے سلسلہ میں حسن ظن رکھو کہ اس سے پاک دلی اور حسن طبع حاصل ہوتی ہے۔"(۲)

واضح رہے کہ جب بدظنی، حسن ظن میں بدل جائے گی تو دل سے بغض وکینہ نکل جائے گا، انسانوں کے دل روشن اور ان کی عادات واطوار اچھی ہو جائیں گی۔

لہٰذا مومنین کے ساتھ زندگی گذارنے کے بارے میں حسن ظن اور ان کے عمل کو صحیح جاننا بنیادی چیز ہے۔ لیکن یاد رہے کہ دوسروں کے بارے میں حسن ظن کی بھی کچھ حد ہے کہ اگر وہ اس حد سے گذر جائے تو پھر یہ اچھی خصلت وعادت نہیں شمار کی جاتی۔ لہٰذا یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کن حالات میں اور کن شرائط کے ساتھ حسن ظن صحیح ہے روایات معصومینؑ میں جو معیار بیان کیا گیا ہے وہ سماج میں اصلاح وفساد، اور عدل وظلم ہے۔ اس طرح کہ معاشرہ میں اصلاح کا سکہ رائج ہو اور ظلم وفساد کے بجائے عدالت کا غلبہ ہو۔ لوگوں کے ساتھ سماجی زندگی میں حسن ظن کو ہی بنیادی اصول ہونا چاہئے لیکن اگر فساد، برائی اور ظلم وستم عام ہو جائے اور نیک لوگوں کی شناخت مشکل ہو جائے تو پھر حسن ظن ایک اچھی خصلت اور اجتماعی روابط کی بنیاد نہیں ہو سکتا ہے۔

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۵، باب ۷۲، حدیث ۱۲
(۲) گذشتہ حوالہ

حضرت علیؑ اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اِذَا اسْتَوْلَی الصَّلاحُ عَلَی الزَّمَانِ وَ اَهْلِهِ ثُمَّ اَسَاءَ رَجُلٌ الظَّنَّ بِرَجُلٍ لَمْ تَظْهَرْ مِنْهُ حَوْبَةٌ فَقَدْ ظَلَمَ وَاِذَا اسْتَوْلَی الْفَسَادُ عَلَی الزَّمَانِ وَ اَهْلِهِ فَأَحْسَنَ رَجُلٌ الظَّنَّ بِرَجُلٍ فَقَدْ غَرِرَ" "جب زمانہ اور زمانہ والوں پر نیکی حاکم ہوجائے اور کوئی کسی کے سلسلہ میں بدگمانی کرے حالانکہ اس سے کوئی گناہ آشکار نہ ہوا ہوتو اس پر ظلم ہوا۔ اور اگر زمانہ اور اہل زمانہ فساد سے بھر جائیں تو کسی کے سلسلہ میں حسن ظن رکھنے والا دھوکہ کھاتا ہے۔"(۱)

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: "اِذَا كَانَ الْجَوْرُ اَغْلَبَ مِنَ الْحَقِّ لَمْ يَحِلَّ لِأَحَدٍ أَنْ يَظُنَّ بِأَحَدٍ خَيْراً حَتّٰى يَعْرِفَ ذٰلِكَ مِنْهُ" "جب ظلم وستم حق سے زیادہ رواج پا جائے تو جائز نہیں ہے کہ کوئی کسی کے سلسلہ میں حسن ظن رکھے مگر یہ کہ اس کی نیکیاں جانتا ہو۔"(۲)

امام علی نقیؑ فرماتے ہیں: "اِذَا كَانَ زَمَانُ الْعَدْلِ فِيهِ أَغْلَبُ مِنَ الْجَوْرِ فَحَرَامٌ أَنْ يَظُنَّ بِأَحَدٍ سُوءً حَتّٰى يَعْلَمَ ذٰلِكَ مِنْهُ وَ اِذَا كَانَ زَمَانُ الْجَوْرُ أَغْلَبَ فِيهِ مِنَ الْعَدْلِ فَلَيْسَ لِأَحَدٍ اَنْ يَظُنَّ بِأَحَدٍ خَيْراً مَا لَمْ يَعْلَمْ ذٰلِكَ مِنْهُ" "اگر کوئی زمانہ ایسا ہو کہ عدالت ظلم پر غالب آجائے تو حرام ہے کہ کوئی کسی کے سلسلہ میں بدگمانی کرے، مگر یہ کہ اس کی برائی کا اس کو یقین ہو۔ اور اگر زمانہ ایسا ہو کہ ظلم وستم عدالت سے زیادہ ہوجائے تو کسی کو کسی کے سلسلہ میں حسن ظن نہیں رکھنا چاہئے مگر یہ کہ اس کی نیکیاں جانتا ہو۔"(۳)

حسن ظن اور اعتماد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ سامنے والا خیانت نہ کرے ورنہ اگر کوئی پہلے خیانت کر چکا ہوتو اس کے سلسلہ میں حسن ظن رکھنا اچھا نہیں ہے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "لَيْسَ لَكَ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۷۲، حدیث ۱۸

(۲) بحار الانوار: ج ۱۰، باب ۱۶، حدیث ۱۱

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۱۷

أَنْ تَأْتَمِنَ مَنْ غَشَّكَ وَ لَا تَتَّهِمَ مَنِ ائْتَمَنْتَ" "تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہو اس پر اعتماد کرو اور جو تمہارا امین ہے اس پر تہمت لگاؤ۔"(۱)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۲، حدیث ۱۷

خلاصہ:

کسی کی طرف اس عیب کی نسبت دینا جو اس میں نہ ہو تہمت کہلاتا ہے. یہ گناہ کبیرہ ہے جس سے اسلام نے ہمیں منع کیا ہے۔

مومنین کو اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے پر تہمت نہیں لگانا چاہئے. اسی طرح ایک دوسرے کے بارے میں بدظن نہیں ہونا چاہئے. ان چیزوں سے پرہیز کر کے مومنین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ میل ومحبت سے رہ سکتے ہیں. البتہ اگر کبھی معاشرہ میں ظلم وجور غالب آجائے تو پھر ایک دوسرے سے حسن ظن غلط ہے. مگر یہ کہ اس کی نیکیوں کا اسے یقین ہو۔

سوالات:

۱۔ آیات وروایات کی روشنی میں تہمت کی تعریف بیان کیجئے؟

۲۔ تہمت کی مختلف صورتوں کو بیان کیجئے؟

۳۔ اصل ''اصالت صحت'' کا کیا مطلب ہے؟

۴۔ بدظنی کے برے آثار بیان کیجئے؟

۵۔ کن حالات میں ہمیشہ اور ہر شخص کے سلسلہ میں حسن ظن صحیح ہے؟

ستائیسواں سبق

چغلخوری اور استہزاء

چغلخوری ایک ایسی خطرناک اخلاقی بیماری ہے جس سے سماج اور معاشرے کو بے شمار نقصانات برداشت کرنا پڑتے ہیں مثلاً ایک دوسرے کے بارے میں سوءظن اور پھر اس سے بے اعتمادی کی کیفیت یا کینہ اور عداوت پیدا ہوتی ہے۔

اس لئے چغلخوری کو ان فتنہ انگیز بیماریوں میں قرار دیا گیا ہے جن سے پورا سماج اور معاشرہ فتنہ کی لپیٹ میں آجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آیات وروایات میں اس کی بیحد مذمت کی گئی ہے اور علماء کرام نے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

چغلخوری کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی شخص کسی کی برائی بیان کرے اور وہاں موجود کوئی دوسرا انسان وہ بات جا کر اسے بتادے کہ جس کے بارے میں وہ بات کہی گئی ہے مثلاً اس سے یہ کہے کہ فلاں صاحب آپ کی یہ برائی کررہے تھے۔

چغلخور ایک بیمار انسان ہے جو کبھی بھی اچھی باتیں ایک دوسرے تک منتقل نہیں کرتا ہے بلکہ وہ ایک دوسرے تک ایسی باتیں پہونچاتا ہے جن سے کینہ، دشمنی یا فتنہ اور رنجشیں پیدا ہوں۔

برادران ایمانی اور ان کے احباب کے درمیان کینہ اور دشمنی یا رنجشیں پیدا کرنا ایک ایسا فتنہ ہے جسے قرآن مجید نے بہت بڑا جرم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ''''اور فتنہ پردازی تو قتل سے بھی بدتر ہے۔''(۱)

''وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ''''اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔''(۲)

''وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ''''تباہی و بربادی ہے ہر طعنہ زن اور چغلخور کے لئے۔''(۳)

ایک اور مقام پر خداوند عالم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست خطاب کیا ہے

﴿وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ﴾''اور خبردار آپ کسی بھی مسلسل قسم کھانے والے ذلیل عیب جو اور اعلیٰ درجہ کے چغلخور...کی اطاعت نہ کریں۔''(۴)

آخری آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چغلخور اخلاقی اعتبار سے بہت پست ہوتا ہے لہٰذا وہ کسی احترام کے لائق نہیں ہے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا:''اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِشِرَارِكُمْ'' کیا تمہیں بتادوں کہ تمہارے درمیان سب سے برا انسان کون ہے؟ سب نے کہا حضور ضرور فرمائیں تو آپ نے فرمایا:''چغلخوری کرنے والے جو دوستوں کے درمیان تفرقہ پیدا کردیتے ہیں اور نیک کردار لوگوں کے اوپر الزام تراشی کرتے ہیں۔''(۵)

''اِنَّ النَّمِيمَةَ وَ الْحِقْدَ فِى النَّارِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِى قَلْبِ مُسْلِمٍ''

---

(۱) سورۂ بقرہ: آیت ۱۹۱

(۲) سورۂ بقرہ: آیت ۲۱۷

(۳) سورۂ ھمزہ: آیت ۱

(۴) سورۂ قلم: آیت ۱۰/۱۱

(۵) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۷، حدیث ۱۷

''چغلخوری اور حسد کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ دونوں مسلمان کے دل میں جگہ نہیں پاسکتے ہیں۔''(۱)

''لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ''''چغلخور جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے۔''(۲)

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے:''اِيَّاكَ وَ النَّمِيمَةَ فَاِنَّهَا تَزْرَعُ الضَّغِينَةَ وَ تُبْعِدُ عَنِ اللّٰهِ وَ عَنِ النَّاسِ'' ''چغلخوری سے محفوظ رہنا یہ کینہ کے بیج بوتا ہے نیز اللہ اور لوگوں سے دور کردیتا ہے۔''(۳)

چغلخور کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے

چغلخور کو مومنین کے درمیان فتنہ انگیزی سے روکنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ مندرجہ ذیل رویے اختیار کئے جائیں۔

۱۔ اس کی بات کی تصدیق نہ کریں کیونکہ وہ فاسق ہے اور فاسق کے بارے میں خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ:﴿اِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوا﴾''اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لیکر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کرو۔''(۴)

۲۔ کیونکہ چغلخوری ایک برا عمل ہے لہٰذا اسے اس سے منع کیا جائے کیونکہ خداوند عالم نے ہر مسلمان کو نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے﴿وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾''نیک باتوں کا حکم دیجئے اور بری باتوں سے منع کیجئے۔''(۵)

---

(۱) کنز العمال: ج ۱۶، ص ۲۳، ح ۴۳۷۶۸

(۲) بحار الانوار: ج ۶۸، باب ۱۵، حدیث ۲۱

(۳) غرر الحکم: ج ۲، ص ۲۹۶

(۴) سورۂ حجرات: آیت ۶

(۵) سورۂ لقمان: آیت ۱۷

۳۔ ہم اس کو اپنا دشمن سمجھیں کیونکہ وہ خدا کا دشمن ہے اور خدا کے دشمن سے دشمنی رکھنا واجب ہے

۴۔ چغلخوری یعنی کسی بری بات یا برے خیال کی خبر دینا. اور خداوند عالم نے اس سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ ''ایمان والو! اکثر گمانوں سے اجتناب کرو کہ بعض گمان گناہ کا درجہ رکھتے ہیں۔''(۱)

۵۔ چغلی سننے کے بعد اس کی بات اور اس شخص کے بارے میں تحقیق نہ کی جائے جس کی طرف سے اس نے یہ چغلخوری کی ہے کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَجَسَّسُوْا ...﴾ ''اور خبردار ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو۔''(۲)

۶۔ چغلخور کے عمل کی خود تکرار نہ کی جائے کہ اس بات کو دوسروں سے نقل کرنے لگے ورنہ خود بھی چغلخور بن جائے گا۔

ایک عالم دین کے حالات زندگی میں ملتا ہے کہ ایک بار جب وہ کسی سفر سے واپس آئے تو ان کا دوست ان سے ملاقات کے لئے آیا اور گفتگو کے دوران ان سے کسی کی چغلخوری کی کہ فلاں صاحب نے آپ کی یہ برائی بیان کی ہے تو اس عالم دین کو بہت افسوس ہوا اور انہوں نے اپنے اس دوست سے کہا کہ تم اتنے دن دور رہنے کے بعد میرے پاس تین خیانتوں کے ساتھ آئے ہو۔

۱۔ تم نے اس کے بارے میں میرے اندر سوء ظن پیدا کر کے ہمارے درمیان عداوت کا بیج بو دیا۔

۲۔ تم نے میرے دل و دماغ میں ایک فکر پیدا کر دی جب کہ اب تک میں بالکل بے فکر تھا۔

۳۔ تم پر مجھے اعتماد تھا وہ اعتماد تم نے ختم کر دیا اب تم میری نظر میں خائن کی مانند ہو۔

لہٰذا ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ چغلخور کو جھٹلا دے اور اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دے

---

(۱) سورۂ حجرات: آیت ۱۲

(۲) گذشتہ حوالہ

ہمیشہ یہی خیال رکھنا چاہئے کہ چغلخور جس طرح دوسروں کی باتیں ہمارے سامنے بیان کرتا ہے اسی طرح ہماری باتیں دوسروں کے سامنے بیان کرے گا لہٰذا کبھی اسکی بات پر دھیان نہیں دینا چاہئے بلکہ دوٹوک الفاظ میں اسکی تکذیب و تردید کر دینا چاہئے اس دوٹوک جواب سے چغلخور کو تین فائدے پہونچ سکتے ہیں۔

۱۔ چغلخور اپنی بات پر شرمندگی کا احساس کرے گا۔

۲۔ وہ پھر دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔

۳۔ مومنین کے درمیان محبت اور بھائی چارہ باقی رہے گا۔

امام موسیٰ کاظمؑ کے ایک صحابی جناب محمد بن فضیل نے ایک دن آپ کی خدمت میں عرض کیا میری جان آپ پر فدا ہو، میں نے اپنے ایک برادر ایمانی کے بارے میں دوسروں سے وہ بات سنی ہے جو مجھے ہرگز پسند نہیں ہے اور وہ اس نے میرے بارے میں کہی ہے مگر جب میں نے خود اس سے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا ہے جب کہ مجھ سے معتبر لوگوں نے یہ بات بیان کی تھی تو امامؑ نے فرمایا:

''يَا مُحَمَّدُ كَذِّبْ سَمْعَكَ وَ بَصَرَكَ عَنْ اَخِيْكَ فَاِنْ شَهِدَ عِنْدَكَ خَمْسُوْنَ قَسَامَةً فَقَالَ لَكَ قَوْلاً فَصَدِّقْهُ وَ كَذِّبْهُمْ وَلَا تُذِيْعَنَّ عَلَيْهِ شَيْئًا تَشِيْنُهُ بِهِ وَ تَهْدِمُ مُرُوَّتَهُ فَتَكُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ : اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ'' ''اے محمد اپنے برادر مومن سے سوء ظن کے بارے میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کو جھٹلا دو اور اگر تمہارے سامنے پچاس آدمی قسم کھا کر کوئی بات کہیں تو اسی کی تصدیق کرنا اور ان سب کو جھٹلا دینا۔ اور اس کے بارے میں کوئی ایسی بات مشہور نہ کرنا جس سے اس کی بدنامی ہو اور اس کی آبرو ختم ہو جائے ورنہ تم بھی انہیں لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے جن کے بارے میں

خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے کہ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ صاحبان ایمان میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔"(۱)

تاریخ میں ہے کہ ایک دن امیر المومنینؑ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کسی کی چغلخوری شروع کردی تو مولائے کائناتؑ نے فرمایا! "اے بھائی تو نے جو کچھ کہا ہے ہم اس کے بارے میں تحقیق کریں گے۔ اگر تو نے سچ کہا ہے تو تجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور اگر تو نے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو تجھے سزا دی جائے گی اور اگر تو چاہے تو میں تجھے ابھی معاف کردوں؟ تو اس نے کہا اے امیر المومنینؑ مجھے معاف فرمادیں۔"(۲)

تمسخر، استہزاء

ہنسنے ہنسانے کے لئے کسی شخص کا مذاق اڑانا یا اس کی اخلاقی اور جسمانی صفت کی نقل کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے اس کی توہین ہوتی ہے اور اس کی شخصیت اور عزت پر برا اثر پڑتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں ایک مرد مومن کا مکمل احترام ضروری ہے لہٰذا کسی شخص کے لئے کسی مرد مومن کی توہین، بے عزتی، یا اس کی شخصیت سے کھلواڑ جائز نہیں ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿وَ لِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ "ساری عزت اللہ، اس کے رسول اور صاحبان ایمان کے لئے ہے"۔(۳)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ اُولٰئِکَ ھُمْ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۵، حدیث ۱۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۶۷، حدیث ۱۹

(۳) سورۂ منافقون: آیت ۸

خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ﴾ "اور بیشک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں وہ بہترین خلائق ہیں۔"(۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰہَ جَلَّ ثَنَاؤُہُ یَقُوْلُ" "وَ عِزَّتِی وَ جَلَالِی مَا خَلَقْتُ مِنْ خَلْقِیْ خَلْقاً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ" "خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: "میری عزت و جلال کی قسم میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی ہے جو مجھے میرے بندہ مومن سے زیادہ محبوب ہو۔"(۲)

جناب جابر بن عبد اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے کعبہ کی طرف دیکھ کر اس سے فرمایا: "مَرْحَباً بِکَ مِنْ بَیْتٍ اِمَا اَعْظَمَکَ وَ اَعْظَمَ حُرْمَتَکَ عَلَی اللّٰہِ وَ اللّٰہِ لَلْمُؤْمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَۃً مِنْکَ لِاَنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مِنْکَ وَاحِدَۃً وَ مِنَ الْمُؤْمِنِ ثَلَاثَۃً: مَالَہُ وَ دَمَہُ وَ اَنْ یُظَنَّ بِہٖ ظَنُّ السُّوْءِ" "اے بیت مرحبا تیرا کیا کہنا تو کتنا عظیم ہے اور خدا کے نزدیک تیرا کیا مقام و مرتبہ ہے لیکن خدا کی قسم مومن کی حرمت اور احترام تجھ سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ خداوند عالم نے تجھے تو صرف ایک لحاظ سے محترم قرار دیا ہے اور مومن کو تین اعتبار سے محترم بنایا ہے۔

۱۔ مال ۲۔ جان ۳۔ اور یہ کہ کوئی شخص اس کے بارے میں سوء ظن رکھے۔"(۳)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ اَعْطَی الْمُؤْمِنَ ثَلَاثَ خِصَالٍ: اَلْعِزُّ فِی الدُّنْیَا وَ الدِّیْنِ وَ الْفَلَحُ فِی الآخِرَۃِ وَ الْمَھَابَۃُ فِیْ صُدُوْرِ الْعَالَمِیْنَ" "پروردگار عالم نے مومن کو تین نعمتوں سے نوازا ہے دین و دنیا میں عزت، آخرت میں فلاح و کامیابی اور دنیا والوں کے

---

(۱) سورۂ بینہ: آیت ۷

(۲) بحار الانوار: ج ۷۱، باب ۶۳، حدیث ۷۵

(۳) بحار الانوار: ج ۶۷، باب ۱، حدیث ۳۹

دلوں میں رعب وہیبت۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "اَلْمُؤمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَةً مِنَ الْكَعْبَةِ" "مومن کی حرمت احترام کعبہ سے کہیں زیادہ ہے۔"(۲)

آپؑ ہی سے یہ روایت بھی ہے: "قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِيَاذَنَ بِحَرْبٍ مِنِّي مَنْ اَذَلَّ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنَ وَ لِيَأمَنَ مِنْ غَضَبِي مَنْ اَكْرَمَ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنَ"

"جس نے میرے کسی مومن بندے کی توہین کر کے اسے ذلیل کیا ہے وہ مجھ سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے اور جس نے میرے کسی مومن بندے کی عزت اور اس کا احترام کیا ہے وہ میرے غضب سے امان میں ہے"۔(۳)

مومن کی عزت واحترام کے بارے میں آیات وروایات میں جو تاکیدات موجود ہیں ان سے کسی مرد مومن کا استہزاء (مذاق اڑانے) اور اس کی توہین کرنے کی قباحت اور مذمت بخوبی روشن ہو جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں پروردگار عالم کا یہ ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْراً مِنْهُمْ وَ لا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْراً مِنْهُنَّ﴾

"اے ایمان والو! خبردار ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہ ان سے بہتر ہو اور عورتوں کی بھی کوئی جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہی عورتیں ان سے بہتر ہوں۔"(۴)

دوسری آیہ کریمہ میں مومنین کے استہزاء کو منافقین کا طریقہ کار بتایا گیا ہے ﴿وَ إِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَ إِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ﴾

---

(۱) بحار الانوار: ج ۶۸، باب ۱۵، حدیث ۲۱

(۲) بحار الانوار: ج ۷، باب ۱۶، حدیث ۱۶

(۳) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۶، حدیث ۱۲

(۴) سورۂ حجرات: آیت ۱۱

"جب یہ صاحبان ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیاطین کی خلوتوں میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہاری ہی پارٹی میں ہیں ہم تو صرف صاحبان ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں۔"(۱)

جو لوگ صاحبان ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ نے انہیں ایسی ہی صورت حال سے روبرو ہونے کی دھمکی دی ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب کا اعلان کیا ہے۔ ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَ الَّذِينَ لا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

"جو لوگ صدقات میں فراخدلی سے حصہ لینے والے مومنین اور ان غریبوں پر جن کے پاس ان کی محنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے الزام لگاتے ہیں اور پھر ان کا مذاق اڑاتے ہیں خدا ان کا بھی مذاق بنا دے گا اور اس کے پاس بڑا اور دردناک عذاب ہے۔"(۲)

---

(۱) سورۂ بقرہ: آیت ۱۴

(۲) سورۂ توبہ: آیت ۷۹

خلاصہ:

مومنین پر الزام تراشی، اور ایک دوسرے کی چغلخوری اور ان کے درمیان فتنہ انگیزی ایک حقیر فعل، گناہ کبیرہ، اور خداوند عالم کی معصیت ہے، جس سے پروردگار عالم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اسلام کی نگاہ میں مومن ہر اعتبار سے قابل احترام ہے اور اس کی توہین وتحقیر جائز نہیں ہے۔

سوالات:

۱۔ اسلام نے چغلخوری کو کیوں حرام قرار دیا ہے؟

۲۔ چغلخور کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا چاہئے؟

۳۔ مومن کی عزت کے بارے میں امام موسیٰ کاظمؑ کی ایک روایت بیان کیجئے۔

۴۔ چغلخوری اور تمسخر کے خطرناک نتائج کیا ہیں؟

اٹھائیسواں سبق

حسد

حسد بھی گناہ کبیرہ اور مذموم صفت ہے، جس سے لوگوں کے آپسی روابط اور تعلقات پر برا اثر پڑتا ہے چنانچہ جو شخص حسد میں مبتلا ہو جائے وہ ترقی اور کمال کی منزلیں طے نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حسد سے ان لوگوں کی ترقی پر بھی منفی اثر پڑتا ہے جن سے حسد کیا جا رہا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید نے یہ قصہ بار بار بیان کیا ہے کہ جب جناب آدمؑ سے شیطان نے حسد کیا تو پروردگار عالم نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا چنانچہ اسی حسد کی وجہ سے اس کا دل جناب آدمؑ وحوا کے کینہ سے بھر گیا جس کے بعد اس نے ان سے بدلہ لینے کی ٹھان لی اور اس کی بنا پر پروردگار عالم نے انہیں جنت سے زمین پر بھیج دیا۔

اسی طرح قابیل نے اپنے بھائی جناب ہابیلؑ سے حسد کیا اور اس کے دل میں شیطان نے وسوسہ پیدا کر دیا چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا اس طرح اگر تاریخ انسانیت کا جائزہ لیا جائے تو ہر کینہ اور دشمنی وعداوت کے پیچھے ہمیں حسد کی کارفرمائیاں ہی نظر آئیں گی۔

حسد کی تعریف اور مراتب

''دوسرے کی مادی یا معنوی نعمت کے زائل ہو جانے کی تمنا اور آرزو کرنے کو حسد کہا جاتا ہے اور اس تمنا کے علاوہ بسا اوقات حاسد اپنے اس مقصد تک پہونچنے کے لئے عملی کوشش بھی کرتا ہے۔

حسد کے چار مراتب ہیں

۱۔حاسد دوسرے کی نعمت چھن جانے کی آرزو تو کرتا ہو مگر اسے خود اپنے لئے اس نعمت کی خواہش نہ ہو۔

۲۔حاسد یہ خواہش کرے کہ دوسرے کے پاس جو نعمت ہے وہی نعمت اس کو مل جائے۔

۳۔اپنے لئے خود اس چیز کی تمنا نہ کرے بلکہ وہ یہ چاہے کہ اس کی جیسی نعمت اسے بھی مل جائے اور اگر اسے نہ مل سکے تو پھر یہ تمنا کرے کہ دوسرے سے بھی چھن جائے۔

۴۔اپنے لئے اس جیسی نعمت کا خواہشمند ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ دوسرے کے لئے بقاء نعمت کی تمنا بھی کرے۔

آخری قسم کو حسد نہیں کہا جاتا ہے اور نہ یہ کوئی بری صفت ہے بلکہ اس کا نام غبطہ ہے اور حسد کے برخلاف یہ ایک اچھی صفت ہے جس سے انسان ترقی اور کمال کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔اس لئے کہ اس صورت میں ایسا شخص دوسرے کو نقصان پہونچانے کے بغیر خود اس نعمت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔اس لئے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:''اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَغْبِطُ وَ لاٰ یَحْسُدُ وَ الْمُنَافِقُ یَحْسُدُ وَ لاٰ یَغْبِطُ''''مومن غبطہ کرتا ہے نہ کہ حسد اور منافق حسد کرتا ہے غبطہ نہیں کرتا ہے۔''(۱)

حسد قرآن مجید کی روشنی میں

۱۔خداوند عالم نے حسد کو شیطان کے تباہ کن و مہلک وسوسوں کے برابر قرار دیا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے:﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰاثٰاتِ فِی الْعُقَدِ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ ''اے رسول کہہ دیجئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ چاہتا ہوں، تمام مخلوقات کے شر سے اور اندھیری

---

(۱)بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۷

رات کے شر سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے اور گنڈوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب بھی وہ حسد کرے''(۱)

اسی طرح خداوند عالم نے دوسروں کی نعمتوں کی تمنا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہر ایک کا حصہ مخصوص ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:﴿لاٰتَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَ اسْأَلُوْا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْماً﴾''اور خبردار جو خدا نے بعض افراد کو بعض سے کچھ زیادہ دیا ہے اس کی تمنا اور آرزو نہ کرنا مردوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے اور عورتوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انہوں نے حاصل کیا ہے اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو کہ وہ بیشک ہر شے کا جاننے والا ہے''(۲)

یا دوسرے مقام پر خدا نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں خطاب فرمایا ہے:﴿لاٰتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهِ اَزْوَاجاً مِنْهُمْ﴾''لہٰذا آپ ان کفار میں بعض افراد کو ہم نے جو کچھ نعمات دنیا عطا کر دی ہیں ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔''(۳)

ایک اور آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حسد کی بنا پر ہی اہل کتاب مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انہیں دوبارہ کافر بنا دیں جیسا کہ ارشاد ہے:﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾''بہت سے اہل کتاب

---

(۱)سورۂ فلق: آیات ۱ تا ۵

(۲)سورۂ نساء: آیت ۳۲

(۳)سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۳۱، سورۂ حجر، آیت ۸۸

یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی ایمان کے بعد کافر بنا لیں وہ تم سے حسد رکھتے ہیں ورنہ حق ان پر بالکل واضح ہے۔"(۱)

حاسد اور حسد روایات کی روشنی میں

پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ خداوند عالم نے جناب موسیٰ سے فرمایا: "اے ابن عمران، لوگوں کو جو نعمتیں میں نے اپنے فضل و کرم سے دی ہیں ان پر ان سے حسد نہ کرنا اور اپنی نگاہیں ان پر نہ جمائے رہنا اور اپنے نفس کو اس کے پیچھے نہ لگا دینا کیونکہ حاسد میری نعمتوں سے ناراض ہے اور میں نے جو کچھ اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کیا ہے اس سے روکنے والا ہے۔"(۲)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب سے خطاب کر کے فرمایا: "اَلا لَاتُعادُوا نِعَمَ اللّٰهِ" "یاد رکھو خدا کی نعمتوں سے دشمنی نہ رکھنا؟ عرض کیا گیا "مَنُ الَّذِی یُعَادِی نِعَمَ اللّٰهِ؟" یا رسول اللہ بھلا کوئی خدا کی نعمتوں کا بھی دشمن ہو سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلَّذِیْنَ یَحْسُدُوْنَ" کہ ہاں حسد کرنے والے۔"(۳)

حسد کے بارے میں حضرت علیؑ کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ "اَلْحَسَدُ مَرَضٌ لَایُؤْسٰی" "حسد وہ بیماری ہے جس میں تسکین ناممکن ہے۔"(۴)

۲۔ "اَلْحَسَدُ حَبْسُ الرُّوْحِ" "حسد روح کا قید خانہ ہے۔"(۵)

---

(۱) سورہ بقرہ: آیت ۱۰۹
(۲) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۶
(۳) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۲
(۴) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۴۰
(۵) غرر الحکم: ج ۱، ص ۱۰۰

۳۔ "اَلْحَسَدُ شَرُّ الْاَمْرَاضِ" "حسد سب سے بھیانک بیماری ہے۔"(۱)

۴۔ "رَأْسُ الرَّذَائِلِ الْحَسَدُ" "برائیوں کا سرچشمہ، حسد ہے۔"(۲)

۵۔ "اَلْحَسَدُ مَطِیَّةُ التَّعَبِ" "حسد، رنج و مشکلات کی سواری ہے۔"(۳)

۶۔ "ثَمَرَةُ الْحَسَدِ شَقَاءُ الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ" "حسد کا ثمر دنیا و آخرت کی شقاوت ہے۔"(۴)

حاسد کے بارے میں بھی مولائے کائناتؑ کے بہت بیش قیمت ارشادات ہیں:

"مَنْ تَرَکَ الْحَسَدَ کَانَتْ لَهُ الْمَحَبَّةُ عِنْدَ النَّاسِ" "جو حسد کو ترک کر دے گا وہ لوگوں کے دلوں میں محبوب بن جائے گا۔"(۵)

"اَلْحَسُوْدُ کَثِیْرُ الْحَسَرَاتِ مُتَضَاعِفُ السَّیِّئَاتِ" "زیادہ حسد کرنے والے کی حسرتیں زیادہ اور برائیاں کئی گنا ہو جاتی ہیں۔"(۶)

"اَلْحَسُوْدُ لَایَسُوْدُ" "حاسد کبھی سکھ نہیں پا سکتا۔"(۷)

"اَلْحَاسِدُ لَایَشْفِیْهِ اِلَّا زَوَالُ النِّعْمَةِ" "حاسد کو زوال نعمت کے بغیر چین نہیں ملتا ہے۔"(۸)

---

(۱) غرر الحکم: ج ۱، ص ۹۱
(۲) غرر الحکم: ج ۴، ص ۵۰
(۳) بحار الانوار: ج ۷۸، ص ۱۵، حدیث ۱۷
(۴) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۴۰۱
(۵) بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۹، حدیث ۱
(۶) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۴۰۱
(۷) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۴
(۸) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۴۰۱

"اَلْحَاسِدُ يَفْرَحُ بِالشَّرِّ وَ يَغْتَمُّ بِالسُّرُوْرِ" "حاسد دوسروں کی برائی سے خوش ہوتا ہے اور ان کی خوشی سے غمگین ہوتا ہے۔"(۱)

"اَلْحَاسِدُ يَرَىٰ اَنَّ زَوَالَ النِّعْمَةِ عَمَّنْ يَحْسُدُهُ نِعْمَةٌ عَلَيْهِ" "حاسد یہ خیال کرتا ہے کہ جس سے اسے حسد ہے اس کی نعمت چھن جانا ہی اس حاسد کے لئے ایک نعمت ہے۔"(۲)

"اَلْحَاسِدُ يُظْهِرُ وُدَّهُ فِي اَقْوَالِهِ وَ يُخْفِي بُغْضَهُ فِي اَفْعَالِهِ فَلَهُ اسْمُ الصَّدِيْقِ وَ صِفَةُ الْعَدُوِّ" "حاسد زبان سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے اور اپنے کرتوت کے ذریعہ اپنا بغض چھپائے رکھتا ہے اس کا نام تو دوستوں میں ہوتا ہے مگر عادتیں دشمنوں والی ہوتی ہیں۔"(۳)

"بِئْسَ الرَّفِيْقُ الْحَسُوْدُ" "سب سے برا دوست، بہت زیادہ حسد کرنے والا ہے۔"(۴)

"لَا تَحَاسَدُوْا فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْاِيْمَانَ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ" "حسد نہ کرو کیونکہ حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھالیتی ہے۔"(۵)

"اَلْحَسَدُ يُمِيْتُ الْاِيْمَانَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُمِيْتُ الْمَاءُ الثَّلْجَ" "حسد، دل سے ایمان کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے پانی برف کو ختم کر دیتا ہے۔"(۶)

امام جعفر صادق ؑ نے حسد کے متعلق یہ فرمایا ہے: "لَيْسَتْ لِلْبَخِيْلِ رَاحَةٌ وَ لَا لِلْحَسُوْدِ لَذَّةٌ" "بخیل کے لئے کوئی راحت اور حاسد کے لئے کوئی لذت نہیں ہے۔"(۷)

---

(۱) مستدرک: ج۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۳۰۱

(۲) گذشتہ حوالہ

(۳) غرر الحکم: ج۲، ص۱۳۹

(۴) غرر الحکم: ج۳، ص۲۵۳

(۵) بحار الانوار: ج۷۷، حدیث ۲۹۱۴

(۶) مستدرک وسائل: ج۱۲، ص۱۸

(۷) بحار الانوار: ج۷۷، باب ۱۰، حدیث ۱۳

"اَلْحَاسِدُ مُضِرٌّ بِنَفْسِهِ قَبْلَ اَنْ يَضُرَّ بِالْمَحْسُوْدِ كَاِبْلِيْسَ اَوْرَثَ بِحَسَدِهِ لِنَفْسِهِ اللَّعْنَةَ وَ لِآدَمَ الْاِجْتِبَاءَ" "حاسد دوسرے کو ضرر پہونچانے سے پہلے اپنے کو نقصان پہونچاتا ہے جیسے ابلیس نے اپنے حسد کی بنا پر اپنے لئے لعنت کا انتظام کر لیا اور جناب آدم کے لئے پیغمبری کا راستہ فراہم کر دیا۔"(۱)

"اُصُوْلُ الْكُفْرِ ثَلَاثَةٌ: اَلْحِرْصُ وَ الْاِسْتِكْبَارُ وَ الْحَسَدُ" "کفر کی بنیاد تین ہیں:

۱۔ حرص ۲۔ تکبر ۳۔ حسد۔"(۲)

"اَلْحَسَدُ اَصْلُهُ مِنْ عَمَى الْقَلْبِ وَ الْجُحُوْدِ لِفَضْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ هُمَا جَنَاحَانِ لِلْكُفْرِ: وَ بِالْحَسَدِ وَقَعَ ابْنُ آدَمَ فِي حَسْرَةِ الْاَبَدِ وَ هَلَكَ مَهْلِكًا لَا يَنْجُوْ مِنْهُ اَبَدًا" "حسد کی شروعات دل کی تاریکی اور فضل الٰہی کے انکار سے ہوتی ہے اور یہ دونوں کفر کے دو بازو ہیں اور حسد کے ذریعے فرزند آدم دائمی حسرت کا شکار ہوتا ہے اور وہ ایسی ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے کبھی بھی نجات ممکن نہیں ہے۔"(۳)

امام جعفر صادق ؑ کا ارشاد ہے:

"آفَةُ الدِّيْنِ الْحَسَدُ وَ الْعُجْبُ وَ الْفَخْرُ" "دین کی آفتیں حسد، خود پسندی، اور فخر و مباہات کرنا ہیں۔"(۴)

پیغمبر اکرم ﷺ نے حسد کو ایک ایسی بیماری قرار دیا ہے جو دین کو نیست و نابود کر دیتی ہے آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا ہے: "اَلَا اِنَّهُ قَدْ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ مِنْ

---

(۱) بحار الانوار: ج۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۲۳

(۲) بحار الانوار: ج۷۲، باب ۹۹، حدیث ۱

(۳) بحار الانوار: ج۷۳، باب ۱۳۱

(۴) بحار الانوار: ج۷۳، باب ۱۳۱ حدیث ۵

قَبْلِكُمْ وَ هُوَ الْحَسَدُ، لَيْسَ بِحَالِقِ الشَّعْرِ لٰكِنَّهُ حَالِقُ الدِّيْنِ" "یاد رکھو گذشتہ امتوں کا مرض تمہارے اندر بھی سرایت کر گیا ہے اور وہ حسد ہے جو تمہارے بالوں کو نہیں ختم کرتا بلکہ تمہارے دین کا سر مونڈ ڈالتا ہے۔"(۱)

حسد سے انسان کے جسم میں پیدا ہونے والی بیماریوں کے بارے میں مولائے کائنات نے فرمایا ہے:

"اَلْحَسُوْدُ عَلِيْلٌ اَبَداً" "زیادہ حسد کرنے والا ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔"(۲)

"اَلْحَسَدُ يُذِيْبُ الْجَسَدَ" "حسد جسم کو پگھلا دیتا ہے۔"(۳)

"اَلْعَجَبُ لِغَفْلَةِ الْحُسَّادِ عَنْ سَلَامَةِ الْاَجْسَادِ" "تعجب ہے کہ حسد کرنے والے اپنے جسم کی صحت سے کیوں غافل ہیں۔"(۴)

"صِحَّةُ الْجَسَدِ مِنْ قِلَّةِ الْحَسَدِ" "حسد کی قلت میں ہی بدن کی صحت ہے۔"(۵)

حسد کے اسباب

ہماری ذاتی اور سماجی زندگی میں حسد کے مہلک اثرات سے واقفیت کے بعد اس خطرناک بیماری کے علاج کی خاطر ان اسباب کو جاننا بھی ضروری ہے جن کی بنا پر یہ بیماری پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب تک مرض کی صحیح تشخیص نہ ہو جائے تب تک صحیح دوا اور طریقہ علاج تلاش کرنا بھی ممکن نہیں ہے علماء اخلاق نے حسد کے سات اسباب بیان کئے ہیں:

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱ حدیث ۲۳
(۲) مستدرک: ج ۱۲، باب ۵۵، حدیث ۱۳۳۰۱
(۳) غرر الحکم: ج ۱، ص ۳۴۱
(۴) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۳۱، حدیث ۲۸
(۵) بحار الانوار: ج ۷۳، باب ۱۴۱، حدیث ۲۸

۱۔ خباثت: بے شمار حاسدین کے حسد کی بنیاد خباثت نفس، اور اخلاقی پستی ہوتی ہے کیونکہ چاہے انہیں کسی سے دشمنی نہ بھی ہو تب بھی وہ دوسروں کی تکلیف سے خوش ہوتے ہیں اور کوئی خوشحال نظر آئے تو انہیں دکھ ہوتا ہے مختصر یہ کہ ایسے لوگ کسی کی کامیابی اور خوشحالی کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔

۲۔ جس سے وہ حسد کر رہا ہے اگر اس سے کسی رنجش یا دشمنی کی بنا پر کوئی کینہ پیدا ہو گیا تو اس کینہ سے بھی حسد پیدا ہوتا ہے چنانچہ اگر حاسد اپنے دشمن کو کسی مصیبت میں گھرا دیکھتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی مشکلات میں اور اضافہ ہو جائے اور اگر صورتحال اس کے برعکس ہو جائے اس کے یہاں ترقی اور کامیابی دکھائی دے تو اسے حزن وملال ہوتا ہے اور وہ حسرت کے گھونٹ پینے لگتا ہے۔

۳۔ عہدہ اور دولت کی محبت: بہت سے حاسدوں کو عہدہ یا دولت کی ہوس ہوتی ہے اور وہ اسے صرف اپنے لئے پسند کرتے ہیں لہٰذا جب یہ چیزیں اپنے کسی رقیب کے پاس دیکھتے ہیں تو اس سے حسد کرنے لگتے ہیں مثلاً کوئی بہترین کھلاڑی، یا کامیاب تاجر یا دولت مند انسان جب کسی دوسرے کو اپنے سے زیادہ ترقی کرتے ہوئے دیکھتا ہے یا ان کا نام اور احترام اس سے زیادہ ہونے لگتا ہے تو وہ ان سے حسد کرنے لگتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ کسی طرح ناکام اور ذلیل ہو جائیں۔

۴۔ رقابت: یہ جذبہ اکثر ان لوگوں کے اندر پیدا ہوتا ہے جو کسی ایک عہدے یا انعام کے لئے ایک دوسرے سے مقابلہ کے لئے میدان میں اترتے ہیں اور کیونکہ ایسے مقابلوں میں صرف ایک ہی آدمی پہلے نمبر پر آ سکتا ہے لہٰذا بقیہ افراد جو اپنے کو بزعم خود اس کا مستحق سمجھتے ہیں وہ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔

۵۔ تکبر: بعض حاسدوں کے اندر کیونکہ تکبر اور اپنی بڑائی کا مادہ پایا جاتا ہے لہٰذا انہیں دوسروں کی ترقی پسند نہیں ہوتی اور کسی دوسرے کی ترقی وہ برداشت نہیں کر پاتے کیونکہ ہر متکبر یہی چاہتا ہے کہ دنیا کے تمام لوگ اس سے کمتر ہی رہیں تا کہ وہ ان پر فخر ومباہات کر سکے اور وہ اس کے سامنے تواضع وانکساری سے پیش آئیں ورنہ اگر وہ پیشرفت کر لیں گے تو اس کی پیروی نہیں کریں

گے۔ لہٰذا وہ ہر ایک کی ترقی سے حسد کرنے لگتا ہے۔

۶۔ حب ذات: بعض حاسدین کے اندر کیونکہ حب ذات کا مادہ پایا جاتا ہے یعنی وہ اپنی ذات سے محبت کرتے ہیں لہٰذا وہ اپنی ذات سے محبت کے باعث دوسروں کی ترقی سے ڈرتے ہیں کہ اگر وہ ترقی کر گئے تو اس کی توہین ہوگی۔

البتہ متکبر اور ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ متکبر کے اندر دوسروں پر برتری کا جذبہ ہوتا ہے لیکن یہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کی برتری پسند نہیں کرتے ہیں اور خود بھی ترقی کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

۷۔ تعجب: بعض حاسد کسی سے صرف اس لئے حسد کرتے ہیں کہ ان کی نظر میں دوسرے کو جو نعمت ملی ہے وہ اس کا مستحق اور حقدار نہیں تھا لہٰذا اس سے انہیں تعجب ہوتا ہے کہ یہ نعمت اسے کیسے مل گئی لہٰذا ان کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ یہ نعمت اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور وہ اس سے محروم ہو جائے۔

خلاصہ:

حسد ایک بری صفت ہے جس کا مطلب ہے دوسرے سے نعمت چھن جانے کی تمنا کرنا۔

حاسد جس سے حسد کرتا ہے کبھی کبھی وہ اس کی نعمت چھن جانے کے لئے عملی قدم بھی اٹھاتا ہے اس طریقۂ کار سے حاسد ہی کو نقصان ہوتا ہے اور کبھی کبھی اسے بھی نقصان پہونچ سکتا ہے جس سے حسد کیا جا رہا ہے۔

سوالات:

۱۔ حسد کی تعریف کیجئے؟

۲۔ حسد کے مراحل بتائیے؟

۳۔ غبطہ کسے کہتے ہیں؟

۴۔ روایات میں حسد کو منافقین کا عمل کیوں قرار دیا گیا ہے؟

۵۔ ایمان پر حسد کا کیا اثر ہوتا ہے؟

۶۔ حسد کے اسباب کیا ہیں؟

انتیسواں سبق

جھوٹ

جھوٹ بدترین گناہ کبیرہ ہے اور پست ترین اخلاقی صفت ہے۔ جھوٹ سے آپسی تعلقات تباہ و برباد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جس شخص کے اندر صداقت کی کمی ہوتی ہے لوگوں کے درمیان اس کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی، لہٰذا اگر خدانخواستہ کسی معاشرے میں جھوٹ جیسی بری صفت رواج پا جائے تو وہ معاشرہ کھوکھلا ہو کر رہ جاتا ہے اور ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کرنا وبال جان بن جاتا ہے۔

جھوٹ کے نقصانات کی طرف قرآن مجید اور روایات معصومینؑ میں خاص توجہ دلائی گئی ہے اور انسانی زندگی پر مختلف جہات سے اس کے منفی اور تباہ کن اثرات کی وضاحت کی گئی ہے۔

اور کیونکہ جھوٹ بولنے میں انسان کو کوئی زحمت نہیں ہوتی لہٰذا بہت سارے لوگ اس راستے سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے بڑی آسانی سے جھوٹ بول دیتے ہیں۔

اور یہ بات قابل غور ہے کہ اکثر لوگ عام طور سے کسی عمل (چاہے وہ حلال ہو یا حرام) کو انجام دینے کے لئے یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں کس قدر زحمت درکار ہے یا اس سے فائدہ کتنا ہوگا۔ ان کی نگاہ میں وہی عمل بہتر ہے جس میں کم سے کم محنت اور زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اور ایسے افراد کم نظر آئیں گے جو کام کے نتائج پر بھی نگاہ رکھتے ہوں بلکہ عموماً افراد وقتی اور دنیاوی فائدہ کے پیش نظر کوئی کام انجام دے لیتے ہیں

جھوٹ بھی ایسا ہی فعل ہے کہ اکثر و بیشتر افراد اس گناہ کے عذاب اور اسکے دوررس نتائج کے بارے میں سوچنا بھی گوارہ نہیں کرتے اس لئے کبھی بھی جھوٹ کا سہارا لے کر انسان بہت جلد اپنے مقصد تک پہونچ جاتا ہے لہٰذا اس شارٹ کٹ کے باعث اسکے نتائج کے بارے میں سوچنے کا خیال نہیں آتا۔

جھوٹ کی تعریف

''جھوٹ اپنے عقیدہ اور واقفیت کے برخلاف اظہار کرنا''

اس طرح جھوٹ کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ یہ کہ زبان سے جو بات کہے یا اعضاء و جوارح سے جس چیز کا اظہار کرے وہ حقیقت کے برخلاف ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ خلاف واقعہ کہنے والے کو اس کے غلط ہونے کا علم ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص خلاف واقعہ بات بیان کرے لیکن اسے خود اس کے خلاف واقع ہونے کا علم نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بالکل سچ ہے تو ایسا شخص کاذب اور جھوٹا نہیں ہے۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ کبھی جھوٹ زبان سے بولا جاتا ہے اور کبھی عملی ہوتا ہے مثلا انسان اپنے رویہ سے یہ ظاہر کرے کہ وہ بہت بڑی شخصیت کا مالک ہے اور واقعاً ایسا کچھ نہ ہو تو یہ بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے کیونکہ جھوٹ ''خلاف واقعہ چیز کے اظہار'' کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ تعریف قول و فعل دونوں کو شامل ہے۔

جھوٹ! قرآن کریم کی روشنی میں:

قرآن کریم میں جھوٹ اور جھوٹوں سے متعلق متعدد آیات کریمہ موجود ہیں اور مختلف جہات سے جھوٹ کے سلسلہ میں گفتگو کی گئی ہے ہم یہاں بعض آیات کا تذکرہ کر رہے ہیں:

۱۔ ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ '' لہٰذا تم ناپاک

بتوں سے پرہیز کرتے رہو اور لغو اور مہمل باتوں سے اجتناب کرتے رہو۔"(۱)

۲. ﴿اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِآیَاتِ اللّٰہِ وَ اُولٰئِکَ ھُمُ الْکَاذِبُوْنَ﴾ "یقیناً غلط الزام لگانے والے صرف وہی افراد ہوتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور وہی جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔"(۲)

۳. ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی مَنْ ھُوَ کَاذِبٌ کَفَّارٌ﴾ "اللہ کسی بھی جھوٹے اور ناشکری کرنے والے کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔"(۳)

۴. ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ﴾ "بیشک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی راہنمائی نہیں کرتا۔"(۴)

۵. ﴿فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ﴾ "اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔"(۵)

۶. ﴿...اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ کَانَ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ﴾ "کہ اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان پر خدا کی لعنت ہے۔"(۶)

ان آیات کریمہ سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ خداوند عالم نے جھوٹ کو بتوں کی عبادت کے برابر قرار دیا ہے یا جھوٹ کے بعد ایمان دل سے ختم ہو جاتا ہے. اور جھوٹا انسان توفیق ہدایت

---

(۱) سورۂ حج، آیت ۳۰
(۲) سورۂ نحل، آیت ۱۰۵
(۳) سورۂ زمر، آیت ۳
(۴) سورۂ غافر، آیت ۲۸
(۵) سورۂ آل عمران، آیت ۶۱
(۶) سورۂ نور، آیت ۷

کے لائق نہیں رہ جاتا اس کی راہنمائی کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کی ہدایت کے امکانات معدوم ہو جائیں ایسا شخص گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کی عاقبت بخیر نہیں ہو سکتی۔

جھوٹ! روایات معصومینؑ کی روشنی میں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومینؑ نے بھی وقتاً فوقتاً لوگوں کو جھوٹ کے بھیانک نتائج سے آگاہ کیا ہے۔ بعض روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کَثْرَةُ الْکِذْبِ یَمْحُو الْاِیْمَانَ" "جھوٹ کی کثرت ایمان کو ختم کر دیتی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ارشاد ہے: "اِیَّاکُمْ وَ الْکِذْبَ فَاِنَّ الْکِذْبَ مُجَانِبٌ لِلْاِیْمَانِ" "جھوٹ سے دور رہو کیونکہ جھوٹ ایمان سے دور کر دیتا ہے۔"(۱)

۲۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "جَانِبُوا الْکِذْبَ فَاِنَّہُ مُجَانِبٌ لِلْاِیْمَانِ وَ اِنَّ الصَّادِقَ عَلٰی شَرَفِ مَنْجَاةٍ وَ کَرَامَةٍ وَ الْکَاذِبَ عَلٰی شَفَا مَھْوَاةٍ وَ ھَلَکَةٍ" "جھوٹ سے دور رہو کیونکہ یہ ایمان سے دور کر دیتا ہے اور بیشک سچا انسان نجات اور عزت و شرافت کے ساحل پر کھڑا ہوتا ہے اور جھوٹا ذلت و ہلاکت کے دھانے پر ہوتا ہے۔"(۲)

۳۔ امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے: "اِنَّ الْکِذْبَ ھُوَ خَرَابُ الْاِیْمَانِ" "جھوٹ ایمان کی بربادی ہے۔"(۳)

گویا کہ جھوٹ ایمان کی ضد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن عام طور سے جھوٹ نہیں بولتا اور اگر

---

(۱) کنز العمال: ج ۳، ص ۶۲۰، حدیث ۸۲۰۶
(۲) بحار الانوار: ج ۷۷، باب ۱۴، حدیث ۲
(۳) اصول کافی: ج ۳، ص ۳۳۹، حدیث ۴

کبھی اس سے غلط بیانی ہو بھی جاتی ہے تو وہ اس پر نادم ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور غلط بیانی سے کام لیتا ہے اسے اپنے ایمان کے بارے میں تجدید نظر کرنا چاہئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی جناب حسن بن محبوب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟۔ آپ نے فرمایا: "ہاں ... میں نے عرض کی تو کیا جھوٹا بھی ہوسکتا ہے؟ فرمایا نہیں اور نہ ہی خائن ہوسکتا ہے۔ پھر فرمایا: کہ مومن کے اندر ہر صفت ممکن ہے مگر خیانت اور جھوٹ کا امکان نہیں ہے۔" (۱)

بعض روایات میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کی گمراہی اور پستی کا آغاز جھوٹ سے ہی ہوتا ہے اس سلسلے میں دو روایات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: "اِنَّ الْکِذْبَ یَهْدِی اِلیٰ الْفُجُوْرِ وَ الْفُجُوْرُ یَهْدِی اِلیٰ النَّارِ" "جھوٹ برائیوں کی طرف لیجاتا ہے اور برائیاں جہنم تک پہونچا دیتی ہیں۔" (۲)

۲۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے: "جُعِلَتِ الْخَبَائِثُ کُلُّهَا فِی بَیْتٍ وَ جُعِلَ مِفْتَاحُهَا الْکِذْبُ" "تمام خباثتیں ایک گھر میں رکھی گئی ہیں اور اس کی کنجی جھوٹ کو قرار دیا گیا ہے۔" (۳)

کچھ احادیث کے اندر جھوٹ کو سب سے پست اور بری اخلاقی صفت قرار دیا گیا ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

☆ "تَحَفَّظُوْا مِنَ الْکِذْبِ فَاِنَّهٗ مِنْ اَدْنَی الْاَخْلَاقِ قَدْراً وَ هُوَ نَوْعٌ مِنَ

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۵، باب ۵۸، حدیث ۱۱
(۲) بحار الانوار: ج ۷۲، باب ۱۱۴، حدیث ۳۴
(۳) بحار الانوار: ج ۷۲، باب ۱۱۴ حدیث ۴۸

الْفُحْشِ وَ ضَرْبٌ مِنَ الدَّنَاءَةِ" "اپنے کو جھوٹ سے محفوظ رکھو کیونکہ یہ سب سے پست، بداخلاقی ہے اور ایک قسم کی فحش نیز پستی کی ایک قسم ہے۔" (۱)

☆ "شَرُّ الْاَخْلَاقِ الْکِذْبُ وَ النِّفَاقُ" "سب سے بڑی بداخلاقی جھوٹ اور نفاق ہیں۔" (۲)

☆ "لَاسَیِّئَةَ اَقْبَحُ مِنَ الْکِذْبِ" "جھوٹ سے بری کوئی صفت نہیں ہے۔" (۳)

☆ "اَلصِّدْقُ اَمَانَةٌ وَ الْکِذْبُ خِیَانَةٌ" "سچائی امانت اور جھوٹ خیانت ہے۔" (۴)

☆ "شَرُّ الْقَوْلِ الْکِذْبُ" "سب سے بدتر بات جھوٹ ہے۔" (۵)

☆ "عَلَامَةُ الْاِیْمَانِ اَنْ تُؤْثِرَ الصِّدْقَ حَیْثُ یَضُرُّکَ عَلیٰ الْکِذْبِ حَیْثُ یَنْفَعُکَ" "ایمان کی پہچان یہ ہے کہ جہاں تمہیں سچ بولنے سے نقصان اور جھوٹ بولنے سے فائدہ ہو وہاں سچائی کو جھوٹ پر ترجیح دو۔" (۶)

اور پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: "کَبُرَتْ خِیَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاکَ حَدِیْثاً هُوَ لَکَ مُصَدِّقٌ وَ اَنْتَ بِهٖ کَاذِبٌ" "یہ ایک بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کرو تو وہ تمہاری تصدیق کرے اور تم اس کے ساتھ غلط بیانی سے کام لو۔" (۷)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۷۸، باب ۱۶، حدیث ۱۵۷
(۲) غرر الحکم: ج ۴، ص ۱۶۶
(۳) غرر الحکم: ج ۶، ص ۳۸۰
(۴) بحار الانوار: ج ۶۹، باب ۳۸، حدیث ۳۵
(۵) نہج البلاغہ: خطبہ ۸۴
(۶) نہج البلاغہ: کلمات قصار ۳۵۸
(۷) کنز العمال: ج ۳، ص ۶۲۰، حدیث ۸۲۱۰

یا آپ علیہ السلام نے فرمایا ہے: "اَعْظَمُ الْخَطَایَا اللِّسَانُ الْکَذُوْبُ" "سب سے بڑی غلطی جھوٹی زبان ہے۔"(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: "اِنَّ الْعَاقِلَ لَایَکْذِبُ وَ اِنْ کَانَ فِیْهِ هَوَاهُ" "عاقل کبھی جھوٹ نہیں بولتا چاہے اس میں اس کا نفع ہی کیوں نہ ہو۔"(۲)

سچ قرآن اور احادیث کی روشنی میں

ہمیں بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جھوٹ کتنی بری چیز ہے اور سماج میں اس کے کیا تباہ کن اثرات ہوتے ہیں. لہٰذا اب ہم آپ کو اس کی ضد یعنی سچائی کی عظمت وفضیلت کے بارے میں اسلامی نظریات سے آگاہ کررہے ہیں۔

خداوند عالم نے اپنے بندوں کو صادقین کی ہمراہی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿یا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ﴾ "ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔"(۳)

دوسری آیت میں خداوند عالم نے اپنے صادق بندوں کو یہ بشارت دی ہے: ﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصَّادِقِیْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا أَبَداً رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ "اللہ نے کہا کہ یہ اللہ نے کہا کہ یہ قیامت کا دن ہے جب صادقین کو ان کا سچ فائدہ پہونچائے گا کہ ان کے لئے باغات ہونگے جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے

---

(۱) بحار الانوار: ج۲۱، ص۲۱۰، باب ۲۹

(۲) اصول کافی: ج۱، ص۱۷

(۳) سورۂ توبہ: آیت ۱۱۹

اور یہی ایک عظیم کامیابی ہے۔"(۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "أَقْرَبُکُمْ مِنِّیْ غَداً فِی الْمَوْقِفِ أَصْدَقُکُمْ لِلْحَدِیْثِ" "تم میں سے روز محشر مجھ سے سب سے زیادہ قریب تر وہ شخص ہوگا جو تمہارے درمیان سب سے زیادہ سچا ہوگا۔"(۲)

مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا: "اَلصِّدْقُ عِزَّةٌ" "سچائی عزت ہے۔"

نیز یہ بھی فرمایا: "اَلصِّدْقُ أَخُو الْعَدْلِ" "سچ عدالت کا بھائی ہے۔"(۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ یَبْعَثْ نَبِیّاً اِلَّا بِصِدْقِ الْحَدِیْثِ وَ اَدَاءِ الْاَمَانَةِ" "پروردگار عالم نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر سچائی اور امانت داری کے ساتھ۔"(۴)

جائز غلط بیانی

اگر چہ غلط بیانی ایک بری صفت اور پست وحقیر کام ہے لیکن اگر کوئی اہم ضرورت یا مصلحت پیش آ جائے تو ایسے مواقع پر اسلام نے غلط بیانی کی اجازت دی ہے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ **مجبوری:** جب انسان کی زندگی کا دارومدار اسی غلط بیانی پر ہو جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿...اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ﴾ "جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے، علاوہ اس کے کہ جو کفر پر مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو۔"(۵)

---

(۱) سورۂ مائدہ: آیت ۱۱۹

(۲) بحار الانوار: ج۷۴، باب ۷، ص۱۵۲

(۳) غرر الحکم: ص۲۱۷

(۴) اصول کافی: ج۲، ص۱۰۴

(۵) سورۂ نحل: آیت ۱۰۶

یہ آیۂ کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو کفار قریش نے سخت سزائیں دیں اور آپ نے اپنی جان کی حفاظت کی خاطر مجبور ہو کر اپنی زبان سے کلمہ کفر جاری کر دیا تھا کیونکہ مجبوری اور اضطرار سے حرام چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''لَیسَ شَیٌٔ مِمَّا حَرَّمَ اللہُ اِلاَّ وَ قَدْ اَحَلَّہُ اللہُ لِمَنْ اضْطُرَّ اِلَیہِ'' ''خداوند عالم کی کوئی حرام چیز ایسی نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مضطر شخص کے لئے حلال نہ کر دیا ہو اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ مجبوریاں حرام چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔''(۱)

نوٹ: البتہ یہ واضح رہے کہ وہی مجبوری اور اضطرار حرام کو حلال کرتا ہے جسے شریعت کی نگاہ میں مجبوری کہا جائے، مترجم

لہٰذا جب کسی انسان کی جان، مال اور عزت و آبرو کو سچائی کی بنا پر ایسے نقصان کا خطرہ ہو جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو تو وہ اس نقصان سے بچنے کے لئے غلط بیانی کر سکتا ہے۔

۲۔ صلح: اگر لوگوں کے درمیان اختلافات دور کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لینا پڑے تو وہ بھی جائز ہے بلکہ اگر سچائی سے دشمنی میں اور اضافہ ہو جائے تو وہ حرام ہے. لہٰذا یہ مصالحت اور صلح وصفائی جھوٹ کو جائز اور سچائی کو حرام بنا دیتی ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا: ''یَا عَلِیَ اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْکِذْبَ فِی الْاِصْلاَحِ وَ یُبْغِضُ الصِّدْقَ فِی الْفَسَادِ...'' ''اے علی لوگوں کی اصلاح کے لئے جو غلط بیانی کی جائے خدا کو وہی پسند ہے اور جس سچائی سے فساد پیدا ہو خدا اس سے نفرت رکھتا ہے۔''(۲)

---

(۱) فصول المہمہ۔ ص ۴۰۸

(۲) بحار الانوار: ج ۷۸، ص ۳۵۶، باب ۱۰

۳۔ جنگی حیلہ: جنگی حیلوں میں سے ایک حیلہ جس کی اسلام نے بھی تائید کی ہے وہ دشمن کو فریب دینا ہے لہٰذا دشمن کے فوجی نظم وضبط یا حوصلوں کو ختم کر کے اس کی طاقت کو کمزور بنانے کے لئے غلط بیانی سے کام لیا جا سکتا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے اسی بارے میں فرمایا تھا کہ: اَلْمَکِیدَۃُ فِی الْحَرْبِ... ''جنگ میں فریب جائز ہے۔''(۱)

ہنسی مذاق کے لئے جھوٹ بولنا

بے شمار لوگ ہنسی اور مذاق میں جھوٹ بولتے رہتے ہیں اور اگر ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ جھوٹ کیوں بول رہے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ لہٰذا ایسے افراد کو دھیان رکھنا چاہئے کہ سنجیدگی یا ہنسی اور مذاق سے جھوٹ کی برائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الْکِذْبَ لاَیَصْلُحُ مِنْہُ جِدٌّ وَلاَھَزْلٌ'' ''جھوٹ نہ سنجیدگی میں بہتر ہے اور نہ ہنسی مذاق میں۔''(۲)

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''وَیْلٌ لِلَّذِی یُحَدِّثُ فَیَکْذِبُ لِیُضْحِکَ بِہِ الْقَوْمَ وَیْلٌ لَہُ وَیْلٌ لَہُ'' ''اس کے لئے ویل ہے جو گفتگو کے دوران صرف لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔ اس کے لئے ویل ہے اس کے لئے ویل ہے۔''(۳)

امام محمد باقر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میرے والد محترم مسلسل یہ فرمایا کرتے تھے: ''اِتَّقُوْا الْکِذْبَ الصَّغِیْرَ مِنْہُ وَ الْکَبِیْرَ فِی کُلِّ جِدٍّ وَ ھَزْلٍ'' ''ہر چھوٹے بڑے جھوٹ سے پرہیز کرو چاہے وہ سنجیدگی میں ہو یا ہنسی مذاق میں۔''(۴)

---

(۱) بحار الانوار: ج ۶۸، ص ۸، باب ۲۰

(۲) بحار الانوار: ج ۶۹، ص ۲۵۹، باب ۱۱۴

(۳) بحار الانوار: ج ۶۹، ص ۲۳۵، باب ۱۱۴

(۴) گذشتہ حوالہ

توریہ

توریہ اس بات کو کہا جاتا ہے جس کے دو معنی ہوں جس میں بولنے والا پہلے معنی مراد لے اور سننے والا اس کے دوسرے معنی سمجھے، توریہ در حقیقت جھوٹ نہیں ہے بلکہ سننے والا اس کے غلط معنی سمجھ لیتا ہے. لہٰذا ایسے مقامات پر کہ جہاں انسان سچ بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹ کہنے سے بھی بچنا چاہتا ہے تو وہاں توریہ کا سہارا لیتا ہے۔

جیسے کوئی شخص ہم سے کسی شخص کے بارے میں پوچھے اور ہم سچ نہ بولنا چاہیں اور جھوٹ سے بھی پرہیز کرنے کا ارادہ ہو تو اسے یہ جواب دیدیں کہ میں نے اسے مسجد میں دیکھا تھا جس سے سننے والا یہ سمجھے کہ ہم نے اسے ابھی کچھ دیر پہلے دیکھا تھا جب کہ ہمارا مقصد ایک ہفتہ پہلے دیکھنے کا ہو. چنانچہ سننے والا ہماری یہ بات سن کر اسے مسجد میں تلاش کرنے چلا جائے۔

(توریہ اگر چہ جائز ہے مگر روایات میں اس سے بھی پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مترجم)

خلاصہ:

جھوٹ ایک گناہ کبیرہ ہے۔ اور کیونکہ جھوٹ بولنے میں کسی قسم کی زحمت نہیں ہوتی ہے لہٰذا لوگ عام طور سے اس برائی میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔

جھوٹ سماج کے اندر بہت خطرناک اثرات چھوڑتا ہے کیونکہ اس سے بے اعتمادی اور سوء ظن کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے اسی لئے اسلام نے اس کو انسانی زندگی کی بدترین اخلاقی برائی قرار دیا ہے۔

سوالات:

۱۔ جھوٹ کی تعریف کیجئے؟
۲۔ کس وجہ سے جھوٹ ایک حساس مسئلہ بن گیا ہے؟
۳۔ جھوٹوں کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟
۴۔ احادیث میں جھوٹ کو کیا کہا گیا ہے؟
۵۔ کن مواقع پر غلط بیانی جائز قرار دی گئی ہے؟
۶۔ کیا مذاق میں جھوٹ بولا جا سکتا ہے؟
۷۔ توریہ کے کیا معنی ہیں۔ ایک مثال بیان کیجئے؟

اور اگر دنیا کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے تو چاروں طرف سے مسلمانوں کے اوپر دشمنوں کی یلغار ہے اور وہ انہیں ہر قسم کی ترقی سے روکنے پر تلے ہوئے ہیں لہٰذا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ آپسی اتحاد اور بھائی چارگی کو مضبوط سے مضبوط تر کریں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ایک آہنی دیوار بن کر ان کا منہ توڑ جواب دیں۔

جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اَلْمُسْلِمُوْنَ یَدٌ وَاحِدَةٌ عَلیٰ مَنْ سِوَاهُمْ" (۱) "مسلمان اپنے ہر دشمن کے مقابلہ میں ایک طاقت ہیں" کیونکہ یہ طے ہے کہ اگر بہت سارے لوگ ایک آواز ہو جائیں تو وہ ایک بڑی طاقت میں تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن اگر ان کے درمیان انتشار وافتراق پیدا ہو جائے تو ان کی قدرت ہوا ہو جاتی ہے۔

اسی لئے خداوند عالم نے مسلمانوں کو افتراق ودشمنی اور آپسی رنجشوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾ "اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا بگڑ جائے اور صبر کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (۲)

اسی لئے دنیا کے سرکش لوگ کسی ایک بڑی جماعت پر حکومت کرنے کے لئے اس کے اندر پھوٹ ڈال کر اس میں گروہ بازی پیدا کر دیتے ہیں جس کی طرف قرآن مجید نے یوں اشارہ کیا ہے۔

---

(۱) بحار الانوار: ج ۵۸، ص ۱۵۰

(۲) سورۂ انفال: آیت ۴۶

تیسواں سبق

خاتمۂ سخن

ہماری گفتگو کا خلاصہ

گذشتہ ۲۹ دروس کے اندر آپ یہ بخوبی جان چکے ہیں کہ اسلام نے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ جس انسان کو بھی کمال وسعادت تک پہونچنا ہو اس کے لئے یہ بیحد ضروری ہے کہ وہ سماج اور معاشرے میں ایک دوسرے کے حقوق کو بخوبی ادا کرے۔ جن کی ادائیگی کے لئے اس نے انہیں ان کے آداب اور مذہبی طور طریقوں سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے۔

کسی نہ کسی اعتبار سے ہمیں یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی انسان خطا ولغزش سے محفوظ نہیں ہے اور ہر ایک کے اندر کوئی کمی یا نقص ضرور موجود ہے لہٰذا مادی یا روحانی ترقی وکمال کی کسی بھی منزل تک پہونچنے کے لئے اسے دوسروں کی ضرورت بہر حال درکار ہے اور وہ ہر کام تنہا انجام نہیں دے سکتا ہے اور فکری یا علمی اعتبار سے اسے دوسروں کا سہارا ضرور لینا پڑے گا تبھی وہ کسی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایک طرف تو انسان کو اپنے مادی ضروریات زندگی کے لئے مال و دولت کی ضرورت ہے جس کے لئے وہ محنت مشقت کرنے پر مجبور ہے اور دوسری جانب اسے دوسروں کی دلی ہمدردی اور محبت کی ضرورت بھی ہے اور ان چیزوں کو تنہا حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْأَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعاً لِيَسْتَضْعِفَ طَائِفَةً مِنْهُمْ﴾
" فرعون نے روئے زمین پر بلندی اختیار کی اور اس نے اہل زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کردیا کہ ایک گروہ نے دوسرے کو بالکل کمزور بنادیا۔"(۱)

اور جب کسی ایک قوم کے اندر پھوٹ پڑ جاتی ہے اور اس کے لوگ گروہوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں تو ان کی آواز خود بخود کمزور پڑ جاتی ہے اور ان کو کچلنا یا ان کے اوپر حکومت کرنا بہت آسان ہے. اسی لئے قرآن مجید نے مسلمانوں کو لڑائی جھگڑے اور آپسی اختلافات سے منع کیا ہے۔ اور اسے شیطانی کاروبار قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ﴾ " شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان بغض وعداوت پیدا کر دے..."(۲)

لیکن وحدت، اتحاد اور قرابت کی بنا پر ہر قوم ایک طاقت بن کر ابھرتی ہے جیسا کہ مولائے کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے: "اِنَّهُ لَمْ يَجْتَمِعْ قَوْمٌ قَطُّ عَلٰى أَمْرٍ وَاحِدٍ اِلَّا اشْتَدَّ اَمْرُهُمْ وَ اسْتَحْكَمَتْ عُقْدَتُهُمْ" " کبھی بھی کوئی قوم کسی ایک آواز پر جمع نہیں ہوئی مگر یہ کہ اس کے معاملات اور بنیادیں مستحکم ہوگئیں۔"(۳)

یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے مشہور ومعروف خطبۂ قاصعہ میں گذشتہ امتوں کی تاریخ میں غور وفکر کر کے ان سے تجربات اور عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے. مزید وضاحت کے لئے امام کا وہ خطبہ مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) سورۂ قصص: آیت ۴

(۲) سورۂ مائدہ: آیت ۹۱

(۳) بحار الانوار: ج ۳۲، ص ۴۰۳

"وَاحْذَرُوْا مَا نَزَلَ بِالْاُمَمِ قَبْلَكُمْ مِنَ الْمَثُلَاتِ بِسُوْءِ الْاَفْعَالِ وَ ذَمِيْمِ الْاَعْمَالِ. فَتَذَكَّرُوْا فِی الْخَيْرِ وَ الشَّرِّ اَحْوَالَهُمْ، وَاحْذَرُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا اَمْثَالَهُمْ. فَاِذَا تَفَكَّرْتُمْ فِی تَفَاوُتِ حَالِهِمْ فَالْزَمُوْا كُلَّ اَمْرٍ لَزِمَتِ الْعِزَّةُ بِهِ شَأْنَهُمْ، وَ زَاحَتِ الْاَعْدَاءُ لَهُ عَنْهُمْ، وَ مُدَّتِ الْعَافِيَةُ بِهِ عَلَيْهِمْ، وَ انْقَادَتِ النِّعْمَةُ لَهُ مَعَهُمْ، وَ وَصَلَتِ الْكَرَامَةُ عَلَيْهِ حَبْلَهُمْ مِنَ الْاِجْتِنَابِ لِلْفُرْقَةِ وَ اللُّزُوْمِ لِلْاُلْفَةِ، وَ التَّحَاضِّ عَلَيْهَا وَ التَّوَاصِی بِهَا، وَ اجْتَنِبُوْا كُلَّ اَمْرٍ كَسَرَ فِقْرَتَهُمْ وَ أَوْهَنَ مُنَّتَهُمْ. مِنْ تَضَاغُنِ الْقُلُوْبِ، وَ تَشَاحُنِ الصُّدُوْرِ، وَ تَدَابُرِ النُّفُوْسِ، وَ تَخَاذُلِ الْاَيْدِی، وَ تَدَبَّرُوْا أَحْوَالَ الْمَاضِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَبْلَكُمْ كَيْفَ كَانُوْا فِی حَالِ التَّمْحِيْصِ وَ الْبَلَاءِ: اَلَمْ يَكُوْنُوْا أَثْقَلَ الْخَلَائِقِ اَعْبَاءً وَ أَجْهَدَ الْعِبَادِ بَلَاءً، وَ اَضْيَقَ اَهْلِ الدُّنْيَا حَالاً، اِتَّخَذَتْهُمُ الْفَرَاعِنَةُ عَبِيْداً فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ، وَ جَرَّعُوْهُمُ الْمُرَارَ فَلَمْ تَبْرَحِ الْحَالُ بِهِمْ فِی ذُلِّ الْهَلَكَةِ وَ قَهْرِ الْغَلَبَةِ. لَا يَجِدُوْنَ حِيْلَةً فِی امْتِنَاعٍ، وَ لَا سَبِيْلاً اِلٰى دِفَاعٍ. حَتّٰى اِذَا رَأَى اللّٰهُ سُبْحَانَهُ جِدَّ الصَّبْرِ مِنْهُمْ عَلَى الْأَذٰى فِی مَحَبَّتِهِ، وَ الْاِحْتِمَالَ لِلْمَكْرُوْهِ مِنْ خَوْفِهِ جَعَلَ لَهُمْ مِنْ مَضَايِقِ الْبَلَاءِ فَرَجاً، فَأَبْدَلَهُمُ الْعِزَّ مَكَانَ الذُّلِّ، وَ الْاَمْنَ مَكَانَ الْخَوْفِ فَصَارُوْا مُلُوْكاً حُكَّاماً، وَ أَئِمَّةً أَعْلَاماً، وَ قَدْ بَلَغَتِ الْكَرَامَةُ مِنَ اللّٰهِ لَهُمْ مَا لَمْ تَذْهَبِ الْآمَالُ اِلَيْهِ بِهِمْ"

"فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانُوْا حَيْثُ كَانَتِ الْأَمْلَاءُ مُجْتَمِعَةً وَ الْأَهْوَاءُ مُؤْتَلِفَةً، وَ الْقُلُوْبُ مُعْتَدِلَةً، وَ الْاَيْدِی مُتَرَادِفَةً، وَ السُّيُوْفُ مُتَنَاصِرَةً، وَ الْبَصَائِرُ نَافِذَةً، وَ الْعَزَائِمُ وَاحِدَةً، اَلَمْ يَكُوْنُوْا اَرْبَاباً فِی اَقْطَارِ الْاَرَضِيْنَ، وَ مُلُوْكاً عَلٰى رِقَابِ الْعَالَمِيْنَ. فَانْظُرُوْا اِلٰى مَا صَارُوْا اِلَيْهِ فِی آخِرِ أُمُوْرِهِمْ حِيْنَ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ، وَ تَشَتَّتَتِ الْاُلْفَةُ وَ

اخْتَلَفَتِ الْكَلِمَةُ وَ الْاَفْئِدَةُ، وَ تَشَعَّبُوْا مُخْتَلِفِيْنَ، وَ تَفَرَّقُوْا مُتَحَازِبِيْنَ قَدْ خَلَعَ اللهُ عَنْهُمْ لِبَاسَ كَرَامَتِهِ، وَ سَلَبَهُمْ غَضَارَةَ نِعْمَتِهِ وَ بَقِيَ قَصَصُ أَخْبَارِهِمْ فِيْكُمْ عِبَراً لِلْمُعْتَبِرِيْنَ"

"بدترین اعمال کی بنا پر گذشتہ امتوں پر نازل ہونے والے عذاب سے اپنے کو محفوظ رکھو خیر وشر ہر حال میں ان لوگوں کو یاد رکھو۔ اور خبردار ان کے جیسے بدکردار نہ ہو جانا۔

اگر تم نے ان کے اچھے، برے حالات پر غور کرلیا تو اب ایسے معاملات کو اختیار کرو جن کی بنا پر عزت ہمیشہ ان کے ساتھ رہی دشمن ان سے دور دور رہے عافیت کا دامن ان کی طرف پھیلا دیا گیا نعمتیں ان کے سامنے سرنگوں ہوئیں اور کرامت وشرافت نے ان سے اپنا رشتہ جوڑ لیا کہ وہ افتراق سے بچے۔ محبت کے ساتھ۔ اس پر دوسروں کو آمادہ کرتے رہے اور اسی کی آپس میں وصیت ونصیحت کرتے رہے۔

اور دیکھو ہر اس چیز سے پرہیز کرو جس نے ان کی کمر کو توڑ دیا ہے۔ ان کی طاقت کو کمزور بنا دیا۔ یعنی آپس کا کینہ۔ دلوں کی عداوت، نفوس کا ایک دوسرے سے منھ پھیر لینا اور ہاتھوں کا ایک دوسرے کی امداد سے رک جانا۔

ذرا اپنے سے پہلے والے صاحبان ایمان کے حالات پر بھی غور کرو کہ وہ کس طرح بلاء اور آزمائش کی منزلوں میں تھے۔ کیا وہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ بوجھ کے متحمل اور تمام بندوں میں سب سے زیادہ مصائب میں مبتلا نہیں تھے۔

اور تمام اہل دنیا میں سب سے زیادہ تنگی میں بسر نہیں کر رہے تھے؟ فراعنہ نے انہیں غلام بنا لیا تھا اور طرح طرح کے بدترین عذاب میں مبتلا کر رہے تھے انہیں تلخ گھونٹ پلا رہے تھے اور وہ انہیں حالات میں زندگی گذار رہے تھے کہ ہلاکت کی ذلت بھی تھی اور مغلوب ہونے کی قہر سامانی

بھی۔ نہ بچاؤ کا کوئی راستہ تھا اور نہ دفاع کی کوئی سبیل۔

یہاں تک کہ جب پروردگار نے یہ دیکھ لیا کہ انہوں نے اس کی محبت میں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرلی ہیں اور اس کے خوف سے ہر ناگوار حالت کا سامنا کرلیا ہے تو ان کے لئے ان تنگیوں میں وسعت کا سامان فراہم کردیا اور ان کی ذلت کو عزت میں تبدیل کردیا۔ خوف کے بدلے امن وامان عطا فرمادیا اور وہ زمین کے حاکم اور بادشاہ۔ قائد اور نمایاں افراد بن گئے الٰہی کرامت نے انہیں ان منزلوں تک پہونچا دیا جہاں تک جانے کا انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

دیکھو جب تک اجتماعات یکجا رہے ان کے خواہشات میں اتفاق رہا ان کے دل معتدل رہے ان کے ہاتھ ایک دوسرے کی امداد کرتے رہے ان کی تلواریں ایک دوسرے کے کام آتی رہیں ان کی بصیرتیں نافذ رہیں اور ان کے عزائم میں اتحاد رہا وہ کس طرح باعزت رہے کیا وہ تمام اطراف زمین کے ارباب اور تمام لوگوں کی گردنوں کے حکام نہیں تھے۔

لیکن پھر آخر کار ان کا کیا انجام ہوا؟ جب ان کے درمیان افتراق پیدا ہوگیا اور محبتوں میں انتشار پیدا ہوگیا باتوں اور دلوں میں اختلاف پیدا ہوگیا اور سب مختلف جماعتوں اور متحارب گروہوں میں تقسیم ہوگئے تو پروردگار نے ان کے بدن سے کرامت کا لباس اتار لیا اور ان سے نعمتوں کی شادابی کو سلب کرلیا اور اب ان کے قصے صرف عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے سامان عبرت بن کر رہ گئے ہیں۔"(۱)

امیر المومنین علیہ السلام کے اس فصیح وبلیغ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر قوم وملت کی ترقی کا راز دراصل اس کی وحدت اور اتحاد میں پوشیدہ ہے اور اس کی تنزلی، پستی اور بربادی کی اصل وجہ اس کی نااتفاقی تفرقہ اور آپسی لڑائی جھگڑا ہی ہے۔

---

(۱) نہج البلاغہ: خطبہ قاصعہ

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے دور میں کیونکہ مسلمان اسلامی آداب کے پابند اور اخلاقی بلندیوں پر فائز تھے اسی لئے وہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے بہترین دوست، رحم دل اور دشمنوں کے مقابلہ میں ایک آہنی دیوار تھے۔

اس وقت اسلامی سماج اور معاشرہ، سماجی اور انسانی کمالات کی بلندترین منزلوں پر پہونچنے کی بنا پر دوسری قوموں کے لئے نمونۂ عمل بنا ہوا تھا۔ جس کی طرف خداوند عالم نے مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ فرمایا ہے: ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّ سَطاً لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً﴾ ”اور تحویل قبلہ کی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت قرار دیا ہے تا کہ تم لوگوں کے اعمال کے گواہ رہو اور پیغمبر تمہارے اعمال کے گواہ رہیں۔“(۱)

یا دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔“(۲)

بلند و بالا آداب و اطوار اور ارفع و اعلیٰ کردار نیز بہترین اخلاق کا مظاہرہ کرنے کے بعد ہی کوئی قوم دوسری قوموں کے لئے نمونۂ عمل قرار پا سکتی ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے: ”كُوْنُوْا دُعَاةَ النَّاسِ بِغَيْرِ اَلْسِنَتِكُمْ“ ”لوگوں کو زبان کے بجائے اپنے عمل کے ذریعے دعوت دینے والے بنو۔“(۳)

کیونکہ جب تک عمل موجود نہ ہو صرف زبان کی کوئی قدر و قیمت اور تاثیر نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں اسلامی پرچم سر بلند نظر آئے اور خدا کا دین ہر جگہ عام ہو جائے تو پھر

(۱) سورۂ بقرہ: آیت ۱۴۳

(۲) سورۂ آل عمران: آیت ۱۱۰

(۳) بحار الانوار: ج ۶۷، ص ۳۰۹

ہمارے لئے بھی یہی ضروری ہے کہ ہم اسلامی آداب واحکام اور طور طریقوں کے زیور سے اپنے کو آراستہ کریں اور ہمارا اخلاق وکردار خالص اسلامی اور الٰہی روح اور پیکر میں ڈھلا ہوا ہو۔ چنانچہ اسی وقت ہم دوسری قوموں کے لئے نمونۂ عمل بن سکتے ہیں اور انہیں اسلام کی طرف راغب کر کے اس کا گرویدہ بنا سکتے ہیں۔

لہٰذا آج ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی آداب کی مکمل پابندی کرے تا کہ اسلام ہر جگہ باعزت اور سر بلند نظر آئے اور اس کے دشمنوں پر اس کی ہیبت قائم رہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے ہمیں وحدت واتحاد اور ایک ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور نا اتفاقی اور لڑائی جھگڑے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا مذکورہ تمام گفتگوؤں کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام اسلامی آداب کے تین بنیادی مقاصد ہیں۔

۱۔ مسلمانوں میں اتحاد اور بھائی چارگی پیدا کر کے مسلمانوں کی عزت و سربلندی میں اضافہ کرنا۔

۲۔ دوسری قوموں کے لئے عملی نمونہ پیش کر کے انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا۔

۳۔ مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں ترقی وکمال اور ابدی سعادت تک پہونچانے کے لئے ایک دوسرے کا تعاون اور امداد کرنا۔

اور یہ تمام مقاصد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں کہ جب ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کی جائے اور ان کے درمیان اخوت و بھائی چارگی کا دور دورہ ہو اور وہ ایک دوسرے کی ہر خوشی اور غم میں برابر کے شریک رہیں۔